

1242

उर्दू संग्रह

पुस्तक का नाम मिस्टेरिज ऑफ लाहोर

तीन भाग मुकम्मल

लेखक डॉक्टर सी खुशवाख्श

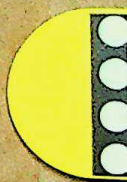
प्रकाशन वर्ष १९००

आगत संख्या १२४२

1242



1242:U



1242

میرزا رفیع لاہوری



0.9
21

Acce
1581

۱۹۰۰ء
میں

مصنفہ شمس
ڈبلیو سی خورشید

حسب فرمائش بھائی دیانگہ صاحب
تاجہ کتب لاہور و روارہ کوٹہاری - ۲

ہا ہو
بکین
مجھے
پس
ہیں
لانی
جانے
ی
ہا ہا
ہیں
یہ
کمال
ہائیں
تہ

क्रमे ज्ञानान्न मुक्तिः

पुस्तक सं०...D...V.../...

क्रमांक सं०...99397...

विभाग सं०...90.../...



1242:U

नाظرین

معافی

مفسر آف لاهور نے اسرار عجائبات و خرابات لاهور کی پہلی جلد آپ کی خدمت مبارک میں پیش کی جاتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ کینہ کوئی مصنف نہیں۔ لایق نہیں۔ فایق نہیں۔ ایک بیچارہ معمولی شخص ہوں۔ اسلئے مجھے امید ہے کہ آپ میری سہو و خطا کو جو آپ اس کتاب میں ممکن ہے سینکڑوں جگہ پائیں گے سہرا بانی کر کے معاف فرمائیں گے۔

مجموعہ سوچو وہ سو سائنسی کی مبارک کوششیں جو ملک اور قوم کی بہبودی کے بارہ میں آج کل ہو رہی ہیں۔ آپ سے پوشیدہ نہیں۔ مگر ریفارمیشن کے ساتھ ساتھ ہی بنائی ہوئی کاری اور دغا بازی درجیہ اولیٰ مدوم ہونی چاہئے تھیں اسی اپنے پاؤں برابر لایسے جانے چلی جا رہی ہیں کہ سچ پوچھو تو بدکاری کا گھر ریفارمیشن کے گھوڑے سے بڑی تیزی کیساتھ کوسوں دور لگے نکل گیا ہے۔ وہی لوگ جو ایک طرف ریفارمیشن کی پالکی کا ہار اٹھانے کے لئے تیار ہیں۔ قدم قدم کی دوسری طرف خرابات کا محل بنانے میں بھی سہی لکھنے سے فرق نہیں کرتے۔

حیرانی کی بات ہے کہ مغربی تعلیم جسکی دھوم دھام کا شہرہ ہر چار سو روز و شب کی طرح پھیل رہا ہے۔ جب سے چار سال تشریف لائی ہے میں اپنی میٹھا ریکٹوں سے لالچ کرنے کے ساتھ ہی بدکار اور عیاشی پر لے درجہ کا باجلی ہے۔ آپ دودھ کیوں جائیں لاهور کو بھی لیجئے کہ جب شراب نوشی کی برائیوں کو عام طور پر ظاہر کر کے لوگوں کو متنبہ

کرنے کا کسی کو خیال تک بھی نہ تھا۔ اسوقت اگر یہاں ایک ابکاری کی دوکان تھی تو آج جبکہ جابجا شراب نوشی کے بر خلاف تفریبات ہو رہی ہیں یہاں دس دوکانیں موجود ہیں اسوقت اگر کوئی چھپ چھپ کر پیتا تھا۔ تو آج سر بازار پی رہا ہے اسی طرح رنڈی بازی کی طرف نظر کیجئے میں سال پہلے اگر کوئی جھک مارتا تھا۔ تو سو پر وہ ہیں۔ لیکن آج کونفری تعلیم کا ستارہ اوج پہ ہے۔ یہ حال ہے کہ رنڈی کو گلی میں بیٹھا کر سیر کیلئے لیجانا ایک معمولی بات ہے طے ہنا لقیاس قمار بازی کی طرف دیکھئے کہ جس زمانہ میں قمار بازوں کو قانون کی دھمکی نہ تھی۔ اس کا اتنا بچر چاہی نہ تھا۔ مگر آج جب کہ سینکڑوں کوسنز انہیں بھی ہو رہی ہیں یہ حال ہے کہ شارع عام اور چور استوں میں قمار بازی کا جال بچھا ہوا ہے۔ ہمیں مختلف سماجیوں قایم کرنے کی کیوں ضرورت پڑی؟ ہمیں۔ ایسا رسوسائٹیاں بنانے کی کیوں سوجھی ہمیں جابجا وعظ کرنے کی کیوں تدبیریں کرنی پڑیں؟ صرف اسلئے کہ ہمارے ہاں بٹن بدی کا بازار گرم ہو رہا ہے وجہ؟ ہنسی روشنی کی مہربانی۔! ابو +

میں نے اس کتاب میں زیادہ تر حال اپنے تعلیم یافتہ باوروں کی دہرہ دہرہ کرتوں کا لکھا ہے کیونکہ عام آدمیوں کے حالات تو عام ہونے کی وجہ سے ایک عام دلچسپی ہی پیدا کر سکتے ہیں مگر ان لوگوں کی جو سوسائٹی کے نامی گرامی احباب کہلاتے ہیں معاملات علاوہ دلچسپی کے ایک جوش پیدا کرتے ہیں جو کوئی نہ کوئی نتیجہ نکالے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میری اپنی رائے ہے کہ اس مثنوی اور آزادوی کے زمانہ میں ہیں اگر کوئی سخت ضرورت ہے۔ تو ہے کہ ہم اپنے نوجوان دوستوں کو جو اپنے شباب کے زمانہ پر قدم رکھا چاہتے ہیں خبردار اور مشاہد کریں کہ وہ حضرت شیطان کے بانغ کی سیر سے پرہیز کریں۔ اور قوم کی اصلاح کے قہر عالی شان کو ہر ہاتھ سے روک دے۔ یہ فرض دہیں ہر کہتا ہوں کہ یہ میری رائے ہی ہے اب تک ابھی طرح ادا نہیں ہو سکتا۔ جنگ ہم اپنے نوجوان بھائیوں کے آگے کرہ عیش و نشاط کی کہ جسکی سیر کیلئے انکا دل جلد ہی چل جائے۔ حدود اربعہ کا پورا پورا نقشہ

کسیچ کر نہ رکھیں۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ بدی سے کسی کو اگر سچا منظور ہوتا ہے۔ تو بدی کی ہر ایک بدی کا خاکہ کھینچ کر اس کے سامنے رکھنا پڑتا ہے۔

اس لئے پیارے ناظرین۔ آپ اس کتاب میں صبح شدہ حالات اور واقعات کو پڑھکر ان سے اخلاقی نتیجہ نکالنے کی کوشش فرمادیں۔ اور میری اس محنت کی جس سے میں نے ان واقعات کو جمع کیا ہے داد دیں۔

واضح رہے کہ چونکہ میں نے مسٹر نیر آف لاہور کو ناول کے پیرایہ میں لکھنا شروع کیا ہے اس لئے مجھے داستان کے سلسلہ کو قائم رکھنے کے لئے بعض بعض جگہ کئی ایک واقعات کو رنگ پڑنا بھی پڑ گیا۔

شکریہ۔ اخیر میں میں اپنے ان عیاش دوستوں کا رسول سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جن کی بڑی صحبت سے میری زندگی کا بہت سا حصہ برباد ہوا۔ آپ حیران ہونگے کہ میں شکریہ چہ معنی دار دو؟ لیکن میں سچے دل سے کہتا ہوں کہ میں دراصل اپنے عیاش دوستوں کا مشکور ہوں۔ کیونکہ یہ سب کچھ انہیں کی برکت ہے کہ میں آج اس راستہ کی جدہر جا جا کر میں نے بیٹھا ٹھوکریں کھائیں۔ تانیک ناہوار اور خطرناک گلیوں میں مشعل لیکر کھڑا ہونے کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھنے لگا۔

نوٹ ۱) جی تو چاہتا تھا کہ واقعات کے ساتھ ہی لوگوں کے اصلی نام بھی درج کئے جاتے مگر بہت سے اصحاب کی نصیحت سے میں نے فرضی نام کتاب میں لکھ دیئے ہیں۔ جو امید ہے کسی خاص شخص کے دل کو نہیں دکھائیں گے۔

نوٹ ۲) چونکہ اس کتاب کے تاریخی سلسلہ کو میں نے ۱۸۵۷ء سے شروع سے شروع کیا ہے۔ اس لئے اس جلد میں پہلی جلد میں وہ واقعات درج ہیں جو آج کچھ پرانے ہو چکے ہیں۔ دوسری اور تیسری جلد میں بشرط زندگی بہت کچھ تازہ واقعات درج ہونگے۔

الماس

ماظرین! آؤ کوئی ایسی تدبیر سوچیں جس سے پنجاب کے دارالحکومت کے
 باشندگان دکم از کم تعلیم یافتہ خدایوں اور وادیا تیوں سے بچے نہ کریں
 کیونکہ لاہور وہ جگہ ہے جو پنجاب کے نوخیز نوجوانوں کا دارالعلوم
 ہے۔ جہاں وہ اپنی عمر کا ایک حصہ گزارنے کو وہ دروازے آتے ہیں۔
 اور افسوس ہے اگر میں یا آپ انہیں یہاں آرام چین۔ اور پاکیزہ طریق
 معاش میں بسر کرنے کی طرف راغب نہ کرتے رہیں۔

بندہ وزیر چند خوشباش
 لاہور

مشرقات لاہور

اسرار عجائبات و خرابات لاہور

جلد اول

پہلا باب

لاہور کے نامور امراء کی ایک مختصر نشا

ناظرین

اگر آپ نے اس کتاب کے پہلے صفحوں پر لکھی ہوئی تہنید کو دل لگا کر لفظ
بلفظ پڑھ لیا ہے اور مصنف کے اس مدعا کو جو تہنید میں کتابیہ شریع ہے اچھی طرح
سمجھ لیا ہے تو آئے بڑی خوشی سے اس کتاب کو پڑھنا شروع کیجئے۔ آمین + + +
مشرقات لاہور کی مہم کا بل کو لوگ پہوے نہیں ہونگے بلکہ مدت تک یاد رکھیں گے
خمسو۔ جو اس کی بدولت فقیر سے امیر بن گئے تو بات بات پر اپنے ان
سچلے دنوں کو جو جو ملک اور سرکار کے لئے بڑے ہی کیوں نہ تھے یاد کر کے دعا میں
مانگتے ہونگے کہ **فغانِ ستان** پر ہماری سرکار بھی کبھی چڑھائی کرے کہ
یاروں کی چاندی کھری ہو۔

بجلا جہاں گہاس ایسی چیز سرکار کو دیش و نش میں بیٹھ رہن کی لاکٹ ٹی

وہاں اور اجناس کے اخراجات کو تو کہاں تک اندازہ کیا جاسکتا تھا۔
 اور تو اور مگر محکمہ کسٹریٹ کے ٹھیکہ داروں کے تو اس جنگ میں نصیب جاگ
 بٹے تھے کہ سال دو سال کے عرصہ میں کچھ اور ہی ہو گئے۔ جنگ کے ختم ہونے پر
 ان لوگوں نے اپنے وطن میں پہنچ کر دیر تک عیش و نشاط کی محفلیں گرم رکھیں اور
 مدتوں تک خوشیاں منایا کیں اور سوچ پوچھے تو ہم تو اس جنگ کے صیغہ کسٹریٹ
 کو ساری عمر تک یاد رکھیں گے کیونکہ اسی صیغہ کے ایک زندہ دل ٹھیکہ دار کی مغل
 رقص و سرود میں سے ہماری اس داستان کا آغاز ہوا۔ ہم تو بلکہ اپنے اس
 حبیب کو اس داستان کا بانی کہیں گے۔

یہ لاہور کے گنگا رام نامی ایک پنجابی کھتری صاحب تھے۔ مندرکہ بالا جنگ کے
 شروع ہونے سے پہلے شہر کی گلیوں کے فرش وغیرہ مرمت کرانے کا ایسا ویسا کام
 کھیٹی لاہور سے یہ ٹھیکہ پر لیا کرتے۔ مگر چونکہ جوان اور عیش پسند تھے۔ اس لئے
 حسب خواہش اوقات بسر کرنے سے محروم رہا کرتے۔ ایام جنگ کابل میں
 حسن اتفاق سے انھوں مقام جہلم محکمہ کسٹریٹ میں ایک دوست کی مدد سے پہوسہ
 بہم پہنچانے کا ٹھیکہ مل گیا۔ رسد اور چارہ رسانی کے لئے خزانہ سرکار کھلاؤ تھا ہی
 بس سال ڈیڑھ سال میں لالہ گنگا رام کے اسی گھاس پہوس میں وہ وائے
 نیارے ہو گئے کہ جنگ ختم ہونے پر یہ چپ چاپ چائیس ہزار روپیہ کے
 ہلکے بنگ لاہور میں چلے گئے۔

لاہور میں اگر انہوں نے شاہ عالمی دروازہ کے متصل ایک محلہ میں
 اپنے پہلے چھوٹے سے گھر کو گروا کر دونوں میں ہی ایک نئی وضع کا عمدہ عایشان
 مکان بنوایا اور آرام سے اس میں رہنے لگے

عیش و عشرت کی طرف تو اوائل سے ہی رغبت تھی مگر چونکہ من مانی مرادیں

اُن دنوں کھلی دولت کے سوا برہ آسکتی تھیں۔ اس لئے اب خوب ہی جی بھر
کے سیریں کرنی شروع کیں۔

سب سے پہلے کے ماہ اپریل کی ایک دوپہر کو اپنے عالی شان سے مکان کے
ایک خوبصورت جھروکے میں بیٹھے۔ یہ بازار کی سیر دیکھ رہے تھے کہ کسی نے
باہر سے نشنگا کے دروازہ پر دستک دی۔

پوچھا کون ہے؟

جواب ملا۔ ”جی میں حضور وانغلام ہیگان میرا بخش۔“

چونکہ لالہ گنگا رام کمرہ میں اکیلے تھے اور کوئی خدمت گار یا شاہنشاہی انہوں نے
آپ اسٹیمر کے دروازہ کھولا اور پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

میرا بخش نے جب کہ سلام کیا اور بڑے ادب سے مسکراتے ہوئے کہا ”جھو“

آپ دی لونڈی بدر نشان نے مینوں بھیجا ہیگا پٹی لالہ ہوراندی خدمت وچ
عرض کرنی جے سانوں تے بھاویں وسار ہی چھڑیا ہیگا۔“

اتنا کہ وہ دوزانو بیٹھ گیا۔ لالہ گنگا رام نے مسکرا کر دریافت کیا۔

بدر نشان نے سنیا سی کے مال نکاح کر گئی سی۔“

میرا بخش نے بڑی عاجز صورت بنا کر اور دانت دکھا کر بناوٹی قہقہے لگاتے ہوئے

جواب دیا۔

”بہاراج خدا حضورنوں دونا اقبال دے۔ عرض ایطرح ہیگی جے بدر نشان“

دھوکے بیٹھ آگئی سی۔ آپ جانندے او پہلی عمر تے بھولی طبیعت اوسدی۔ سن۔“

ایویں کہے نے لالہ پارادے کے بھر مائی۔“

لالہ گنگا رام نے کہہ کھلا کر ہنستے ہوئے کہا۔ ”خوب تاں بس نکاح پیرٹ دی گئی“

ہیگا۔ مگر اوہ کون سی استاد میٹرا بدر نشان نون دی سمجھ لا گیا۔“

میرا بخش ایک آہ بھر کر بلا مہاراج! بیگم نے اوہ بڑا آدمی سی پڑے آدمی
والا اس کم نہ کیا۔ گھروں کی زراچی بجے تکی سی تے پہاں لائی اسی کا س نوں سی
پر وہ اوہ درشتاں توں تاں کسے بادشاہ دی بیگم "بنن سے لائی بیگم"
لالہ صاحب نے فرمایا: "ایہ تاں سچ بیگم است! میرا بخش! کہ بدرشتاں جیو تیرے
والی رنڈی ساڈے لاہور پوج تے کوئی ہی نہیں۔ مگر اوہ بیگم لون سی جس نے
خواہ مخواہ وقت پاوتا۔"

"مہاراج! اوہ اینہاں کالیاں وچوں ہی بیگم اک پر سچ پوچھ تے پٹھان ہون
"لچ لادتی پٹھان کا ہا اوہ تاں جلا نا ہی نہیں جیہڑا اپنا گل اتوں مار گیا۔ تے
"ساڈے۔ کو لوں بچھدے اوہ سرکار تے اسان تاں لکھ شکر کیا بیگم جے ساڈی سرکار
"مڑکے اپنے گھر آگئی اے۔ یہی لاہور درشتاں جیو معشوق کو لوں اوہ قید کتھوں جھکیں
"پوئی سی! اوہ تاں حضور جیسے امیراں دی مجلس و اکھلا دنا ہیتی۔"

پورا النساء (معروف بدرشتاں) لاہور میں ان دنوں ایک مشہور
خوبصورت طوالین تھی۔ علاوہ خوبصورتی کے گانے میں کیا ناچنے میں بس شہرہ
آفاق تھی۔ حاضرین اور سامعین دیکھ دیکھ کر اور سن سن کر لٹو نہ ہو جائیں
تو بدر النساء کا نام ہی کس کام لالہ گنگا رام جب میونسپلٹی لاہور کے ایک
غریب ٹھیکہ دار تھے تب وہ بدر النساء کے مکان پر گاہے بگاہے جاتے تھے
مگر سوائے اس کا گانہ سن آنے کے ان کا اس کے ساتھ ابھی تک کوئی اور
تعلق پیدا نہ ہو سکا تھا۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ لالہ گنگا رام ابھی تک
بدر النساء کے جام و وصل سے مسرور نہیں ہو سکتے تھے۔ وجہ یہ تھی
کہ ٹھیکہ داری کی غریب حالت میں یہ ان اخراجات کی برداشت
کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ جو بدر النساء سے ہم آغوش ہونے کے لئے

درکار تھے۔

جام وصل سے تو بیشک یہ ابھی تک محروم ہی تھے۔ گرجام شراب کئی بار یہ بدرالمنسا کے نازک ماتحتوں سے پئے ہوئے تھے جن دنوں لالہ گنگا رام کسریٹ کے ٹھیکہ دار جبکہ پہلے کو جاتے تھے۔ ان ایام میں بدرالمنسا کا بہت برا حال تھا وہ لوگوں کو اپنے دام تہ دیدہ میں پھنساتی پھنساتی خود ایک صیاد کے پھندے پھنس گئی تھی۔ یہاں تک کہ سارے شہر میں ایک شور مچ گیا تھا کہ بدرالمنسا ایسی معذرتہ لاہور کی محفل عشاق کو بس دماغ مفارقت کے بیتاب کر چلی۔

یہ اٹھائیسواں برس شاہی خاندان میں سے ایک پرلے درجہ کا خوبصورت نوجوان تھا۔ جسکی خاطر بچاری اپنا آرام جان بکھوٹی تھی۔ اس کا نام شہزادہ خیر محمد خاں تھا۔ اس بدرالمنسا کو اپنے گھر میں ڈال لیا ہوا تھا۔ قریب تھا کہ اس پر نظیر جوڑے کا قانونی عقد ہو جائے کہ یہ از شہزادہ خیر محمد خاں کے والدین پر کھل گیا۔ والدین نے اپنے اکلوتے لڑکے کو اس حرکت سے باز آ جانے کیلئے سخت فہمائش کی نہ صرف فہمائش ہی کی بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ ان کو اس کا جان سے روا ڈالنا اتنا بے رحم نہ دیکھ۔ جتنا اس کا ایک بازاری رنڈی کو گھر میں ڈال لینا۔

خیر محمد خاں اور اس کے خویش واقربا لاہور میں۔ اگرچہ سرکار انگریزی کے شاہی قیدی تھے مگر انکو اپنے شاہی خاں اور جاہ و منزلت کا تو وہی خیال تھا جو انکو ایک وقت افغانستان میں تھا۔ اس قسم کی سخت دہسکی سے خیر محمد خاں کی جان ناک میں آگئی اور اس نے آخر مجبور ہو کر بدرالمنسا کو اپنے ماں سے علیحدہ کر دیا تھا اور اب وہ والدین کی نظروں سے بچ بچ کر کہیں کہیں اس کے مکان پر جا نکلتا تھا یہ حال بدرالمنسا بقول میراں بخش "مڑ کے اپنے گھر آگئی تھی۔"

لالہ گنگا رام کو دیکھ کر اسی تک بھی معلوم ہوا کہ بدرالمنسا کسی کے ساتھ

نکاح کر گئی ہوئی تھی۔ جب اپنی پرانی معشوق کا نام میراں بخش کی زبانی ملتا تو بے اختیار اس کو دیکھنے کی چاہ جوش مار آئی۔ میراں بخش سے پوچھا کہ میں یہاں آؤں تو حال بد نشان کو کس طرح معلوم ہوا؟

میراں بخش نے مسکرا کر بڑے ادب سے جواب دیا۔
”بھی عید اں دے چن چڑھے دی کدی گچھے چھپے رہنا سے ہینگے۔“
لالہ گنگا رام نے کچھ سوچ کر فرمایا۔

”چکا میراں بخشا توں جاتے ساڈا وی سلام جا کے انہاں توں دے تے کہویں
پئی راج رات مھرے واسطے اسیں انتظام کر چھڑاں گے ستے خیر انہاں دیاں ستے
ساڈیاں گلاں۔“

میراں بخش فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور دعائیں دیکر کہنے لگا۔

ابھی بات غریب نواز۔ شالام ضرور نوں ایس تھیں ہی ونا اقبال نصیب ہوئے۔
”تے یاروین والا پیر سنگر حضور نوں کسے دا محتاج نہ کرے تہاں ہو ر کد ہروں۔“
راج فر سامی آئے تے موڑویاں گے کیوں جے حضور واکھ تے ہو ر فوول لکھ
اک۔ برابر ہیگا۔“

لالہ صاحب نے فرمایا۔ اں ہو ر کسے دی سامی نہ لینی۔“

میراں بخش سلام کرتا رخصت ہو گیا۔

جب وہ چلا گیا۔ لالہ گنگا رام صاحب اپنے دل میں سوچنے لگے کہ وہ بہت ہی
دنیا میں ایک عجیب چیز ہے۔ ایک سا وہ ہی دن تھا کہ میں پیراں بخش کے مکان
پر جا جا کر تنگ جایا کرتا اور ہنس و ہنست بات کرتی اور آج یہ پیراں ایک دن ہے کہ
وہی پیراں بخش خود حاضر ہونے کو حاضر ہے۔ یہ سب میرے کی کھیل ہے۔

کوڑی کے اس چل میں فقیر فقیر میں کوڑی کوڑی کے بھرتی تین تین میں

بہر حال لالہ گنگارام نے باوجود اس سوچ کے بقول شخصے کہ خاک سمجھائے کوئی
 عشق کے دیوانے کو۔ دل میں ٹھہان لی کہ جو ہو۔ سو ہو۔ آج بدر النساء کا مہرا تو
 ضرور دیکھا چاہئے۔ چنانچہ لالہ صاحب جو انگریزی فارسی سے خوب ماہر تھے اپنے
 احباب کی طرف دعوتی رقصے لکھنے بیٹھ گئے۔ ان رقعات کی عبارت ایسی سنجیدہ تھی کہ
 اگر مکتوبیالیہ کے سوا کوئی اور پڑھ چھ لے تو یہی معلوم کہ لالہ گنگارام کے ماں کوئی نہایت
 ہی پاکیزہ شغل ہے اور ناچ رنگ کا مطلقاً وہم یا خیال تک بھی نہ گزرے۔ جن اصحاب کی طرف
 یہ رقصے لکھ کر بھیجے گئے انکے نام اصلی نام اور عہدے اگر اس جگہ درست درست اور
 بلا کم و کاست لکھے جاویں تو امید ہے۔ ایک دفعہ سوسائٹی میں وہ زود و اجوش و
 خروش مچ جاوے کہ ہم کو اپنی ناول لکھنے کا انکی آن میں مزہ چکھنا پڑے۔ مگر پھر بھی
 ہم کچھ نہ کچھ لکھے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اسلئے ہم اپنے ناظرین کی اس لطف اور شوق کو جو اس
 جگہ نام چھوڑ دینے سے بالکل ہٹکا ہو جاتا۔ پورا کرنے کی خاطر ذیل میں ایک فہرست لکھتے
 ہیں۔ جو کو فرضی ہے مگر ہر ہی باریک بین پڑھنے والوں کے لئے پتہ دے سکتی ہے
 کہ کون کون اصحاب اس پاکیزہ شغل میں شامل ہونے کو مدعو کئے گئے تھے۔ وہ یہ
 صاحبان تھے:۔ لالہ رام کشن وکیل۔ میزرا فضل حسین اور سیریلوے رنجیت نیر سدھو
 ڈاکٹر شرف الدین۔ پرنسپل برج موہن ناتھ مہر جم جیٹ کورٹ۔ لالہ منجند اس کوٹھٹ
 دیوان دینا ناتھ بی۔ لالہ ستام داس آڈٹ آفس لاہور۔ لالہ ہیم سین منشی شرمک
 جنگلات۔ مولوی یوسف خان پروفیسر کالج۔ بابو بالک رام میونسپل کسٹرن وغیرہ
 وغیرہ۔ سب سے زیادہ لطف کی بات یہ تھی۔ کہ یہ سب سب اصحاب بڑی بڑی
 سوسائٹیوں کے لیڈر اور ممبر تھے وہ سوسائٹیاں کو جو ملک اور قوم کی اصلاح
 کا بیڑا اٹھائے بیٹھی ہیں + اب اس رقصہ کے مضمون کا بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ جو
 ان اصحاب کی خدمت میں لکھا گیا تھا۔ اس میں لکھا تھا +

..... کمانی دیر

آپ کو تکلیف تو ہوگی۔ مگر اس خیال سے کہ آپ شاید یہ سمجھ بیٹھتے ہوں کہ ہم نے اپنی کمیٹی کا بس ایک وہی اجلاس ہے بعد خاتمہ کر دیا میں آپ کو بڑی خوشی سے اطلاع دیتا ہوں کہ آج کترین کے مکان پر ہمارے پانے کھانے کے دروازے والے بہگت اس معرفت کے قہقہہ کو کہ جس نے پچھلی دفعہ ہمارے مسلمان بھائیوں کی خاطر زیادہ غلط کیا تھا۔ گارسا میں گئے اس تکلیف معاف فرما کر ضرور شریف لائے گا۔

آپ کا تابعدار۔ بندہ گنگا رام

لالہ گنگا رام ان رقعات سے فرصت پا کر اپنے کمرہ کی آرائش کی دیکھ بہال میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ جب اپریل کے آفتاب بہار اپنی رہی سہی شعاؤں کو وسیط کر قلمہ مغرب میں داخل ہو گئے۔ لالہ گنگا رام کے نوکروں نے نشنگاہ کے کمرہ کو شمع فرنگ سے داراؤں بنا دیا۔ کمرہ کی دیواروں میں آدم قدائیں لگے ہوئے ہونیکے سبب جذبہ نگاہ پڑتی تھی۔ بس نور ہی نور نظر آتا تھا۔ فرش پر دیواروں کے ساتھ بڑے بڑے کاؤتکے رکھ دیئے گئے۔ دیواروں کے ساتھ نقشان فرنگ کی کھینچی ہوئی خوبصورت ماہ رخاں کی تصاویر پینٹی ہوئی حالتوں میں کمرہ کی آرائش میں گویا جان ڈال رہی تھیں۔ سارے کمرہ میں چونکی نیلگوں رنگ کی لپائی شفاف آسمان کارات کے وقت منہ کالا کر رہی تھی۔ فرش پر ایک ہی لمبی چاندنی چادر بچھی ہوئی چاند کی چاندی کو شرابہ تھی۔ ہوا کے ٹھنڈے جھونکے کمرہ کی کھڑکیوں میں سے جبرائیل گھس کر اپنی باوقوف موسمی خدمت پر برابر حاضر تھے غرض ہر ایک چیز اپنی جگہ پر بتقریب لیس کھیا رہی تھی۔ اور لالہ گنگا رام کمرہ کی آرائش کی دیکھ بہال میں سطح مصروف تھے کہ ایک نوکر نے اکو ایک چٹھی لفافہ میں بند کر دی۔ یہ ان کے عوا حباب میں سے ایک کی طرف سے معذرت تھی جنہوں نے لکھا تھا:۔

”پیارے گنگارام جی۔ میں آپ کی یاد آوری کا کمال مشکور ہوں۔ اور میں بخوشی حاضر ہوتا۔ مگر چونکہ میرے امتحان میں اب بالکل ٹھوڑے دن باقی رہ گئے ہیں۔ اس لئے ملتیں ہوں کہ آپ میری غیر حاضری کو معاف فرما کر مجھ کو مشکور کریں گے۔“

آپ کا غلام دینا ناتھ ۲۰ اپریل

لالہ گنگارام نے چھٹی پڑھکر کھڑے کھڑے میز پر سے قلم اٹھا چھٹی کی پشت پر جواب لکھ دیا۔

”دیوان جی۔ اگر آپ ایک دوست کی خاطر اپنے مطالعہ سے دو گھنٹہ کی مفارقت دو گوارا کر لیں۔ تو کچھ بڑی بات نہیں۔ آپ سچ جانے کہ آپ کی غیر حاضری ہماری محفل کو بچان کر دیگی۔ کہیں ایسا نہ ہو مجھے آپ کی خاطر محفل کو ہی آج رات ملتوی کرنا پڑے اور اپنے احباب کے آگے شرمسار ہی حاصل کر دوں۔ آئندہ اختیار۔“

آپ کا غلام گنگارام

دیوان وینا ناتھ کا ذکر یہ جواب لیکر چلا گیا۔

چونکہ وقت ہو چلا تھا۔ اس لئے لالہ گنگارام کے مدعو احباب شروع ہو گئے۔

لالہ صاحب نے اپنے دوستوں کو مکلف جگہوں پر بٹھلاتے جاتے تھے۔ اور ہر ایک سے بڑے خندہ پیشانی سے ملکر مزاج پر سی کرتے تھے۔

غرض رات کے دس بجے سے چند منٹ پیشتر لالہ گنگارام صاحب کے سب مدعو احباب ماسوائے دیوان وینا ناتھ کے رونق افروز محفل ہو گئے۔

لالہ صاحب کو دیوان صاحب کے آپہونچنے کی یہی کئی امید ہو گئی تھی۔ کیونکہ انکی طرف سے اپنی تاک کوئی اور جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ اس لئے نوکر و نگو اشارہ

ہوا کہ نشہ کا سامان حاضر کریں۔ خدمت گاہوں نے فوراً لکڑی کی ایک بونہنی فرشی میز لاکر سب صاحبوں کے آگے رکھ دی۔ یہ ایک چار ماہی کے برابر بی چڑی

روغنی میز تھی جس کو ایک ایک فیٹ اونچے چار پائے لگے ہوئے تھے۔ لالہ گنگا رام صاحب
 کے دنل بارہ احباب جو موجود تھے۔ مگر اس فرشی میز کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ کہ اتنے
 میں انگریزی شراب کی چار بوتلیں لاکر اُس پر رکھ دی گئیں۔ انگریزی قانونوں اور
 لہوں کی جگہ گاتی روشنی میں ولایت کی شفاف شراب کا سو نہری رنگ چمکتا دیکھ کر
 یاروں کی باچھیں کھل گئیں۔ چھ سات طشتیوں میں بہنے ہوئے کباب بھی لاکر رکھ
 دیئے گئے اور دخت زر کو شیشہ کی قید سے آزاد کیا گیا۔ لالہ گنگا رام صاحب نے
 ساتھی کی خدمت پہنچے فرمائی۔ اور اپنے احباب کے گلاس شراب اور ولایتی پانی سے
 لبریز کرنے شروع کئے۔ دوستوں نے اپنے اپنے بلوری جام ہاتھ میں لے لیکر مسکراتے
 لبوں سے ٹکریئے اواسکے۔ اور اس طرح پرکئی ایک قبل و قال کے بعد پہلا دور ختم ہوا۔
 گو سیفا یہ شور و غل نہ ہوتا تھا۔ مگر پھر بھی آٹھ دس حصوں کی گڑ گڑ اور آپس کی ہنسی نہ
 رہی لانا۔ ”وہ لانا“ کی آوازیں اور فکروں کی دوڑ کو دمحلہ والوں کو اتنا تو ضرور بتلا رہی
 تھیں۔ کہ لالہ گنگا رام صاحب کے مکان پر آج کوئی جلسہ ہے۔ اپریل کی ہوا کے
 خوشگوار جھونکوں نے فرائش کی وسلی کو وہ جو بن دیا کہ اپریل کے فول کی طرح
 یاروں کو پہلے ہی دور کے سرور میں معشوقوں کی آدائیں یاد دہانی شروع ہو گئیں۔ کوئی
 تو بوتل میں چمکتی شراب کے ارغوانی رنگ کو معشوق کے گلابی بدن سے تشبیہ دیتا تھا۔
 اور کوئی اسی شفاف رنگ کو اپنی محبوبہ کے نازک ہاتھ میں لگی ہوئی حنا کا سا خوبصورت
 رنگ بتلاتا تھا کوئی کہتا تھا۔ ”یار یہ بلوری گلاس گورے پیارے ہاتھوں سے پیا ہوا
 ہی لطف دیتا ہے“ کوئی کہتا ہے۔ ”ہم جو ست شراب ہوتے ہیں۔ ذرہ سے آفتاب
 ہوتے ہیں۔ غرض ہم پرستوں کے لئے سامنے رکھی ہوئی دخت زر دل پہلائے کے
 لئے ایک عجیب کھلوتا ہے۔ جو کبھی ایک سید ریش بزرگوں کو بھی بچوں کی طرح کھلا
 رہی تھی۔ کہ اتنے میں ہی ہمارا قصہ اپنے سارے زندگیوں سمیت تشریف لے آئی۔

ارباب نشاط کے آنے کی گڑبڑ اہٹ کی آواز سن کر کمرہ میں بیٹھے ہوئے احباب یکبارگی چلا اٹھے۔ لوگ کسبے جن کی انتظار تھی۔

لی بدر النساء کے میرا سیوں نے کمرہ کے باہر ہی ہے۔ "بڑے بڑے پر تاپ" مسائیں دیاں رکھاں "دو اقبال" اور کئی ایک ناپ شباب کی آوازیں کشتی شروع کر دیں۔ کہ جبکہ شکر کمرہ میں بیٹھے ہوئے حاضرین مغل شاد و اپنی اپنی جگہوں پر باقرینہ بیٹھے گئے۔ بدر النساء نے کمرہ میں داخل ہوتے ہی بڑے ناز سے لالہ گنگا رام سے مخاطب ہو کر ہنستے ہنستے منہ سے کہا۔ سلام اسے جی۔ ٹھیکہ وار صاحب نے اپنے دھڑکتے ہوئے دل کو حتم کر سلام کا جواب دیا اور آگے بڑھ کر اپنی پرانی بھڑکی ہوئی معشوقہ کے ماتھے سے ملا کر کہا۔ "ساؤ جی مزاج چھپے نئے۔"

بدر النساء نے کھلکھلا کر جواب دیا۔ "تیس اپنے مزاج و حال و سوجھ بھڑکا بل۔" تے کر اتان گئے ہوئے ساہو۔

اس ملاقات کے بعد لی بدر النساء اپنے سازندوں کے پاس سامنے کی دیوار کے ساتھ جا بیٹھی۔

بدر النساء نے موسم بہار کے موافق وقت کی ایک نہایت ہی نفیس اور قیمتی پوشاک زیب تن کی ہوئی تھی۔ نیلی کتاویر کا یا جامہ روشنی میں چمکتا ہوا حاضرین کی آنکھوں میں ایک قسم کی چکا چوند لار مٹھا۔ اور کوئی آنکھ نہ تھی۔ جو اس پر نہ لگی تھی۔ بدن پر باریک ٹل کی سفید قمیض اندر کی گھٹاری رنگ کی داسکٹ کو عجیب خوبصورت رنگ میں ظاہر کر رہی تھی۔ گلے میں مروارید اور سونے کے دانوں کی مالا میں جہازوں اور لمبوں کی لہرائی روشنی میں حاضرین کی توجہ کو بار بار بدر النساء کے اوپر ہرے ہوئے سینہ کی طرف کھینچ رہی تھیں۔ سیاہ ریشم کا باریک دوپٹہ بدر النساء کے گوبے پر سے کھلا کر چمکا چمکا کر دکھائی دیتا تھا۔

جڑاؤ چڑیاں کے تنگ حلقہ سے باہر ہو پڑتی تھیں۔ ہاتھوں کی نازک انگلیاں
سنہری پھلوں سے بھر پھر حاضرین کی طرف بازار حسن میں عشق کا سودا خریدنے کو
اشارہ کر رہی تھیں۔ لکھنؤ کے خانی عطر کی بو باغ مشربی دماغوں کو اور بھی سرو
کر رہی تھی۔ غرض بدر النساء اپنی تازہ جوانی کے باغ میں گل شگفتہ کی طرح نظر آتی
تھی جس پر کئی ایک گل چینیوں کی تاک لگی تھی۔ سرنگیں آنکھیں مست تھیں۔ لب
مسکراتے تھے۔ رخسارے چمکتے تھے اور اس کے بشاش چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ
خود ہی اچھی طرح جانتی تھی کہ میں خود صورت ہوں۔

الفصل جب ارباب نشا و آرام سے اپنے ساز و سامان سمیت نکلیے جاکر بیٹھے۔ اور
بدر النساء حاضرین کی آنکھوں سے آنکھیں ملا چکی۔ تو لاکنگا رام نے مسکراتے ہوئے فرمایا
بدر نشان نہیں اپہر ساڈے کول آ بیٹھو۔ کوئی پیک اوگ لیا والہ۔
بدر النساء اپنے دل میں بیشک لاکنگا رام کی محبت کا ضرور تصور ابھرتا تھا
رکھتی تھی اور چونکہ آپس میں ملکر شراب پینے کی راہ و رسم ان میں کوئی نئی بات نہ تھی
اور نیردت کے بعد ان کی آپس میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس لئے لاکنگا رام کے اس
ارشاد پر بدر النساء نے کچھ زیادہ انکار نہ کیا۔ بلکہ وہ بڑے ناز و خرام سے جھومتی ہوئی
لاالہ صاحب کے پاس جا بیٹھی۔ بدر النساء کے لئے ایک تہا بلوری گلاس منگایا گیا۔ اور لالہ
لاکنگا رام نے بول میں آدھ پلاؤ کے قریب دھکی اُس میں ڈال دی ربانی کی بول یہ
اٹھا کر کھونٹے کو تپے کہ ان کے ایک ٹنگسا دوست بڈت برج موہن ناتھ نے بڑی
پھرتی سے میٹھے ربانی کی بول کا ڈاٹ پٹلخ دے سوا اور اگر جھوٹ پٹ بدر النساء
کے جام بلور میں کو لبریز کر کے جھاگ جھاگ کر دیا۔ بدر النساء اپنے دوست کی اس
شوق بہری پہرتی کو دیکھ کر مسکراتی ہوئی خاموش ہو گئی۔

لا لاکنگا رام نے جام اٹھا کر شوق سے بدر النساء کے ہاتھ میں دیدیا۔

اور وہ اُس کو ناک چڑھاتی ہیوں بناتی گروں ہلاتی بڑے ناز و نحرے سے نیم مسکراتی ہوئی غٹ غٹ پی گئی۔

ادھر بد رانسا نے رومال سے منہ پونچھ کر گلاس کو ہاتھ سے رکھا۔ ادھر دیوان وینا ناتھ صاحب تشریف لے آئے۔

دیوان وینا ناتھ ایک چوبیس چوبیس برس کی عمر کا خوبصورت نوجوان پنجاب کے ایک قدیمی اور معزز خاندان کی یادگار تھا۔ اس کے بزرگ مدت سے مختلف حکام وقت کی بارگاہوں میں بڑے بڑے جنگی اور دیگر معزز مراتب پر ممتاز رہتے چلے آئے تھے چنانچہ ابھی کل کا ذکر ہے کہ دیوان وینا ناتھ کے والد بزرگوار شیر پنجاب کے دربار ذی اقتدار میں صیغہ جنگ کے ایک بہادر اور نامدار افسر تھے۔ بلکہ سرکار انگریزی نے بھی اس خاندان کی قدردانی ملحوظ رکھی کیونکہ سکھوں کی غلامی کے خاتمہ پر دیوان وینا ناتھ کے والد کو پنجاب برطانویہ سے معقول جاگیر عطا رہی جس سے وہ اپنا گذارہ باعزت و آرام کرتے رہے۔

وینا ناتھ چارے پر پڑنے کا ایسا منحوس سال آیا کہ والد اور والدہ کا ایک ہی سال میں یکے بعد دیگرے اس دنیا سے انتقال ہو گیا مگر ماموں نے اس کی پرورش اور تربیت میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ کہا جس نتیجہ پہنچا کہ آج دیوان وینا ناتھ نے بفضل خدا۔ جی۔ اے۔ کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ اور امیدوار تھا۔ کہ امتحان اکسٹرا اسٹنڈنٹ کیشنر میں پاس ہو جاوے تو اپنے خاندان کا نام ایک بار پھر روشن کرے۔ چال چلن بہت عمدہ تھا اور جو اوصاف ایک نیک نژاد ہونہار کے بنے درکار ہیں۔ وہ سب اس میں موجود تھیں نہال اس بات سے انکا نہیں ہو سکا کہ دیوان صاحب کو پچھلے دو چار ماہ سے اپنے پُرانے دوست لالہ گنگاراخم کی ایک دھمیلوں میں شامل ہونے کے سبب حیران و متحیر رہے لب آہنری کرنے کا سرٹیفکیٹ حاصل ہو چکا تھا۔

لالہ گنگا رام اور دیوان دینا ناتھ آپس میں لنگوٹھے دوست تھے۔ انٹرنیس کا امتحان پاس کر کے لالہ گنگا رام تو ٹھیکوں وغیرہ کی طرف راغب ہو گئے اور دیوان صاحب برابر پڑھتے رہے۔

لالہ صاحب نے اس سے پیشتر ہی دیوان صاحب کو جو ایک دو مخلصوں میں مدعو کیا تو ان کی سابقہ دوستی ایک دوسرے سے تازہ ہو گئی۔ اور آپس میں بے تکلفی ہی بڑھ گئی مگر چونکہ دیوان صاحب کی طبیعت میں ان طفلوں کے راک سے کچھ مذاق پیدا نہ ہوا تھا اس لئے انہوں نے اب کے اس جلسہ میں شریک ہونے سے معافی مانگ بھیجی تھی۔ مگر لالہ گنگا رام کا جواب پڑھ کر انہوں نے اپنے پرانے دوست کی دشمنی کرنی مناسب نہ سمجھی اور جلسہ میں آکر شریک ہوئے تھے۔

لالہ گنگا رام نے جبری عزت اور گرمجوشی سے دیوان صاحب کو اتنے ہی ایک نہایت مکلف جگہ پر کھڑکی کے ساتھ بٹھلا دیا۔

انکی اس طرح پر عزت ہوتی دیکھ کر بی بدیر النساء تو ادا محل کے لحاظ سے اپنا گل اس رکھتی جھومتی ہوئی اپنی جگہ پر جا بیٹھی۔

پانچ دس منٹ کے بعد آپس کی مزاح جیسی ہو چکی تو لالہ گنگا رام نے دیوان صاحب سے دو درجام میں شریک ہونے کو کہا۔ مگر دیوان صاحب نے انکار پیش کیا۔ بلکہ

وہ بول اٹھے :-

*Wah what a nice
Bla a glee came to my eye 1*

یعنی "واہ کیا عمدہ جگہ تھی دیکھنی نصیب ہو رہی ہے۔"

ہمارے ناظرین جانتے ہونگے کہ پنجاب میں کیا عموماً سارے ملک بھر کے انگریزی دانوں میں آجکل یہ رواج ہو گیا ہے کہ جہاں دس پانچ بلکہ ایک دو بھئی انگریزی تعلیم یافتہ آدمی اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ وہاں ان کی گفتگو کی زبان کا پڑھنا نہیں رہتا کبھی ہندوستانی

کے پرچے اڑتے لگ جاتے ہیں کبھی انگریزی کی مٹی بلیڈ کبھی فارسی کبھی پنجابی۔ یہ رواج معمولی درجہ کے ہی اشخاص میں نہیں دیکھا گیا بلکہ بڑے بڑے تعلیم یافتوں میں بھی جاری ہے۔ باسیط لالہ نگار ام اور دیوان صاحب کی آپس میں بحث ہوتی رہی لالہ صاحب شراب نوشی کی تائید میں دلائل پیش کرتے تھے۔ اور دیوان صاحب تردید میں بولتے تھے۔

بہلا یہ کب ممکن تھا۔ کہ شراب نوشی کی برائیوں کو تسلیم نہ کیا جاتا۔ اور لالہ نگار ام کی تقریر میں ایسا کون سا جادو تھا۔ جو ایک گریٹر کی پر از فلاحی دلائل کو کاٹ دیتا۔ اس لئے یہ تو ماننا ہی پڑا کہ شراب نوشی سخت مہیوب چیز ہے اور اسکو عادت بنا لینا انسان کے لئے پُر از خطر اور نقصان رسا ہے۔ مگر جب لالہ صاحب نے دیوان جی کو مسکراتے ہوئے یہ یاد دلایا۔ کہ ”دیوان جی اس روز تو آپ نے اس معاملہ پر اپنی لمبی چوڑی بحث نہیں کی تھی۔ بلکہ آپ نے بڑی خوشی سے میرے ہاتھ سے پیک لیکر پی لیا تھا۔ پھر آج آپ ہماری خوشی میں کیوں نہیں شریک ہوتے۔“ تو دیوان صاحب نے جواب دیا۔ کہ ”جس یہی تو سبب ہے۔ یعنی اسی دن کے پیک نے تو مجھکو اتنی بحث پر مجبور کیا ہے۔ میں ہی جانتا ہوں جو میرا حال ہوا تھا۔“

انکی اس بحث میں اور ہر بی بد رساء نے اپنے لاجوری ریشمی پشوار پین لی تھی۔ اور سازندوں نے طبلہ اور سارنگی کی تہا پ سر کو ملا لیا تھا۔ طبلہ کی تہا پ۔ سرنگی کی آواز اور گھنگروں کی چنگا کو مسکر دیوان صاحب نے اپنے دوست کی خاطر جمعی کے لئے مسکراتے ہوئے آخری جواب یہ دیا کہ۔

very good I will take a peg for
your sake but but wait and but
four Bhagats do the Kirtan
for you

”یعنی بہت اچھا میں آپ کی خاطر ایک آدھ پیک پی ٹوٹا مگر ٹھیرے پہلے آپ کے اُن
بھگتوں کا کیرن نوسن لیں“

آکا بائی بدر النساء تو اُن کی آن میں انڈر کے اکھاڑے کی پرسی بگٹی تھی۔ لاجوردی رشیم کی
پشوار پر سفید جالی کا دوپٹہ اس طرح معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا رات کے شفاف نیلے آسمان پر تیل
ابھجایا ہوا تھا۔ پشوار کے سلسلے سارے پیچ پوچھے تو پیچ و پیٹے کے پیچ سے آسمانی تاروں
کی طرح چمک چمک رہے تھے۔ لمپوں اور جھاڑو فائوسوں کی روشنی اس قدر تیز تھی کہ میرا لہجہ
کی پشوار کی جھلک حاضرین کی آنکھوں کو چوس کے چاند کی لہرائی شعاعوں کا دھوکا دے رہی تھی۔
ساترندوں نے کاہڑے کی دھڑکتی چھڑی اور استاد کے ہنر سے الپ کی آواز اٹھاتا تھا کہ یہ
میں گئے حجب سازندوں نے باجا اور الپ دونوں میں راگنی کی سترال کو ادا کر دیا تو بی بدر النساء
نے ہندوستان کے ایک شہور شاعر کی غزل ”مٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے“ گانی شروع
کر دی یا دیوں کیسے کہ لالہ گنگا رام کے پرانے نگسالی پور واز سے وائے بھگتوں کا کیرن
شروع ہو گیا۔

بدر النساء عمر میں تو بیس اٹھارہ انیس ہی سال کی تھی۔ مگر گنتوں کی گتہلی تھی۔ بڑے
بڑے نوبوں اور رجوں کی بانگا ہوں میں یہ گا آئی تھی۔ اور سب اس کے کمال کے مغز
تھے یہاں تک جموں میں جب پرنس آف ویلز کی تشریف آوری کے جلسہ پر یہ مہمان
حکومت بہار وائے کشمیر کی طرف سے بلائی گئی۔ تو اس نے دربار شاہی میں اس عمدہ انداز اور
سے گایا کہ ہماری سرکار برطانیہ کے ولیعہد نے بھی اس کے گلے ناچنے پر کئی دفعہ ”واہ“
”واہ“ کی اور اس وقت یہ بالکل ہی نو عمر اور نوخیز تھی۔

جام شرب کے سرو میں بدر النساء نے لالہ گنگا رام کی محفل نشا میں اس غزل کو
کاہڑے کی شہی سروں میں جھوم جھوم کر اس انداز سے گایا کہ دیکھتے سنتے والوں کے روم
روم کو جھونک گیا۔ بدر النساء کے رفص اور سہو دے میخاروں کے قلوب میں

ایسی ہل چل چھا دی کہ دورانی کی خواہش پیدا ہو گئی۔ ادھر بی صاحبہ غزل کو ختم کر چکی تھی اور سازندوں نے سر بدلتی شروع کر دی تھی جس سے لاکھ لگا لاکھ نے موقع پا کر اپنی محبوبہ سے کہا۔ ”بدلتی جی ایک دو تین تیس ورتاؤ، بدلتی نے مسکرا کر کہا۔ ”جی میں رات ہی من دے لاتی دی تے نہیں۔ پر بغیر تھوڑا حکم اکھیاں اُتے؟“

یہ کہہ کر بی بدلتی نے بوتل بٹھائی۔ سینہ پر بازو تیز سینہ بلوری جام انتطارے میں شکر ہو رہے تھے۔ بدلتی نے دیکھ کر کی بکی رہ گئی اس نے کھانکھلاتے ہوئے مذاقہ الفاظ میں لاکھ لگا لاکھ سے کہا۔ ”لاہی تیں آپ ہی ایس پٹنوں بھگتاؤ۔“

یہ سن کر لاکھ لگا لاکھ کے ایک دوست جو لاہور شہر کے ایک بڑے حصے کے میونسپل کمشنر تھے بی صاحبہ کی طرف نظر اٹھا کر لول اٹھے۔ ”بی جی ایہ تے ٹھوٹھے خیر والی گل ہی تھی ہی حصہ ناں تھوڑی تھوڑی چاودیندے۔ تو ابوں کی ڈرنا۔“ میونسپل کمشنر صاحب کی اس حور افشانی اور شستہ کلام پر خوب ہی قہقہہ ہوا۔ بدلتی نے ساقی بنا ہی پیا۔ اور اس نے چپ چاپ سب سے اول دیوان دینا ناتھ کے سامنے رکھے ہوئے گلاس میں برے ناز سے مسکراتے ہوئے نیچی نظریں کئے نین چھٹانک کے قریب بوتل میں سے شراب ڈال دی۔

دیوان صاحب کے لئے ایک چاندی کا گلاس منگایا گیا تھا۔ اس جام میں بدلتی کے ناتھ سے اب زریں گرتا تو دیوان جی نے بیشک دیکھ لیا۔ مگر چونکہ کمرہ میں اسوقت دوستوں کی گپ بازی سے ایک شور ہو رہا تھا۔ اس لئے دیوان صاحب کو اس بات کی تحقیق کا موقع نہ ملا کہ بدلتی نے شراب اس جام میں ڈالی تھی۔ وہ ان کے پنے ہتی! دیوان صاحب تو بلکہ ایک اور فلسفہ میں چکر کھا رہے تھے اور وہ یہ تھا۔ کہ اس قسم کی خوبصورت عمارت اگر جیسے طوائف ہونے کے کسی مغز خاندان کی ایک پاکدامن عورت ہوتی تو اس کو بیابان والا کتا بڑا خوش قسمت ہوتا۔ مگر تہہ!

یہ اپنی زندگی کو کس بُرے طریقہ سے ضائع کر رہی ہے۔ اور اپنی خدا داد خوبصورتی کو مٹیسا میل کر رہی ہے۔“

بدر النساء، ساقی کی خدمات سے بکدوش ہو کر لالہ گنگا رام صاحب سے مخاطب ہو کر بولی: ”کیوں جی ہو رہم میں بیگاہ؟“

لالہ صاحب بولے ”جان من ہو رہم دا وقت ابے نہیں آیا ہن تئیں ذرا کچھ مزہ دار چہاٹپہ منا دیوتے فیر ویکھیا جاسی“

یہ ارشاد پا کر بدر النساء اپنے سازندوں کے پاس جا بیٹھی۔ یاروں نے اس دور کو زبسن عنایت سمجھا۔ کئی ایک شعر ہوئے۔ کئی انگریزی شاعروں کے فقرے پڑھے گئے کئی ایک مذہبی کتب کے احکام تلائے گئے۔ غرض اس مغزِ محفل کے ہر ایک ممبر نے حسبِ لیاقت شراب نوشی کو ایک امر لازمی ثابت کر دکھلانے میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔

”تب تو لالہ گنگا رام نے کھلکھلاتے ہوئے دیوان جی سے کہا کہ:۔“
دیوان صاحب مسکراتے ہوئے بولے:۔

*It would be better if you could
escape me from drinking this dangerous*

یعنی بہتر ہوتا اگر آپ مجھے اس خوفناک چیز کے پینے سے معاف کرتے:

لالہ گنگا رام ہنستے ہوئے بدر النساء کی طوطی بات کے بولے:۔

”دیوان جی مجھے تو کچھ عذر نہیں۔ مگر آپ معافی چاہتے ہیں تو ساقی سے مانگئے جنے آپ کو شراب دی ہے۔“

بدر النساء جسکے کان اُنکی گفتگو کی طرف نکلتے تھے۔ ساقی کا لفظ سنتے ہی بول اٹھی۔

غریب نواز۔ ساقی داتے خون ہی حاضر ہو گیا ہے درکار ہو دے تان۔“

بدرا النساء کا یہ فقرہ نکر دیوان صاحب اپنے لبوں پر رومال رکھ کر مسکراتے ہوئے
 گنگنا سنے۔
why so much flattery to make
a mau mad

یعنی ”اے توبہ۔ ایک آدمی کو پاگل بنانے کی خاطر کس قدر خوشامد ہو رہی ہے۔“

افسوس۔ ہمارے دیوان صاحب کو بھی آخر کار کئی ایک چو چلوں کے بعد مجبور ہو کر
 اپنا جام خالی ہی کرنا پڑا۔

اودھر سازندوں نے یہاں کی سست سڑوں کو بجا نا شروع کر دیا تھا۔ اس وقت گرو
 میں سب شور و غل بند ہو جانے کے سبب سازنگیوں کی زمرہ دار سریں اور طبلہ کی میٹھی
 بدھم تھاپ چارچو قیر گونج رہی تھیں۔

دیوان دینا ناتھ کا گورا پیارا چہرہ دھسکی کے سرور میں لمپوں کی روشنی میں کندن
 کی طرح دمک چمک رہا تھا اور وہ کلائی کے بل تکیہ پر اس انداز سے بیٹھا تھا کہ سب کے سب
 اسکی خوش وضع اور اسکے حسن و جمال کو دیکھ دیکھ کر عیش عیش کر رہے تھے۔ سچ پوچھیے
 تو دیوان دینا ناتھ کے وجود سے مغل کی زینت دو بالا ہو رہی تھی۔ وہ صرف تعلیم
 یافتہ ہی نہ تھا۔ بلکہ پرے درجہ کا خوبصورت۔ خوش اطوار اور بہادر باپ کا بیٹا تھا اور محض
 محض اس کے دلیر اور شجاع ہونے کی علامات پائی جاتی تھی۔

سازندوں نے تو کچھ اور ہی گیت چھینا چاہا۔ مگر بدرا النساء جو دیوان صاحب کی طرف
 آنکھیں لگائے اپنے استادوں کے آگے کھڑی تھی۔ سر کو کاٹ کر اتاد امانت کی
 دلچسپ غزل۔
 مرتا ہوں تیرے ہجر میں او یا بغیرے گا نے لگ گئی۔

پہلا شعر گا کر یہ رقص کرتی کرتی دیوان صاحب اور ملا گنگا رام کے مقابل نزدیک
 آکر اپنی پشتواز پھیلا کر بیٹھ گئی اور اس نے دوسرا شعر اپنی چھانٹیوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر

دیوان صاحب کی نیم سوخ آنکھوں سے آنکھیں لاکر بڑی ہی مٹھی اور نرم آواز سے اس طرح گایا گویا بیچ بچ و بیٹا ماتھے سے کہہ رہی تھی کہ بازار دوا گرم ہے اور پوسٹ ثانی۔ دل بچپا ہے تیرا خیر دیر خبر ہے۔“

دیوان صاحب جو گانے کی بیشک دل سے قدر کرتے تھے۔ اب کچھ ایسے محوسے ہو گئے کہ ان کا روم روم کانپ گیا۔ اور یہ اپنی خوشی کو اپنے خدو خال پر ظاہر ہونے سے روک نہ سکے۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر بدر النساء تار گئی کہ بارے دیوان صاحب کا دل بھی ڈانواں ڈول ہو گیا۔ وہ اتنا ہی چاہتی تھی۔ کیونکہ اسکے عشاق کی فہرست میں دینا ماتھے ایسے جوان رعنا کا نام درج ہونا ابھی باقی تھا۔ حاضرین پھر گپ بازی میں مشغول ہو گئے بدر النساء نے اپنے سازندوں کو ”بس“ کا اشارہ کر دیا۔

رات کے بارہ بج چکے تھے۔ کمرہ میں حاضرین کی تعداد سازندوں اور نوکروں سمیت شاید چالیس کے قریب ہو گئی ہوگی۔ یار لوگ اب ساقی کی ضرورت نہ رکھتے تھے جتنے جس کو ضرورت ہوتی تھی بوتل میں سے ڈال اپنا مطلب نکال الگ ہوتا تھا۔ صرف لالہ صاحبان بالو صاحبان اور شیخ و مرزا صاحبان ہی نشہ سے مست نہ ہوتے۔ بلکہ نوکر چاکر میر میرا سی ہی سب کے سب پئے ہوئے تھے۔

اس جگہ ہم کو ایک سیمین پیش کرنا ہے۔ اس لئے ہم اس محفل کے کسی اور پہلو کی تفصیل پر ابھی قلم نہیں اٹھاتے۔ یہیں حسب ذیل تھا:-

لالہ گنگارام اور دیوان دینا ماتھے کے درمیان ایک نہایت ہی خوبصورت شخص جو عمر میں بس ہی ستھ یا اٹھارہ سال کا معلوم ہوتا تھا۔ چپ چاپ بیٹھا تھا۔ اس نے گوشترب کے دورے ہر ایک جام میں شامل ہونے سے کوتاہی نہیں کی تھی مگر وہ ابھی تک کسی بھی گفتگو میں شامل نہیں ہوا تھا اس خوبصورت نوخیز طفل کے سر پر ایک قنداری کلاہ زیب اور لگی بندھی تھی۔ الپا کے کاٹھ پہنا تھا اور قطع وضع سے ایسا معلوم

A.C.

O.9

1581

27

ہوتا تھا۔ کہ کسی شریف اور معزز امیر آدمی کا لڑکا تھا۔
دیوان صاحب اس کی طرف دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ یہ شخص کیوں
ان لوگوں کی گپ بازی میں شریک نہیں ہوتا جب سے بیٹھا ہے۔ بس بالکل خاموش
ہے۔ شاید گنگا ہو۔ بہر حال یہ تو معلوم ہونا چاہئے۔ کہ یہ کون ہے۔

اتنے میں باہر سے ایک نوکر نے آکر لالہ گنگا رام سے بالکل آہستہ آواز سے
کہا۔ مہاراج بابو شرم داس ہو رہی باہر کھلوتے پیٹے نے۔

بابو شرم کا داس لفظ جو نہی نوکر کی زبان سے نکلا۔ لالہ گنگا رام کے چہرہ کا
رنگ کچھ زرد سا ہو گیا۔ نہ صرف لالہ صاحب پر ہی یہ حالت طاری ہوئی بلکہ
اس نوجوان جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کے منہ پر ہی ہوائیاں اڑنے لگیں۔ مگر
لالہ گنگا رام نے آپ کو فوراً سمجھا لیا۔ اور انہوں نے اپنے گلاس میں باقی ماندہ
شراب کا اور گھونٹ پی کر نوکر سے کہا۔ چھی بات تو پھر اونکو اندر لے آؤ۔
نوکر باہر چلا گیا۔ اور جب تک وہ بابو شرم داس کو اپنے ساتھ کمرے میں لے آئے
لالہ گنگا رام اور ان کے خوبصورت نوجوان دوست کی آپس میں چٹکیوں اور اشاروں
سے کچھ رمز و کنایہ کی باتیں ہو گئیں۔

بابو شرم داس اندر تشریف لے آئے لالہ صاحب نے اپنی جگہ سواٹھکر
بابو صاحب کے ہاتھ سے ہاتھ ملا کر مزاج پر سی کی اور ان کو دیوان و مینا نا تھ صاحب
کی باتیں جانب ایک خالی کورس پر بٹھلا دیا۔ بٹھلاتے ہی آپ کو ایک پیگ دیا گیا۔
جو بابو صاحب نے فوراً پی لیا۔

لالہ گنگا رام نے اپنی جگہ پر بیٹھ کر بابو صاحب سے پوچھا۔ تیس تان لکھیا سی
کہ پہلی تاریخ نوں آواں گے۔

بابو صاحب بولے ہاں۔ مگر جس آرم واسطے اس جگہ ٹینیا سی اوہ پہلاں ہی ہم

بہو بچ گیا۔ اس واسطے میں جلدی چلا آیا۔

لالا صاحب نے پوچھا۔ تو تیس شاید بہن اسی چلے آؤ نہ ہینگے ہو۔

بابو صاحب۔ جی ہاں بس سیدنا ایدہ راہی چلا آیا ہینگاں۔

لالا گنگا رام۔ مسکرا کر خوب۔ تے گھروں نہیں گئے ہینگے اچے۔

بابو صاحب۔ گھروں گیا تاں ساں۔ مگر میری وایف کچھ بیمار ہی سہی ہو کے اپنی بہن دے گھر چلی گئی سی۔ فیہ میں کہیا۔ بہن ایسوی لے آؤ میر کون جاو چلو اچ لالا ہر اندے دل اسی چلے چلو۔

بابو صاحب کے اس جواب کے لالا گنگا رام مسکرا پڑے اور ان کے خدو خال سے انکے دل کی یقیناری کا فور ہوتی معلوم ہونے لگی لالا صاحب نے اپنے نوجوان خوبصورت رفیق کے جوانکے پہلو میں اپنا رومال اپنے لبوں پر رکھے۔ ایک طرف متہہ کر کے بیٹھا تھا۔ ماتھے کو دبا کر کچھ اشارہ کیا۔ جو صرف وہی سمجھا۔ اور خاموش چورٹا۔ اب ہمیں اس نئے دوست یعنی بابو شرم داس کو اپنے ناظرین کے آگے پیش کرنا ہے۔ کہ یہ کون تھا اور لالا گنگا رام صاحب اس کے آنے سے کیوں شرموہ ہوئے تھے۔ بابو شرم داس ایک بیس ایکس سال کی عمر کا تہایت ہی خوبصورت نوجوان شخص تھا۔ اور سچ مچ اسم مسٹری تھا۔ فیض بہت ہی شرمیلا اور چپ چاپ مسفرہ کا اس کے بس آغاز ہی تھا۔ انگریزی و فارسی میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کئے ہوئے تھا اور لاہور کے ایک سرکاری دفتر میں ملازم تھا۔

لالا گنگا رام اور اس کی آپس میں ایک سال سے جان پہچان تھی۔ اور وہ

اس طرح ہوتی تھی کہ شرم داس اور گنگا رام ایک موقع پر گجراتوار سے لاہور تک ریل میں اکٹھے ایکٹ ہی گاڑی میں سوار ہو کر آئے تھے۔ باتوں ہی باتوں میں ایسا اتفاق ہو گیا کہ شرم داس اپنی کم زبانی اور خوبصورتی لالا گنگا رام کے دل میں گھر

بنا لیا یہاں تک کہ لا صاحب نے اس کو لا ہو میں اپنے ہی مکان پر لا اوتا رہا چونکہ شرمدا اس
 لاہور میں نوکر ہوئی کے لئے آیا تھا۔ اس لئے اس کو لا لہ گنگا رام ایسے محسن کا مل جانا
 از بس غنیمت معلوم ہوا اور سچ پوچھئے تو لا لہ گنگا رام نے اس کے ساتھ نہایت ہی
 عمدہ سلوک کیا۔ یہاں تک کہ وہ لا لہ صاحب ہی کی سفارش سے نوکر ہوا تھا۔
 ملازم ہو جانے پر شرمدا اس نے اپنی عورت کو بھی لا ہو میں ہی بلا لیا۔ اور یہ
 میان بیوی لا لہ گنگا رام کے مکان سے ٹھوڑی دور مگر اسی محلہ میں ایک کمرہ
 کے مکان میں رہتے تھے شرمدا اس کا لا لہ صاحب کے ہاں اور ان کا اس کے مکان
 پر اکثر آنا جانا تھا شرمدا اس نہ صرف شرمیدا اور چپ چاپ ہی تھا بلکہ طاقت
 جمائی میں بالکل ہی کمزور تھا۔ کوئی دن خالی ہوتا۔ جو یہ ایک نہ ایک الیٰٰ نہ خریداتا
 ہمیں یہاں نہایت ہی افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ یہ چار ہی شرمدا اس
 کی قدرتی کمزوری اس وجہ آئی ہوئی تھی کہ وہ ان اوصاف سے بالکل محروم تھا
 جو ایک بیا ہے ہوئے نوجوان کیلئے درکار ہوتی ہیں جبکہ نتیجہ یہ ہوا کہ اسکی خوبصورتی
 اور نوجوان بیوی بس میں نہ رہ سکی۔ وہ لا لہ گنگا رام کے ساتھ موافقت رکھتی
 تھی۔ اور جب موقع ملتا۔ اپنا منہ کالا کر لیتی۔ لا لہ گنگا رام نے بھی اس عورت کی
 طبیعت پر یہاں تک قابو پالیا تھا کہ نام کو تو بیشک اس عورت کا خاوند شرمدا اس تھا۔ مگر
 دراصل لا لہ گنگا رام اور وہ آپس میں میاں بیوی تھے۔ جلسہ کی رات سو ایک ہفتہ پہلے لا لہ شرمدا
 ایک سرکاری کام کیلئے بنا لہ چلا گیا تھا یہاں ابھی اس نے پانچ دن اور رہنا تھا مگر چونکہ اسکا
 کام بہت ہی جلدی پورا ہو گیا۔ اسلئے وہ اب اس کے پاس آ رہا تھا لا ہو میں پہنچا وہ سو فیضانے
 مکان پر گیا مگر مکان کو بند پایا۔ پڑوس کی ایک عورت بٹ بٹ چھا اس اطلاع ملی کہ بیوی صاحبہ
 بسبب بیمار ہو جانیکے اپنی بہن کے گھر گئی تھی۔ اس نے باور شرمدا اس نے محسن لا لہ گنگا رام کے مکان

جلا آیا۔ جہاں یہ جلسہ بڑی وضوم دھم سے ہو رہا تھا۔

لاکھ گنگا رام نے شہزاد کو آتے ہی ایک پیگ ویدیا تھا۔ وہ بیچارہ کمزور
تو تھا ہی پیتے پیتے مست ہو گیا۔

لوٹھا ہی پیسے پیسے ہوں کیا۔
 گانا تھوڑی دیر کے لئے بند تھا بدر النساء اپنی پیشواں پہاں کر دیوان صاب
 اور لالہ گنگا رام کے پاس بیٹھی بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ یار لوگ گپیں بڑا رہی
 تھے اور اب کسی کو ساقی گھر ضرورت نہ تھی جس کا جی چاہا بوتل منگائی اور پی لی
 سازوں کا بیخا بند پا کر لالہ گنگا رام کے ایک دوست مسٹر رام شن وکیل
 جو نشہ میں چور آنکھیں بند کئے تکیہ پر نیم دراز پڑے تھے ایک بارگی کچھ گن گنا تے ہوئے
 ٹوٹی پھوٹی آواز سے بولے :-

کیوں جی۔ باس رسی بدز..... تیرا بوسہ..... کیوں
دھوکہ لگی ٹوٹھلی ہو گئی۔؟

دکین کا یہ فقرہ سنگر جلد حاضر میں ہے اختیار نہیں پڑے۔

قبل اس کے کہ وکیل صاحب کے اس سوال کا جواب کوئی دینا وکیل صاحب
خود اٹھ کھڑے ہوئے اور اسی سر میں بڑبڑاتے : "انہیں بند کئے مانتے شکاتے
ہوئے ناچنے لگ پڑے۔ ساتھ ساتھ آپا گتے بھی جاتے تھے۔ اور تو سمجھ گیا
آنا نہ تھا۔ البتہ اتنا سنائی دیتا تھا کہ :-

پدر و تیرابوسه سی تیرابوسه واد آه او تیرابوسه تیرابوسه

و کہیں صاحب تمنا میں تماشا کر دیا انہوں نے پتے گانے اور تباہی سے
 آج پوچھئے تو بدو النصار کو مذکور کیا کہ پتے پائے پہلے جاتے تو کیا ہو گی یہ
 انہیں پھیل کر فرش پر مردہ کی طرح پت ہو جاتے پھر فتنہ اٹھ کر شے ہوتے۔ تو
 بڑی آڑ کی طرح اچھل کر یہاں کے وہاں چار پتے غرض وکیل صاحب نے اپنی قیادت

کا کوئی ایکٹ باقی نہ چھوڑا۔ بلکہ حاضرین کے دلوں پر نقش کر دیا کہ مغز بازی میں
بھی وہ ایسے ہی ماتھے پاؤں مارتے ہوتے۔

لالہ انگکرام نے دیوان وینا ماتھے کے چہرہ پر وکیل صاحب کی اس حرکت
سے کچھ آزر و گی کے آثار نمایاں پائے۔ اس سے انہوں نے اندازہ لگایا کہ مسٹر رام کشن
کو تمام مقوم کر کر کے باہر کر دیا۔ اور فکروں کو حکم دیا کہ وکیل صاحب کو پکڑ کر پرس
ایک کمرہ میں لایا کر سلاویں۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہو گئی اور کمرہ میں پہر آرام و چین
ہو گیا۔

بی بدر النساء کو گانے کیلئے پھر فرمائش ہوئی۔ اور اچھے آواز سننے والی کی جھولی
بھالی رائتی کو انگریزیاں لیتے ہوئے جا چکا یا۔ سازندوں نے سرور کا معین کی اپنے
اچھے آنگھیں کھولیں اور سب آنگھیں لیتے ایک فم پھر اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ
ڈاکٹر شرف الدین نے تجویز پیش کی کہ مسٹر انگکرام اگر ایک دوہری تقسیم
ہو جاوے تو کیا ہی لطیف ہو۔

پنڈت شری جی موہن ماتھے صاحب ڈاکٹر صاحب کی تجویز کی امید کر کے
کہا کہ یہ بھی بات تو ٹھیک ہے۔ کیونکہ ہیک کا لطاف تو اب ہی آئیگا۔
اور دوستوں نے بھی یہی رائے دی اور آخر کار یہ تجویز پاس ہوئی
اب کی دفعہ ڈاکٹر صاحب ساقی بنے۔ اور انہوں نے شراب کو شفا خانہ کے
ایکوا بیسے پانی کی طرح گلاسوں میں ڈال شروع کیا۔ اگر کوئی عذر کرتا۔ اور کہتا
کہ نہیں۔ ڈاکٹر صاحب۔ بس۔ بس۔ بہت ڈال دی تو یہ فرماتے ارے میاں
پلو ہی۔ بس۔ بس۔ کہنے لگے۔ ڈاکٹروں کے ہاتھ سے اگر نہ ہو کا پیا بھی پی جا
آب حیات ہونگے۔ غرض ڈاکٹر صاحب کے کمال فراغت اور دل بہانے والے
چنگلوں کے ساتھ اس کو تقسیم کیا۔

اور سب نے تو برابر اپنا اپنا گلاس اٹھا کر پی لیا۔ مگر دیوان صاحب نے ایک دو گھونٹ پی کر اپنے گلاس کو اپنے سامنے رکھ چھوڑا اور کہا کہ میں اپنی عادت کے موافق تھوڑا تھوڑا کر کے پیتا رہوں گا۔

بی صاحبہ کو بھی ایک ڈبل پیگ دیا گیا تھا۔

قصہ کوتاہ سوہنی کی راگنی بڑے کروڑ اور نہایت ہی دھوم دھام سے محفل میں حاضر ہوئی پھر النساء نے اب کی بار پشچالی زبان کے ایک خیال لوکان کیسی دھوم مچائی۔ کوکانا شروع کیا ہوا جو بندھ گئی۔ سچ کچھ ایسا محویت کا عالم ہو گیا کہ کسی کو سدھ بدھ نہ رہی یہاں تک کہ بعض اصحاب کے تو حقیقت میں غرض جوش سے اُنسو جاری ہو گئے۔

اس اثنا میں لالہ گنگا رام کے وائیں پہلو بیٹھے ہوئے دوستوں میں سے کسی نے کہا۔ مائے میرا بار۔

دیوان وینا نا سکتے نے نظر پھیر کر دیکھا۔ تو لالہ گنگا رام کا وہ نوجوان لنگی پوش دوست نگہ پریشاں بھکی سے رہتا تھا پچھلا جام جبراً تھرائی تو لیا تھا۔ مگر فہم ہوتا نظر نہ آتا تھا۔ مضمین تو سب کے توڑ مچا ہوا تھا۔ کیونکہ عقرب کے سب کھانا کھا کر مجلس میں شامل ہوئے تھے۔ مگر کمزور اور ضعیف اشخاص کی جلد ہی طبیعت بگڑنی شروع ہو گئی۔ چنانچہ لالہ گنگا رام کے اس نوجوز دوست نے بے عمل شخصے شیر بولی بولنی شروع کر دی اور اس بیچارے کا بیٹھے بیٹھے قروش پر ہی سب کھایا پیتے ہوئے اور یہ بالکل بیہوش ہو گیا۔

لالہ صاحب اور دیوان صاحب نے اس بیچارے کو تھام رکھا۔ مگر لالہ گنگا رام دیوان وینا نا سکتے سے بار بار یہی کہتے تھے کہ:-
دیوان جی تمہیں چھوڑ دو۔ اسدی ہنہ طبیعت ٹھیک ہو جائدی ہے۔ لیکن

انہوں نے اٹھ کے اودھر جا بیٹھو۔ ورنہ تو ماڈے کپڑے ٹھہرے مارو خرابی جاس
 گرد دیوان صاحب کو اس لڑکے کے ساتھ کچھ ایسی ہمدردی ہو گئی کہ
 انہوں نے لالہ صاحب کے باوجود مکرر اصرار پر انکار کیا۔ اور کہا:-
 ”نہیں۔ نہیں۔ اس بچہ سے دائرہ حال ہیگا۔ بہتر ہو سی اگر اس نوں باہر لے
 چلو۔ اور اس سے سرا پر پانی ڈلو او۔“

اس لڑکے کی اس حالت کو دیکھ دیکھ لالہ گنگا رام کے چنگے چوٹ پر ہنسنے لگے بلکہ
 ان کے بدن کا بال بال کانپ رہا تھا جہاں اوروں پر سرور غالب آ رہا تھا وہاں
 پر سرور غالب آ رہے تھے۔ ان کا نقشہ و شہسار بہن ہو گیا۔ بیٹرا چاہا کہ ان کے سوا
 اور کوئی اس لڑکے کو نہ چھو تا مگر کسی کو ان کے دل کی اصلی کیفیت کس طرح
 معلوم ہو سکتی۔ دوستوں نے تو بلکہ فرض سمجھ کر ان کے دوست کے دکھ کو ایتنا دکھ جتنا چاہا۔
 لالہ گنگا رام اپنے مدہوش دوست کو اپنے بازوؤں میں سمیٹے بیٹھے تھے اور
 دیوان صاحب اور شرم داس ان کے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے اٹکویہ کرو۔ وغیرہ کر رہے
 تھے۔ کہ اتنے میں اُس لڑکے نے اپنے دونوں ہاتھ فرش پر زور سے مار کر پکارا
 مائے میں مر گیا۔ چھوٹے مینوں سے مینوں پانی سے شنبانی۔

یہ نقشہ دیکھ کر بی بی بدر النساء بھی سوہنی کی لاگنی کی دھوم مچاتی مچاتی چپ
 ہو گئی تھی اور اس کو یا ر لوگوں نے اپنے پاس بٹھلا کر باتوں میں مشغول کر لیا ہوا تھا
 دیوان دیتا نہ تھا اور شرم داس نے یہ ہوش کے ماتھوں کو پکڑا اور یہ چاہتے
 تھے۔ کہ کچھ اور مناسب مدد بھی دیں مگر لالہ گنگا رام اپنے دوست کو بازوؤں میں سمیٹ
 کر اٹھ کھڑے ہوئے اور لکھڑے پھسلے پاؤں جھماتے یہ اس کو اٹھا کر باہر لے گئے اور
 اپنی خواب گاہ کے کمرہ میں جا رہے۔

مجھ تو لیا کہ راز فاش ہو گیا مگر پہنچی انہوں نے شکر کیا کہ اتنے پر ہی خیر گزری

لالہ صاحب کے باہر نکل جانے پر دوستوں نے آپس میں کانپھوسی کی باتیں شروع کر دیں معلوم ہوتا تھا کہ عنقریب سب کے سب جانتے تھے کہ وہ لڑکا کون تھا مگر دونوں صاحب اور بشملا صاحب اس راز سے بالکل ناواقف تھے یہ بیچارے آپس میں ایک دوسرے سے اسکی بابت پوچھتے تھے کہ کون ہے مگر چونکہ وہ بے علم تھے اسلئے کچھ معلوم نہ ہوا دیوان جی نے اتنا البتہ ضرور کہا کہ اس کی آواز طرز کلام سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی عورت ہے۔

شرمدا اس بیچارے کا نام پوچھا تو بولا جی مان۔ یہ ہتھ میں اوسی وقت ہی سمجھ لیا سی جس وقت اس نے کہا یہی کہ میں مرگئی۔ وہ سینوں پانی شنبائی دے مگر معلوم نہیں کون ہے۔

دیوان صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہے تے بڑی شرم والی گل مگر مینوں تو ماڈھے کولوں تر یا وہ یقین ہو گیا ہے کہ وہ عورت ہوگی۔ کیوں جی میرا ہتھ اسدی چھاتی اوتے جانگاسی۔

اس وقت دروج چلے گئے تھے۔ کرہ میں ایک عجیب نعل ہو رہا تھا۔ جابجا شراب کے گلاس لڑکھ رہے تھے۔ لپپوں کی چھیاں سیاہ ہو چلی تھیں۔ فرش جگہ جگہ پر سیلا ہو گیا تھا۔ لالہ گنگا رام محفل سے ہونٹھ گئے تھے۔ ان کے مدعو احباب متواؤں بیچو اب تھے۔ بدنام النساء گائی گائی تھک گئی تھی بغرض محفل کی حالت بالکل ہی زوالی تھی کہ لالہ گنگا رام کے نوکر نے دیوان صاحب کے کان میں کچھ آکر کہا۔ وہی نوکر پھر چپکے سے بدنام النساء کے پاس جا بیٹھا اور اس نے نوکر کے سے آنکھ پھا کر بی صاحبہ کے ہی کان میں کچھ کہا جی صاحبہ نے مسکرا کر اپنے سازندوں کو کچھ اشارہ کیا اور انہوں نے اپنا بوریا بندھنا شروع کیا۔

سازندوں کا کوچ دیکھ کر لالہ گنگا رام کے احباب نے نوکر کو سب پوچھا۔

جواب ملا کہ "جی اللہ راہنہ سی طبیعت درست نہیں رہی۔ ایس کر کے اوٹن اور پر پٹے سمجھنے
سیکے نے۔"

نشہ کی حالت میں تو تھی مگر اس روکھے جواب سے سب کے دل کھٹے کر دیئے اور یار لوگ
اپنی اپنی ٹوٹی پکڑ سی سنبھال چلنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کہنتے میں نیچے کے در دارے
پر زور سے دستک کی آواز پڑتی سنی گئی۔ رو پارے کھڑکیوں میں سے جھانک کر جو
دیکھا۔ تو گھٹی میں کھڑے کھڑے کسی نے آواز دی۔ کیوں جناب اس جگہ بدر نشانی
سوجو رہے۔؟

بدر النساء نے ہی سُن لیا۔ قبل اس کے کہ کوئی اور جواب دیتا وہ خود کھڑکی میں سے
جھانک کر بول پڑی "کون اسے؟"

جواب ملا "روزانہ کھلاؤ۔ یا تم خود اپنے میرا بیول ہمیت فوراً نیچے آؤ ترے
یہ حکم بڑے مرغ لہجہ میں آیا تھا۔ بدر النساء حیران رہ گئی تھ کہ یہ تو خنانید کی سی
آواز ہے۔ یہ کیا معاملہ ہے؟"

وہ ٹپ چاپ کھڑکی میں سے پیچھے ہٹ گئی اور دیوان صاحب کے پاس آکر بولی۔
دو تیس ذرا مہربانی کہہ کے دیکھو تو سہی۔ بیٹیاں کون بیگا۔ ایہ تان کوئی پولیس اسٹیشن
ہوتا ہے؟"

دیوان صاحب نے کھڑکی سے جھانک کر بڑے سنجیدہ طور سے پوچھا۔
"کون ہے بہٹی کس کو پوچھتے ہو۔ کون ہو تم؟"

جواب ملا "جناب۔ بدر النساء کو پوچھتے ہیں۔ اس کو کپتان صاحب اس کے مکان پر
بیٹھے ہوئے بلاتے ہیں میں ڈپٹی انسپکٹر پولیس ہوں۔"

دیوان صاحب نے بڑے تپا ک سے کہا۔ تو پھر آپ شریف نے آئیے نہ،

چنانچہ تھانہ دار صاحب کو اور میری گئی باورس ایک سالہ جفا اور دو کبشتوں

کے اگر رونق افروز مچل ہو گئے۔ یاد لوگ جو چھٹنے کے بیٹے تیار ہو رہے تھے پھر سیدھے گئے اور
لارنگار ام کو بھی دیوان صاحب اندر سے جاگے آئے۔

لار صاحب کی مغل کیرتن میں جہاں ان کے نگسالی دروازے واسے بگت بڑ بھان
تھے اب کو توالی کے سیاہ پوش بہکت ہی آ موجود ہوئے۔
تھانہ دار صاحب نے بیٹھتے ہی بدر النساء سے مخاطب ہو کر کہا:-

متم لوگ جلدی کر رہی۔ کیتان صاحب کتنی دیر سے تمہارے مکان پر بیٹھے ہیں؟
بدر النساء نے تھرتھرائی اور کانچی زبان سے پوچھا چلو غویب پرور۔ اسیں حاضر گئے
آن پر خیر تسک؟ بے ایس دیے سانوں حضور تے یاد کیا گیا؟

تھانہ دار نے مسکراتے ہوئے بڑی غور بھری آواز سے کہا منتم لوگوں کی ہمیشہ خیر ہی
ہوتی ہے صرف ایک شخص مرا سوا تھاں مکان سے برا بدھوا ہے اسکی تحقیقات کے
لیے بلاتے ہیں۔

یہ الفاظ سنا کر بدر النساء کے چہرے کا رنگ تو جو اڑا سو اڑا حاضرین ہی حواس باختہ
ہو گئے۔

اور تو کسی کو جرات نہ پڑی۔ دیوان صاحب نے تھانہ دار صاحب سے دریافت کی:- کیا
ہو اجنب کون تھا وہ؟ بدر النساء کے مکان کے اندر سے کچھ برا بدھوا۔
تھانہ دار صاحب نے فرمایا:- آپ توجرج کرنے لگ گئے ہیں شوق ہو تو چلیے دنان
چل کر دیکھ لیجئے۔

دیوان صاحب نے کہا نہیں میں تو بیوی پوچھتا تھا کہ وہ کون شخص تھا؟
تھانہ دار صاحب نے حقارتاً دیوان صاحب سے ایک دفعہ مسکراتے ہوئے کہا:- کوئی
آپ ایسا ہی عاشق ہو گا۔ جناب لڑ بھلا کون ان لوگوں کے مکان پر جا سکتا ہے؟
اس حقارت آمیز فقرہ کو سنتے ہی دینا ناتھ کے بال بالی کو جوش آگیا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اور

اس نے بیٹے بیٹے تہانہ دار کے منہ پر زور کی ایک ایسی چٹ رسید کی کہ اسکا منہ بھر گیا۔
اور وہ لڑکھتا ہوا اپنی جگہ سے گنبد کی طرح وہ جاڑا۔ تب تو دیوان جی بولے "کیوں
بے حرام زادے" مجھ ایسا عاشق "اسکے کیا منے ؟

تہانہ دار صاحب کے ہزار میوں نے اپنے افسر کی یہ وردشاہوتی دیکھ کر اپنی
جیسوں کے تھکے پاؤں نکال دیے اور وہ دیوان صاحب کے گرد دو گئے مگر دیوان صاحب
اٹھ کر ان کے مقابلے کو کھڑے ہو گئے۔

لالہ گنگارام کے مدعو اجاب محل کی یہ حالت دیکھ کر ان کی آن میں اپنی جوتی ٹوپی
پہن کر کافر ہو گئے اور کر دیوان دینا ناتھ اور لالہ گنگارام اور بی بدرا النساء
اور اس کے میرا سی رہ گئے۔

لالہ گنگارام کچھ نہ آگے ہی شہر مدہ خاطر تھے ایسا دہری پریشان ہو گئے۔ اسی
انہوں نے تہانہ دار کی منت سماجت غمخیزی کی اور غدر کیا کہ دیوان صاحب سے
نشہ کی حالت میں یہ ناجائز حرکت ہوئی ہے۔ مگر تہانہ دار اور اس کے ہار ہی گرج گرج
کر لالہ صاحب اور دیوان صاحب دونوں کو گرفتاری اور قید کی دھمکیاں دیتے تھے۔

لالہ گنگارام آخر کار بڑی منت اور خوشامد سے لہانہ دار کو کمرہ کے باہر گئے جہاں
جا کر انہوں نے اسکو ایک سو روپیہ کا نوٹ دیکھ کر کہا کہ "کتاب میری عزت میں فرق
نہ ڈائیے اور اسلئے صاف کہہ دیں گا کہ میں رکھنے"

تہانہ دار صاحب کی نوٹ کا ورش کہتے ہی آنکھیں کھل گئیں مگر بھی بڑی طیش
میں آکر بولے "مگر کہ نہیں جناب میں اسکی حماقت وقت ابھی ساری نکال کر دیکھ دو
تو پچھیں گا افسر ہی کیوں کہلاؤں"

لالہ گنگارام نے بڑی عاجزی سے ایک لمبی چوڑی تقریر میں تہانہ دار صاحب سے
پھر معافی مانگی۔ اور نوٹ دیکر آخر اسن بات پر ان کو راضی کر لیا۔ کہ وہ کمرہ کی باہر ہی

اپنے ہمراہیوں اور کچھ دلوں میں رسید کو ساتھ لیکر وہاں سے تشریف لے جایاں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور شکر شکر کر کے یہ محل برفاں ہوئی۔

اب کہ مفضل میں صرف ملاؤ گے کہ راضی اور قبول الہی وینا تا تھوڑے گئے تھیں یہاں پر
بک چٹائی اور انگریزوں وغیرہ میں گنگوہی کی رہی تھیں اس گنگوہی کے لب لباب کو اردو زبان
میں دیکھ کر کہیں :-

گنگرام "دعوتِ جی تہاں ایہ کی کیتا"

دینا تھا۔ جو کچھ مناسب تھا اور جو کچھ کرنا چاہیے تھا۔

گنگا رام "لیکن آپ جانتے تھے کہ وہ سرکاری ملازم تھا اور نوکری پر تھا۔"

دینا تھا۔ تو سچ کیا ہوا سرکاری ملازم کو یہ حکم نہیں کہ شریفیت آدمیوں کیساتھ
حقارت اور بد سلوکی کے ساتھ پیش آوے۔“

گنگا رام: "اویجو بلفرض خدا سخاوتہ وہ آپ کو گرفتار کر لیتا تو کیا ہوتا"

وینا ناخدا و اس کا پسر پاتا خود تیرہ سو چالیس کوئی چور تو نہ تھا

گوگوارام نے مگر آپ نے نویسی سی بات پر ایک افسر پولیس سے لگاڑی “

دینا ناتھ "یہ سب سی کی جہالت کا نتیجہ ہے جسے مجھ کو حقیر سے حقیر جان کر گفتگو کی"
گنگا رام۔ چپ ہو گئوں کو خاموش بنا کر۔

وہنا ہا ہے ہوئے : اچھا تو ہم نے اس کو

لنگار احمد "کچھ نہیں۔ جہاں تک غصہ ہے۔ اس کا اس نے اس کا مشق کیا ہے۔"

و منانما توحید انهم را که می آید و منانما توحید انهم را که می آید و منانما توحید انهم را که می آید

یہاں سے تیس یار چھوڑ دی ہو۔ اگلو میرے سر کی سمت چم بٹا کر اس طرح نکالا۔

تکرام بس اپنی ایک چیت کا دام ایک سورہ یہ مقرر ہوا۔

وینا ماکھ۔ وہ کہتے ہیں کہ میری ہر بانی آپ کے اچھا کیا۔ میری چیمپٹر کا وہم تو

الحمد لله رب العالمين

گنگا رام : "چوہو واسو ہوا۔ اب دیوان جی آپ آئے چکر سوئیں"
 دینا ناتھ : "لیکن مجھے آپ سے کچھ اور دریافت کرنا ہے"
 گنگا رام : "مسکرا کر) میں سمجھ گیا ہوں۔ فرمائیے"
 دینا ناتھ : "وہ آپ کا بیہوش دوست کون ہے؟ اور آپ کہاں ہے؟"
 گنگا رام : "دیوان جی۔ یہ ایک مٹری دراز ہے جو میں بیان نہیں کروں گا"
 دینا ناتھ : "لیکن یہ تو آپ کہہ دینگے کہ وہ عورت ہے یا مرد؟"
 گنگا رام : "کچھ سوچ کر" وہ عورت ہے"
 دینا ناتھ : "اور اگر میں وعدہ کروں کہ میں آپ کا راز کسی پر ظاہر نہیں کروں گا تو پھر؟"
 گنگا رام : "لیکن میں بتلانا نہیں چاہتا مجھے خدا کے لیے معاف رکھو"
 دینا ناتھ : "مسکرا کر) کیا مجھ پر اتنا قابو نہیں ہے؟"
 گنگا رام : "اعتبار میں غار ہے کہ میں خدا کو اور آپ کو صرف اپنا سچا دوست جانتا ہوں"
 دینا ناتھ : "تو پھر کچھ تو بتلائیے؟ مجھے وہم رہے گا!"
 گنگا رام : "اتنا بتا دیتا ہوں کہ وہ ایک شریف آدمی کی عورت ہے"
 دینا ناتھ : "کیا آپ اس کو فی نہیں جانتا۔ کہ وہ عورت کون ہے۔ میرا مطلب ہے
 کہ آپ کے ان دوستوں میں سے کسی کو معلوم تھا؟"
 گنگا رام : "ہن کئی ایک کو تھا"
 دینا ناتھ : "تو پھر مجھ کو آپ کیوں نہیں بتلاتے؟"
 گنگا رام : "آپ کو بھی بتلاؤں گا مگر عرصہ کے بعد اس میں بڑی بھاری مصلحت ہے"
 دینا ناتھ : "تو پھر میں اور کسی سے دریافت کروں گا"
 گنگا رام : "وہ آپ کی مرضی لیکن آپ گھر ہی دریافت کریں تو اچھا ہوگا۔ بلکہ اگر آپ حلفاً یہ
 اذکار میں کہ آپ اس معاملہ کی بابت کوئی جستجو یا تحقیقات یا تذکرہ تک ہی نہ کریں گے۔

تو میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہفتہ عشرہ میں میں خود آپ کو کسی وقت بھیج کر یہ داستان
حرف جوف نادر و نادر کا جس سے آپ کو بہت لطف حاصل ہو گا میں اس وقت آپ کو کہتا
مگر آپ کو بعد میں معلوم ہو گا کہ میں نے اس وقت کیوں انکار کیا ہے۔

دینا ماتھ۔ اچھا تو اس طرح سہی میں بالکل

گنگارام۔ "تہنیک یوڈی ہیرانی" تو پھر چلے اس کرہ میں سو رہیے۔

دینا ماتھ۔ "ہنیں میں اپنے مکان کو جاؤں گا۔ مگر منو تو سہی یہ بدالہنسا بیجاری پر کیا آفت
نزل ہو گئی۔"

گنگارام۔ معلوم نہیں۔ کوئی شرابی آورانی مر گیا۔ کل صبح معلوم ہو جائیگا۔

دینا ماتھ۔ "دسکرا کر" لیکن کہیں ہم لوگوں کی شامت تو نہ آئیگی۔

گنگارام۔ "وہ کیوں۔ ہماری بلا سے۔ ان کچوروں کے ہاں تو منت ایک مقدمہ ہو رہی
رہتا ہے۔"

اتنے میں چینی پر رکھی ہوئی گو گو کھاک کی خوش الحان چڑھانے ایک ایک کھاک کی لڑکی
میں سے نکل کر پکارا۔ گو گو۔ گو گو۔ گو گو۔

دیوان جی بولے۔ "اے تین بچے گئے۔ بیٹھے صاحب بندگی۔ اور بندہ بھرت۔"

لالہ گنگارام اور دیوانہ صاحب بھی آخر کار ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔

دیوانہ صاحب رخصت ہو کر اپنے مکان کو چلے گئے لالہ گنگارام صاحب اپنی بیوی سے مشورے
کے پاس نوابگاہ کے کمر میں جا پہنچے۔ بدالہنسا کو پولیس وائے لے گئے۔ یہ لوگ خدا جانے
کہہ رہے ہیں۔ شرم و اس چہا رہے تو ہکا ماندہ کچھ مست و مدہوش کچھ اند و گمین کچھ
سنگین۔ لالہ صاحب کے مکان پر سلاویا مسٹر رام کشن ہی اسی مکان پر کہیں سویا
ہوا تھا۔ غرض۔ تو سب کے سب ٹہکانے لگے۔

مگر اے ناظرین ہمیں بتائیے ہم کدھر جائیں؟

دوسرا باب

”پھر بھی اچھے بچے“

ہم سے پوچھو تو پہلے ہم آپ کو ایک اور نمائش رکھلا دیں تاکہ صبح ہونے کے پہلے پہلے اور ہماری داستان کا باقاعدہ سلسلہ پکڑنے کے پیشتر آپ اس رات کا ایک اور چرتر بھی دیکھ لیں۔ ہم لاہور کے گورنمنٹ ہائی اسکول کے ایک فنیٹکس ٹیچر نے اپنے پنڈت برجموہن ناتھ کے تعاقب میں جیل میں پنڈت صاحب لاہور صاحب کے مکان سے رخصت ہو کر سر بازار موچی دروازہ کی طرف نکل گئے انہوں نے اپنی گھڑی دیکھ کر خیال کیا کہ ابھی دو تو بجے ہیں اور اگر بالندھض صبح ہی ہوتی تو کیا مضائقہ؟ ہماری چار روز کی رخصت ابھی باقی ہے۔ کل دن بھر خوب ہی جی کھول کر سو رہے تھے۔ چلو ابھی کہیں سیر تو کریں۔ چنانچہ اس خیال میں پنڈت صاحب تنہا لاٹھی گھماتے نشہ کی ترنگ میں سیٹی بجاتے اکھڑتے پاؤں کو خبردار کی جاتے ڈبل چال چلتے چلتے ایک ٹوڑ کے سر پر کھڑے ہو گئے جہاں سے یہ ایک تنگ گلی میں داخل ہو گئے تو بڑی دو جا کر انہوں نے ایک مکان کے دروازے کی کیدار کاٹھی سے خوب گھٹکھٹایا جس کے جواب میں کوٹھے سے آواز آئی یہ اچھا اچھا ٹھہر جا۔

بیل کی آواز کی کسی نے مکان کا دروازہ کھولا۔ اور پوچھا یہ کون ہے اس ویلے؟

پنڈت صاحب بولے۔ ”اسیں پیگے ناں حضور کے تال بعدار“

جواب ملا۔ اس ویلے تال بعدار ناں واکے کم؟

پنڈت جی مسکراتے ہوئے بولے۔ ”تواندر کھلوتی بیگی میں باہر نہنگاں۔ اسطرح کی دس

کم کی بیگا؟“

عورت بولی۔ ”تو پھر کجا اوپر چلے دس کی کم بیگا؟ کیون جی ہن ناں سویر ہون نوں

آئی بیگی“

پنڈت صاحب کھٹ کھٹ کرتے بیڑیاں چڑھتے اس عورت کے ساتھ مکان

کے اوپر چلے گئے۔

وہ ایک عمر رسیدہ عورت تھی۔ وہ پنڈت جی کو عندالکفایت "پتراوربی" یا "پکارتی" تھی۔ پنڈت جی بھی اُسے "مانی" اور ماں کے لفظ سے مخاطب کرتے تھے۔

بیارے ناظرین! وہ مکان کسی بچے مانس کا مطلق نہ تھا۔ اور بڑھیا کوئی شریف عورت نہ تھی۔ بلکہ وہ مکان "چھلا کوٹھی" یعنی ایک مشہور خرابات خانہ تھا۔ اور وہ عورت اوس مکان کی منتظمہ تھی۔ یا یوں کہو کہ ایک نہایت ہی چلاک کٹنی یعنی دلالہ تھی رکھنے کو تو ہم نے اپنی ناول کے واقعات کی تاریخ کو سلسلہ وار رکھنے کے لئے اوپر کے دو چار فقر و نگو ماضی گذشتہ میں لکھ دیا مگر سچ پوچھو تو اس وقت تک وہ خرابات خانہ اور وہ طبعیا

بفضل شیطان موجود ہیں۔ اور شیطان کو ہی خبر ہو کہ کب تک موجود ہیں گی! کوٹھے پر جا کر پنڈت جی ایک برساتی کے اندر ایک ٹوٹی بھونی چارپائی پر بیٹھ گئے۔ مکان کا چہت ایک بڑا فراخ اولمبا جوڑا چہت تھا جس پر کم از کم بیس چار یا بیس کچھڑا دھڑکھڑا رہا کچھ وٹا کچی ہوئی تھیں۔ اور انہیں لوگ سوئے تھے غلط "سوئے تھے" سے یہ مطلب نہیں کہ سب نے نیند بھر سو رہے تھے بلکہ یہ کوئی سویا تھا۔ کوئی لیٹا تھا۔ کوئی بیٹھا تھا۔ یہ سب مرد ہی نہ تھے بلکہ ان میں نصف سے کچھ کم تعداد عورتوں کی تھی۔ بستر و کی کیفیت سنئے تو ہنسی آ جائے۔ کہیں تو بیٹھی پرائی پٹائی ہی بستر استراحت ہے۔ کہیں کسی کے سر کی پگڑھی بچھوئے کا کام دے رہی ہے۔ کہیں بچھوئے کا نام تک ہی ندارد۔ بس جو کچھ ہے چارپائی کی کہیں چارپائی ہے تو وہ ہی بفضل شیطان تین پائی اور پھر طرفہ یہ کہ دو تین پاؤں بھی زین کی بجائے آسمان کی طرف ہیں غرض چارپایاں کیا۔ اور بچھوئے کیا اور کیا ان پر سوئے وہ سب ایک انوکھی زیر و زبر کی حالت میں ہیں۔

کہہ ہوا کی یہ حالت تھی۔ کہ چاند و۔ چرس۔ مدبک اور شراب کی بدبو مکان کے ذرہ ذرہ میں مائی ہوئی تھی اور یہ ان لوگوں کا ہی حصہ تھا۔ مکمل منہ سے پڑے آرام کرتے تھے

خلق خدا کیلئے نو بیک اسوقت رات کے دو بج چکے تھے۔ اور گلی کوچوں میں
 خاموشی کا عالم تھا۔ مگر اس دارالنجائش کے متوطنوں کے لئے ابھی روز و رات
 تھا۔ کیونکہ نام کو تو یہ لوگ سوتے کہلاتے تھے۔ لیکن یہ اصل جاگتوں سے ہشیار
 چاند کی چاندنی رات تھی۔ اور اب کچھ سردی ہو چلی تھی۔ پنڈت برہمہن ناتھ صاحب
 برساتی کے اندر ایک ٹوپی کھاٹ پر بیٹھے اُس بوڑھی کُٹی سے کُن ہی کاف میں
 کچھ کہہ رہے تھے۔ جس کا مطلب تب معلوم ہوا۔ جب وہ بوڑھا جا کر چپکے سے ایک چارپائی پر
 سے کسی عورت کو جگا کر پنڈت صاحب کے پاس آئی اور کہنے لگی۔ "سو پئے ناں۔ ایہ عاجزگی کُٹی جی"
 پنڈت جی نے چراغ منگا کر اس عورت کی شکل دیکھی اور کہا۔ "اچھا اپنی سہی" چنانچہ پنڈت
 صاحب کو یہی دو سرون کی طرح ایک سڑی سی کھاٹ مل گئی۔ جس کو وہ غنیمت سمجھے اور اپنی
 پس نظر ساتھ لے ایک طرف جا براجمان ہوئے۔ پنڈت صاحب کو اس مکان میں داخل ہونے
 اور ایک سو دو گھنٹہ ڈیرہ گھنٹہ ہو چکا ہوگا۔ کہ ایک بیک انکی مشورہ انکے پہلو میں سے
 پھر پھڑپھڑاتی ہوئی دو رکھڑی ہوئی سا اور چارپائی سے الگ ہو کر چلتی ہوئی برساتی کی طرح
 جہاں وہ بوڑھی کُٹی سوئی پڑی تھی۔ یعنی جہاں پنڈت جی آکر پہلے بیٹھے تھے وہی
 چلی گئی۔ اس لئے سطح اٹھنے اور رونے دھونے کی آواز نہ پنڈت صاحب بھی کو
 کتنے ہی سرو کیوں نہ تھے چونکہ کر جاگ پڑے اور کچھ کہے ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے
 کہ خیر تو ہے کیا ہوا۔ وہ کدھر چلی گئی کہ اتنے میں وہ کُٹی پنڈت صاحب کی روتی ہوئی
 سمیت انکے پاس آ پہنچی اور انہیں دکھا کر بولی۔ "وہ چھا ہلا مانس ہیکا۔ تو چل دو
 ہو میرے مکان بچھین۔ پنڈت صاحب نے پوچھا کیوں مائی۔ کی ہیکا۔ میں تنے کج
 نہیں کتیا۔ توں کیوں ہوں لگ گئی۔"

بوڑھا اسی آب و تاب سے بولی توں کج نہیں کیسا ناں ہو کس کتیا۔ میری کُٹی
 توں تاں توں پل دی پل پوچھو مویا کرو تا ہیکا۔ واہ اچھی اشراف گھوئی۔

بجا رہے برجہوہن نامتھ نے اس طعن آمیز گفتگو کے کسی لفظ کا ایک نقطہ تک ہی
 نہ سمجھا۔ اس لئے وہ پھر باؤس سا ہو کر بولا۔ نہیں مائی مینوں تاں اپنے پریشوری
 قسم جے میں ایس نوں مندی جنگی گل کہی ہووے! پنڈت صاحب کے اتنا کہنے
 پر انکی معشوقہ انے دو بند ہو کر بولی۔ "بجے توں مینوں ہوو کی کہنا ہیگا۔ میں توئی
 ہا زاری رنڈی تے نہیں ہیگی۔" ایس ہی اشرفا ندیاں ہی دھیاں بہیاں
 اکھواندیاں ہاں۔ پنڈت صاحب اس کی تقریر کو کہی نہ سمجھے اور کچھ آزدو
 ہو کر بولے۔ "مگر توں ایہ تاں دس میں تینوں کی کہنا ہیگا۔ جواب میں اب
 ان دونوں عورتوں میں تو کوئی نہ بولی۔ لیکن ایک پرلی طرف گچی ہوئی کھاٹ
 پر سے ایک آدمی وڑیں سے بوڑھیا کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔
 "ایس ویلے توں کی شوہر چھوڑا دتا ہیگا۔ حوا مزاحی ایک نہ اک پٹنا پابندی ہیگی۔"
 ان الفاظ کیساتھ ہی وہ شخص خود ہی اپنی کھاٹ سے اٹھ کھڑا ہوا اور انکے پاس آکر
 پنڈت جی کو گھور کر دیکھتے ہوئے بولا۔ "توں کون ہیگا لالہ؟"
 پنڈت جی سہکیں ہو گئے اور ڈرنے ڈرتے کہنے لگے۔ کیوں بہی میرا قصور کی ہیگا۔
 وہ شخص بولا۔ "تقصیر سنو نے تینوں ایس دس ڈیئے پرہن ایس ویلے فساد کرنا
 چکا نہیں تو جیکر اپنی بھلی جا ہندا ہیگا تاں تہوں جا چلیا جا۔"
 اتنا کہہ کر اس شخص نے پنڈت صاحب کو صرف چار پائی سے ہی علیحدہ تہیں
 کر دیا بلکہ ایک زور کا جھٹکا دیکر میسرہوں کا راستہ بتلا دیا اور کہا۔ "چل.... آیا
 کہ عروں لاٹ صاحب راہنجا۔ شراب پی کے..... بھلے مانس آدمیاں
 دے گھر بدعاشی کرن آگیا ہیگا؟"
 پنڈت صاحب دبلے پتلے تو تھے ہی گیند کی طرح لڑکتے ہوئے میسرہوں کے دروازے کے
 اس پہنچ گئے اور کان لپیٹ کوچپ چاپ اس شخص کی حلو تیں ستے جہ ہرے آئے تھو

ادھر چلے گئے۔

مکان سے نیچے اتر کر انہوں نے اپنے گھر کا راستہ لیا۔ جہاں جا کر یہ چپ چاپ اپنی پلنگہ ٹھی پر سو رہے۔ صبح ہوئی۔ جاگے تو معلوم ہوا کہ چالیس روپیہ کی ایک گھڑی دو سو روپیہ کے نوٹ اور ایک بٹوا جس میں بیس روپیہ کے قریب نقد تھے۔ سب کچھ پاکٹ میں سے کافور۔ تب تو کچھ سوچ آئی کہ یہ شاید رات کے سیر سپاٹے کا پھیل ملا چپ کہیں کسی سے تو کیا کہیں؟ کیا پولیس میں خبر کریں؟ تو بدنامی ہوگی۔ کیا کیا چھلا کوٹھی میں جا کر دریافت کریں؟ ناممکن! پھر کیا چارہ کیا جاوے؟۔
 سمجھے کہ چپ رہنا سب سے بہتر ہے یہی غیبت ہے بلکہ لاکھ ٹکڑے کہ پھر بھی اچھے
 پنڈت جی دیک۔ پھر ہی ایسے نیچے۔“

آؤ ناظرین اب ہم لالہ گنگا رام کی طرف چلتے ہیں۔
 لالہ صاحب اپنے عزیز دوست دیوان دینا ناتھ کو رخصت کرنے کے بعد اپنی بیوی
 معشوقہ کے پاس جا سولے تھے۔ وہ کچھ غصہ تک بند لے چکی تھی اور اب اس کی
 طبیعت ہلکی ہو چلی تھی۔ چنانچہ لالہ گنگا رام نے پلنگ پر لیٹے ہوئے اس کو
 جیگا دیا اور کہا۔

”کیوں سیری جان؟ ہن تاں سویرا ہوں توں آیا ہیکا ذرا جاگ تے سہی۔
 تہن تاں راج چنگی آکیتی۔“

وہ جھپکیاں لیتی اور شانے مردھتی نیمخوابی کی حالت میں بڑے ناز سے کروڑ
 ہد لکریو لی برائے ربا۔ آج تے میں مرچلی ساں۔“

گنگا رام۔ ”فیر مہن کی حال ہیکا۔؟“
 معشوقہ۔ ”ہن تاں چنگا حال ہیکا۔“
 گنگا رام۔ ”فیر خبر وار ہوناں۔ کوئی گل بات کرے۔“

معتوقہ۔ کل بات سویرے کراں گے۔ تو سونا نہیں؟

گنگا رام۔ ہن کی سونا۔ چارجن گئے۔

معتوقہ۔ اوہ جانے تختوری دیر سو رہا۔ نہیں تے سویرے بڑا دکھ ہووے گا۔

لالہ گنگا رام نے کہا۔ اچھا تاں اسی طرح سہی یہ کہہ کر لالہ گنگا رام ہی پنگ پر
لیٹ گئے۔

XXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXX

XXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXX

یہ چار بجے کے قریب یہ دونوں جاگ پڑے اور پھر باتوں میں مصروف
ہو گئے۔

گنگا رام۔ سنوں دوسرے کرے پوج سلا یا ہو یا ہیگا۔

معتوقہ۔ ابس نے تے بے اٹھاں دساں دناں لوں آہنا ہیگا سی ایہ
ایڈی شتابی کتھوں آمویا۔

گنگا رام۔ تیرے سامنے اے کی کہند اسی تاں کہ اوہ کم جس دوا گیاں جلدی ختم گیا

معتوقہ۔ رب ایہدا کم کہہ رہے شتابی ختم کرے تے میری جند چھٹ جائے۔

گنگا رام۔ ساڈی میم صاحبہ نوں پریشہ کرے ہیضہ کرے تاں شکر کرے۔
ناظرین

جائے غور ہے کیسی بھلی دعا میں مانگی جا رہی تھیں۔ !!!

معتوقہ سسکراتی ہوئی بولی۔ کد می ایہ ہو جائے تاں فیہ فکر کا سدا۔ پورب

کولوں کی سنگھا ہیگا؟

لالہ صاحبہ اپنی معتوقہ کی رخصتی کی باتیں کہتے ہوئے بولے۔ بس فیہ

دنیا دھرم آمد اور سوچ کر رہے۔ پہلاں تاں تین دن میں پٹکے انگلستان دکھایا دیا

معشوقہؔ میں اک گل کہندی آں رسن تان۔ تیرا کوئی وسیلہ نہیں
جے کسے نوں کچھ بوجھ لالچ دیکھے اسدی پرے بھنڈی مکاویؔ
گنگا رامؔ وسیلہ تے سب کچھ بیگا۔ پر سرکار وراج ہی تے سرانے سجدا
ہیجیا ناںؔ

معشوقہؔ ”اُخ پر توں آپ کچھ تھوڑا اسی مارن لگیں گکا۔“ لالہ صاحب بولے
لیکن تینوں قانون دی خبر نہیں ناں ہیگیؔ

معشوقہ بولی ”میںوں سب کچھ خبر ہیگی۔ ساڈے آہر سردار تھیں ساڈی گلی
وچ اک دے اپنی وہوٹی نوں جوانوں مار چھڑا سی۔ اُس طے پہ مقدمہ ہويا
پر وکیلاں نے اُس نوں سکّا چھوڑا دتا۔“

لالہ گنگا رام صاحب اپنی معشوقہ سے کاول کرتے ہوئے بولے۔ ہجیا تو
میرے نال اک سودا کر۔ اوہ ایہ کہ توں ساڈی میم صاحبہ نوں مردا دیتے
میں تیرے صاحب نوں فیرو کچھ ہو ویکا کر دیاں گکا۔

ناظرین!

عشق سے بڑھاکر کوئی دیوانہ پن نہیں۔ معمولی سودا ہی تو پھر بھی کچھ سمجھتا نہ
عشق کا دیوانہ کچھ نہیں سمجھتا۔ مبارک ہو وہ عشق جو خاوند اور بیوی کے درمیان
ہی رہتا ہے۔ مبارک ہو وہ مکان جس میں ایسے عاشق اور معشوق رونق افروز ہوتے ہیں
مبارک ہو وہ ملک جس کی آب و ہوا اس قسم کا عشق پیدا کرتی ہو اور مبارک ہو وہ ادلا
جو ایسے عاشق اور معشوق الکی لٹل سے پیدا ہو لیکن پھر کتا ہو اس شخص پر جو پرانے گھر
میں جا گھستا ہو اور دہر کا ہو اس عشق پر جو اپنے فاعل کو عہد قافونی سے بے ایمان
کرتا ہے۔ لعنت ہے اس عاشق پر جو جوان بوجھ کر دکھ اور جدویں پھنستا ہے اور خدا
کی بار سے ایسے معشوق پر جو ایسے بے ایمانی اور مصیبت کے دائر کا ہیر دکھلاتا ہے

مار چھکار تو ہوئی۔ مگر ناظرین آپ سچ جانتے تھے عشق میں بھینسا ہوا عاشق لعنت
 طاقت کی ذرہ بھی پرواہ نہیں کرتا۔ خدا جانے اس کو کیا ہو جاتا ہے۔ وہ جانتا ہے
 کہ میں غلطی پر ہوں۔ وہ سمجھتا ہے کہ میری عزت میں فرق آتا ہے۔ اس کو علم ہوتا ہے کہ
 ایک پل بھی آرام اور چین سے نہیں گذرے گی وہ واقف ہوتا ہے کہ زوہل میں جین
 نہ فراق میں خوشی مگر اسکی عقل فکر میں کچھ ایسی کھلبلی مچ جاتی ہے کہ وہ حسب کچھ جان چھکا
 دیوانہ بن جاتا ہے اور علاج کو نہ پر قائل سمجھتا ہے۔ عاقبت اندیشی کو سوں مہر بھاگ جاتی ہے اپنے
 آپ کی خبر نہیں رہتی۔ بس اگر کچھ نہ ہے تو وہ عشق سے قیل و قال معشوق کی ادویں اگر جان
 جائے تو مضائقہ نہیں۔ مگر اسی جان کو بچانے کیلئے کوئی علاج بتلائے۔ نو سطاقی و میان
 چنانچہ یہی حالت لالہ گنگا رام اور انکی معشوقہ کی تھی۔ انکو علم تھا کہ جس معاملہ پر گفتگو کر رہے
 تھے اس پر عمل نہ کرنا تو ایک طرف۔ کمر بستہ ہونا ہی انکو قانونی بیخود میں پھنسا کر کاسے پانی
 بیجا دیکھ کر کچھ نہیں۔ انہوں نے پکی پکی کہ لالہ گنگا رام تو اپنی معشوقہ کی خاندان کی جان
 لینے کیلئے آمادہ رہیں گے اور وہ انکی بیوی کو کسی نہ کسی طرح مروا ڈالے گی۔

اس فیصلہ کے بعد لالہ گنگا رام نے کہا: "شرماس نے تینوں پہچانیا تاں
 نہیں سی"

وہ بولی مٹتے تھے جیو ہجان لینداتے میرا کی کر دیا۔ مینوں مارٹنا ساہو۔

لالہ صاحب بولے: "اچھا بھڑ بھی اچھے بچھے"

ایسی ایسی باتوں کے بعد لالہ گنگا رام نے اپنی معشوقہ کو پھر زمانہ لباس پہنوا کر
 سوج نکلتے کے پہلے پہلے اسکے گھر میں ہجوادیا۔ تھوڑی دیر بعد شرماس بھی جاگے
 اور منہ ماتھ دہو۔ لالہ صاحب کچھ بات نہ جیت کو کے اپنے گھر کو چلے گئے اسیلو وکیل
 رام کشن صاحب بھی رخصت ہو گئے۔ غرض لالہ گنگا رام جو رات کے تھکے ماتھ
 اور نیند سے باؤ لے ہوئے تھے اب فرصت پا کر نسیم صبح کے ٹھنڈے ٹھنڈے

جھونکوں میں فاذ البال ہو کر لمبی تان کر سو گئے۔ نو کروں سے کہہ دیا کہ جیتک ہم
خونہ جاگیں ہمیں کوئی نہ جگا لے۔“

اب ہم دیوان و مینا ناتھ صاحب کی خبر لیتے ہیں

دیوان صاحب اپنے مکان پر رچ گئی بازار میں الیکٹریک کے سرے پر تھا پہنچ کر
پلنگ پر بیٹھے۔ بہتیرا چاکر نیند آدے۔ اور سو رہیں۔ مگر خیالات ایسے پرانگندہ ہوئے
تھے کہ پلنگ نہ لگی اور صبح تک بستر پر کر ڈھیں بدلتے رہے۔ بیٹے بیٹے کبھی کسی سوچ
میں چلے جاتے تھے کبھی کسی میں۔

بار بار آنکھوں کے آگے بد سرائی کی تصویر کی صورت کی تصویر بچھ جاتی۔ بد سرائی
کی ٹیٹھی ٹیٹھی اور مذاق والی باتیں یاد آجاتیں تو بڑے بڑے مسکراتے پھر خیال آتا کہ خدا جانے
جو چاہی کر کیسی مصیبت آئی ہے۔ اس گھر میں کچھ نہیں۔ خون کی داروات ہو گئی ہے
نتیجہ نہ جانے کیا ہو کبھی کہتے چلو اسکے مکان پر جا کر دریافت کریں کہ کیا معاملہ ہے بھروسہ
انکی بشرطیت اور بقدر حالت تندرستی تھی کہ بد سرائی کی خوبصورتی کا جادو انکے
دل پر اثر کر چلا کہ اتنے میں محلہ کے جادو بکش اور سفی کی آواز نے انہیں بتلادیا
کہ دیوان جی۔ آپ کے کالج جانے کا وقت ہو گیا۔“

دیوان صاحب نے بستر کو چھوڑا اور حاجت فراغت کے بعد اٹھ کر کے کپڑے بدلانے لگے
طبیعت کی بقیہ رسی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ یہ پھر اپنی چار پائی پر لیٹ گئے۔ اب
خیال آیا کہ تمنا نیدار کے خواہ مخواہ نگر ہو گئی تھی سچ سچ اگر وہ گرفتار کر لیتا تو کیا تھا
مگر گنگا رام نے دانائی کی کڑ مال دیا اور خبر ہو گئی۔ بہر حال اچھے بچھے۔“

انکو بھی بیٹھے بیٹھے لاکھ گنگا رام کی طرح نسیم سحر خوش آئی۔ آنکھ لگ گئی اور سو گئے
اور دوستوں کا بھی یہی طرح نقشہ رہا اور محل کا کوئی عہدہ نہ تھا جلا لاکھ گنگا رام کے مکان سے
رفت ہوئے بعد ارام و چین سے رہا ہو۔ ہم اس اب کو ڈاکٹر مشرف الدین کے محلہ

سے حال کے بیان کرنے کے بعد ختم کریں گے۔

ڈاکٹر صاحب پنجا ب کے ایک مشہور قصبہ کے اسپتال میں تھے۔ اور ان دنوں لہو کے میوہپتال میں جنرل ڈیوٹی پر تھے۔ لالہ گنگا رام کے مکان سے رخصت ہو کر اپنے مکان کو ننگے تھے بلکہ سیپے میوہپتال میں جا پہنچے۔ اب اور دوستوں کی نسبت زیادہ مسرور تھے۔

ہسپتال میں پہنچ کر ڈاکٹر صاحب مریضوں کے ایک کمرہ میں چلے گئے چوکیدار سے پوچھا۔ اس کمرہ میں کس کی ڈیوٹی ہے؟

جواب ملا۔ ”جی بابو حسین بخش دی۔“

ڈاکٹر صاحب۔ ”حسین بخش کہاں ہے؟“

چوکیدار۔ ”جی ابھر کدھرے گیا ہوگا۔“

حسین بخش کمرہ کی طرف سے آگیا۔

اسکو دیکھتے ہی ڈاکٹر صاحب اچھل پڑے۔ پوچھا۔ ”تو ہوا کیو؟“

حسین بخش۔ ”تیس سو پلے کدھر؟“

ڈاکٹر صاحب نے اس متوالہ پن میں حسین بخش کو ایک طرف لیجا کر بلکہ گھسیٹ

کر اس کے کان میں کچھ کہا۔ اور ان دونوں میں کچھ دیر تک کان ہی کان میں باتیں ہوتی رہیں۔ اسکے بعد یہ دونوں مریضوں کے کمرہ سے نکل کر نیچے اتر آئے اور ایک جگہ باغیچہ میں سرسبز گھاس پر چاند کی چاندنی میں بیٹھ گئے۔

حسین بخش نے کہا۔ ”فراؤ۔ کی ارشاد ہوگا؟“

ڈاکٹر صاحب اس فقرہ کو سن کر بے اختیار۔ ”وے لگ گئے۔ رونے روئے۔“

انہوں نے لڑائی بھڑائی زبان سے کبھی پنجابی۔ کبھی ہندوستانی کبھی انگریزی میں جو کچھ کہا۔ اسکا لب لباب یہ تھا:

حسین بخش میں جانتا ہوں۔ تو میرا عزیز رشتہ دار ہے سالانہ اور بھائی دو نہیں ہوتے
مگر میں کیا کروں۔ میں اپنے آپ میں نہیں ہوں تیری خوبصورتی کے جادو نے
مجھے کہیں کانہیں چھوڑا میں مدت سے چاہتا ہوں کہ تجھ کو بتلاؤں کہ میں تجھ سے
کیوں استغفر غیبت کرتا ہوں۔ مگر کئی ایک خیالات سے رکارنا میں نے ہر چند چاہا کہ اپنی
طبیعت کو قابو میں رکھوں مگر ناکام رہا۔ آج از میں چار ہو گیا تھا اور اب ایک دوست کے
ماں سے کچھ نشہ جو پیا تو رک نہ سکا تیرے پاس آ گیا۔ تجھے یہ بتلانے آیا ہوں کہ اگر
تو میری محبت کو منظور نہیں کرے گا تو میں نہ ہر کھا کر مر جاؤں گا۔“

اتنا کہہ کر ڈاکٹر صاحب نے ایک نہر کو شیشی جیب سے نکال کر اپنے سامنے کو دکھلائی اور کہا
”دیکھ میں نے اپنا مہما لیا اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ اگر تو مجھ سے نفرت کر لیا تو میں جان
دیدہ لنگا۔ ایک میں مرد لنگا۔ دوست تیری ہیں بیوہ ہو جائیگی۔“
استاد رکھ کر ڈاکٹر صاحب زور سے رونے لگے اور فرط جوش میں اپنے سامنے سر
پٹ گئے۔

وہ بیچارہ سن سن کر حیران ہوتا جاتا تھا اور اپنے بہنوئی کی عاشقانہ اور دردناک
تقریر کو سن کر دل ہی دل میں کہتا تھا کہ یہ عجیب معاملہ ہے۔ اب کیا ہو گا۔ یہ بیوی کا عشق ہے
وہ بولا۔ ”اچھی بات بھائی جی۔ تیں فیروندے کیوں ہیگے اور۔“
ڈاکٹر صاحب نے اس لئے کہ شاید تو مجھ کو نظر انداز کر دے۔
حسین بخش۔ ”میں آپ کو نظر انداز نہیں کروں گا۔“

اس کا یہ کہنا تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے اسے چھاتی سے لگا لیا۔ بلکہ یہ دونوں اسی
گھاس پراٹھ گئے۔ مگر اتنے میں اوپر سے ہسپتال کے برآمدہ میں کئی ہزارویں
حسین بخش۔ حسین بخش۔
حسین بخش اپنے بہنوئی کی اخ سے ملتا ہوا کہ اس سے کہنے لگا۔

تھچھدو یو بھائی اچی۔ ہوس سرجن مینوں پلاوند اسپگجے ماہ

ہوس سرجن صاحب نے ہی یہ فقرہ سن لیا۔ اور وہ دوڑنے دوڑنے اوپر
نیچے اتر آئے۔ مگر ان کے پاؤں کی آہٹ سکر اور اکھنڈ نرویکہ اناؤ پیکر ڈاکٹر شری
صاحب اپنے سالے کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور جس طرح بنا اپنے مکان پر پونچھ کر تب لیا
اپنے دل میں سوچا کہ آف تو بہ۔ یہ کیا ہو چلا تھا۔ اگر ہوس سرجن کو کہہ لیتا تو کیا ہوا
اب ہی خدا جانے اس ارٹیکل بچا رہے گا کیا ہوگا؟ مگر خیر اسکا تذکرہ کیا جاویگا۔ اگر خدا
بھی ہو گیا کہ ہم تھے۔ تو کچھ مضائقہ نہیں۔ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا لیں گے۔ لیکن اب تو
غیبت سمجھنا چاہئے کہ خدا کے فضل سے اچھے بچے۔

حصین بخش ہاسپٹل سسٹنٹ کلاس میں پڑھتا تھا۔ اور اسکے آخری امتحان
میں اب ایک ہی سال باقی تھا۔ وہ نہ صرف خوبصورت ہی تھا۔ بلکہ اپنے جماعت کے
طالباء سے پڑھائی میں کیا اور ذہن اور لیاقت میں کیا بڑھ چڑھ کر تھا۔ کالج کے وہ
سب پر و فیہ جن سے اسکا واسطہ تھا۔ اسکو ہمیشہ پیار اور محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔
یہاں تک کہ ہوس سرجن اور ہسپٹل صاحب ہی اس پر نظر نہایت رکھتے تھے۔
حصین بخش کو اس قدر ضرور معلوم تھا کہ اسکا بہنوئی اسکے ساتھ از بس محبت کرتا
مگر اس بات کا اس کے دل میں وہم یا گمان نہ تھا کہ اس محبت کا دائرہ ایسا
خطرناک تھا جیسا کہ اسکے بہنوئی نے بیان کیا۔ وہ بیچارہ اپنے بہنوئی کے چلے جانے
پر مضطرب اور پریشان ہو گیا۔ کہ ہوس سرجن کو کیا جواب دیکھا کہ بھاگ جانا والا
تمہیں کون تھا اور اس کے ساتھ کیا گفتگو ہوئی۔

بل اسکے کہ وہ بات کو بنانے کی تدبیر سوچ لیتا۔ بیچارہ ہوس سرجن کے بچے
بھی چھٹس گیا جس نے آتے ہی بڑے دھبے سے پوچھا۔

تم کیا کر رہے ہو۔ اس جگہ حصین بخش اور وہ کون تھا جو بھاگ گیا ہے؟

ناظرین! بے کسی کے زخموں میں پہنچے ہوئے انسان کو حضرت قاضی شیطاں
تقسیم قسیم کی چالاکیاں سکھلا دیتے ہیں اور جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بنا لینا ان کے
پہلے سبق میں داخل ہے تو پھر کیا تھا۔ بابو حسین بخش نے دلیری سولہ پائے افسر کو
جواب دیا: "جناب وہ ایک بد معاش تھا جو کہ ہمارے کالج کا ہی ایک طالب علم ہے مگر
میں تو اسے بیشک بد معاش ہی کہوں گا۔ کیونکہ وہ مجھ کو دھوکا دیکر زہر کی شیشی اڑا
کے چلا تھا۔"

یہ کہہ حسین بخش نے وہ زہر کی شیشی جو ڈاکٹر شرف وین کے جیب سے
لگا کر دکھلائی تھی اور جلد ہی میں ڈاکٹر صاحب کی جیب سے گھاس پر گر پڑی تھی
ہو س سہر جن کے ماتھے میں دیدی:۔

ہو س سہر جن صاحب حسین بخش کی بھولی بھالی بات پر فوراً یقین
کر گئے اور بولے:۔

"لیکن وہ کونسا ایسا بد معاش تھا حسین بخش جو اس وقت ہسپتال میں آگیا
تم سب کو اس کا نام بتاؤ اور ہم اسی وقت اس کو گرفتار کرادیں گے۔"

حسین بخش نے جناب میں اس کا نام نہیں بتلایا چاہتا حضور مجھ کو معاف کریں۔
ہو س سہر جن: لیکن تم تو اس کے ساتھ گھاس پر لیٹ رہے تھے اور کہتے
تھے کہ چھوڑ دو مجھ کو چھوڑ دو۔ یہ کیا تھا؟ ۹

حسین بخش: "ماں جناب وہ میرے ماتھے سے جبراً یہ شیشی چھینا تھا۔ اور اٹھا
پالی تک نہ بندھ رہی تھی۔ لیکن آپ کی آواز سنکر میں نے اس کو دھمکایا کہ چھوڑ
دو مجھ کو چھوڑ دو۔ ہو س سہر جن صاحب دیکھ رہے ہیں اور خدائی ہو گئی چنانچہ
حضور کو نیچے اترنا دیکھ کر وہ بھاگ گیا۔"

حسین بخش کا یہ بیان ہو س سہر جن صاحب نے بطور تسلی بخش سہجاء اور فرمایا

لیکن اُس کا نام کیوں نہیں بتلاتے؟
 حسین بخش ہاتھ جوڑ کر بولا۔ غریب پرورد ایک شخص کا میرے ہاتھ سے خواہ
 خواہ نقصان ہو جاویگا۔ حضور خدا کے واسطے مجھے معاف فرادیں۔
 حسین بخش کی تقریر میں حضرت شیطان نے کچھ ایسا جاو کا اثر ڈالا
 ہوس سرجن صاحب بجائے بدظن ہونیکے آگے سو بڑھ کر مطمئن ہو گئے کہ حسین بخش
 پر لے ورجہ کا سچا اور بھولا بھالا طالب علم ہے۔ انہوں نے کہا بہت اچھا حسین بخش
 تم اپنی ڈیوٹی پر جاؤ۔ ہم اس معاملہ کی کل ضرورت سمجھتا کریں گے کہ ایسا کون نہیں
 لڑکا ہمارے کالج میں ہے۔ یہ کہہ کر موس سرجن صاحب تو اپنے کمرے کی طرف
 چلے گئے اور حسین بخش مریضوں کے کمرہ میں پہنچ کر ایک خالی چارپائی پر بیٹھ گیا
 اور سوچنے لگا کہ اگر تھوس سو جن کو اصل حال معلوم ہو جائے تو خدا جانے
 کیا ہوتا۔ مگر خدا کا لکھ احسان کہ بگڑھی بن گئی۔ اور پھر ہوا اچھے بچے۔

تیسرا باب

مقدمہ

ہماری کتاب کے تاریخی حصہ میں ۲۰۔ اپریل ۱۹۸۱ء کی رات بیشک ایک قابل
 یاد رات گئی جائیگی۔ اس رات کے واقعات میں کسی ایک توہم لکھ آئے ہیں اور کئی ایک اور
 باقی میں چنانچہ بی بدر النساء کے مکان ایک مردہ شخص کا ملنا۔ اور بعد میں کائنات
 کرنا بھی اسی رات کے واقعات میں سو ہے جو ہم یہاں بیان کرنا چاہتے ہیں اور
 امید کرتے ہیں کہ اس بات کے ختم ہونے پر ناظرین ہمدردی و ارستانت کے سلسلے کو باقاعدہ

پانے کے قابل ہو جائیں گے۔

بی بدر النساء پولیس والوں کی نگرانی میں اپنے میرا سیوں سمیت مکان پر پہنچی محلے میں اور خاکہ اپنے دروازے کے آگے خلقت کی بہیڑ۔ بھاڑ دیکھ کر بچاری حیران راہ گئی۔ کہ یہ کیا ہوا۔ جوں توں کوئے اپنے مکان کے دروازے پر پہنچی اور ابھی دہلیز کے اندر قدم رکھنے نہ پائی تھی کہ تہانہ وار نلے سے وہیں ٹھیر الیا۔ اودھکا موبس تم لوگ اسی جگہ ٹھیر جاؤ یہ کہہ کر اس نے ایک سپاہی کو اندر بھیجا کہ کپتان صاحب کو اطلاع کرے کہ بدر النساء آگئی ہے۔

کپتان صاحب نے ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور دو تین سار جنٹوں اور چھ سات کنسٹیبلوں کے ڈیوڑھی میں عدالت لگا کر بیٹھے تھے اور بدر النساء کے بوڑھے چچا اور چچی سے واردات کی بابت تحقیقات کر رہے تھے۔ بدر النساء کے آنے کی رپورٹ سن کر بولے "ول اندر آنے دو" ابدر النساء مع میرا سیوں کے اندر داخل ہو گئی۔

اتنے میں لاہور شہر کے کوتوال نے انسپکٹر پولیس بھی آچھ پنچے ریکتان صاحب نے حکم دیا کہ دروازے کے آگے اور گلی میں سے سب لوگوں کو ہٹا دیا جائے حکم کی نور تعمیل ہو گئی۔ اور بدر النساء کے مکان سے لیکر بازار کے سرے تک گلی میں پولیس کا پہرہ لگ گیا۔

بدر النساء کی ضعیف چچی اس کو دیکھ کر رونے لگ پڑی اور بولی "پر پتر سائے دشمنان نے ابے خبرے ساڈے نال کی کجہ کرنا ہو گیا"

بدر النساء جو اس واردات کی اصلی کیفیت سوا ہی تک دراصل خیر تھی حیران ہو کر چچا اور چچی کے پاس بیٹھ گئی اور چاہتی تھی کہ اُنہے کچھ دریافت کرے کہ کپتان صاحب بولے "بول بدر النساء ایک چار بابلی کی طرف جیسر ایک مردہ آدمی پر"

اشعار کہے کہ یہ تمہارا گھر ہیں کیسا آیا تھا۔ اور اس کو کون مارا؟
 بدر النساء دے جا اس ہو کر حضور رحم کو کیا خبر ہم تو ایک اشرف آدمی کے مکان
 پر شام سے حجر کرنے چلے گئے تھے۔

گپتان :۔ دل نہ پھر کیسا تمہارا گھر کا اندر یہ آدمی آیا؟

بدر النساء :۔ حضور خدا کو معلوم ہو۔ یہ کیسا آیا؟

گپتان :۔ اچھا لیکن تم جانتا ہے۔ اس آدمی کا نام؟

بدر النساء :۔ کس آدمی کا نام حضور؟

گپتان :۔ یہ جو مردہ پڑا ہے؟

بدر النساء :۔ حضور خدا کو کیا معلوم یہ کون آدمی تھا۔ ہم تو اس کو دیکھا ہی نہیں

گپتان :۔ دل تم ادھر آؤ۔ اور بتی سے اس کو دیکھو؟

بدر النساء :۔ دکھانے کا پتہ نہیں حضور رحم مردہ کا منہ نہیں دیکھنے چاہتی ہوں

خون آتا ہے۔

گپتان :۔ میرے نہیں جو سکتا۔ تم ضرور دیکھنا ہو گا۔ اور پہچان کرنا ہو گا۔ کون

آدمی تھا۔؟

گپتان صاحب کے اتنا کہنے پر تھکا نہ وار صاحب اور صاحبہ وغیرہ بول لٹھے۔ سمیں

کچھ دھکی بات کی نہیں بچتک تم اسکا منہ دیکھ کر شناخت نہیں کرو گی تب تک تحقیقات

نہیں ہو سکتی۔ گپتان صاحب بولے دیکھو بدر النساء تم ہمارا ساتھ آؤ۔ ہم سب

لوگ اس کا منہ دیکھتا ہے تم اور تمہارا نوکر لوگ سب دیکھو۔ اور بتلاؤ کہ یہ کون آدمی

ہے صاحب بہادر کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ ایک کنٹینر نے لپٹا ہوا گیارہ گیارہ

دشمنی میں بدر النساء اس کے میرا سیول اور نوکر وں چاکروں نے معہ اٹلیان پولیس

مردہ کو سر سے پیر تک فورسے دیر تک دیکھا گیا پولیس کے گپتان صاحب سب

لوگوں کے چہروں اور خط و خال کو جو رافتر سے مارنے رہے۔ صاحب بہادر کا کسی پر تو کچھ شک نہ گذرا۔ مگر ان کو بدر النساء کے گور سے چہرے کا رنگ بدلنا جو نظر آیا۔ دل میں خیال گذرا کہ بدر النساء بے شبہ ستونی کو جانتی ہے اس لئے انہوں نے بدر النساء سے مسکرتے ہوئے بڑی حکمت علمی سے دریافت کیا کہ یہ کون بدر النساء ہم خالی اتنا معلوم کرنا مانگتا ہے کہ یہ کون آدمی ہے۔ اسکا معیت اس کو مار دیا۔ اس میں کسی کا کچھ نہیں۔ تم خالی یہ بولو کہ یہ کون شخص ہے۔ تم ڈرو مت۔ بیشک بولو۔ ہم تم کو کچھ نہیں کر سکتے گا۔

بدر النساء صاحب بہادر کی تقریر کو سنتی رہی۔ اور ایک ایک لفظ پر باوجود حالت نشہ میں ہونیکے غور کر رہی ہوئی بولی "خداوند میں نے اس آدمی کو کہا میں دیکھا ہوا ضرور ہے۔ مگر اس وقت میں شراب کے نشہ میں ہوں۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں میں کہاں دیکھا۔ بدر النساء کا اتنا بیان سنا کہ ایمان پولیس ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھنے لگ پڑے اور سب کے سب کینے بان بکر ٹوٹر کرٹ پٹر ٹوٹر کرٹ پولیس کی طرف حینا طلب ہو کر پہنچ گئے۔ غریب پرورد بدر النساء جلیس اشراف اور بیچ ہونے والی حوا لیت سبک شہر میں کوئی نہیں۔ اس بیچاری کا کوئی قصور نہیں۔ یہ حضور کو صاف صاف بتلا دی گئی کہ یہ کون شخص ہے۔ اور اس جگہ کس طرح مر گیا۔ مقتول۔ مگر احوال اسی وقت حضور کو معلوم ہو جائیگا۔ کیتان صاحب نے ماتحت ملازمان کی بابت کو پانگئے اور بولے "دیکھو جی سب کوئی مفت بولو۔ تم لوگ سب باہر چلے جاؤ ہم اور کو تو ال اور تہا نہ دار صاحب اور بدر النساء اور ہر ریگا۔ ہم شور نہیں مانگتا۔ ہم صرف روہ آدمی کا نام مانگتا ہے اور ہر ہم اپنا بنگلہ جائیگا۔ تم لوگ جاؤ۔ باہر چلے جاؤ اپنے افسر کا حکم سنو پولیس کے سارجنٹ اور سپاہی سب ڈیوڑھی باہر چلے گئے میرا سیدل اور بدر النساء کے پیچھے کو بھی وٹاں سے ہٹا دیا۔ اور ڈیوڑھی میں صرف

کپتان صاحب کو قوال صاحب منہانہ وار صاحب ادبی بدر النساء رو گئے۔
 کپتان صاحب نے مسکراتے ہوئے بدر النساء سے کہا: "موی کہو بلدا! النساء ہم جانتا
 تم تاجے گیا ہوا تھا۔ اور گھر پر نہیں تھا۔ اور تمکو اس واردات کا کچھ خبر نہیں لیکن
 تم ہم کو اتنا بولو کہ یہ کون شخص ہے۔ اور کیا نام؟"
 بلدا! النساء نے کہا: "مضور جیکر ساڈا کوئی مقصور ہو یا تے سرکار مالک ہے
 جو چاہے سو کہے۔"

کپتان: "نہیں۔ نہیں۔ تم ہم کو صرف یہ بتلاؤ کہ اس کا کیا نام؟"
 بدر النساء: "موی کہو اس وقت یاد نہیں کل بتاؤنگی۔"
 کپتان: "ول تو پھر ہم تم کو حالات میں بھیج دیگا۔"
 حالات کا نام سنکر بدر النساء کے ہوش اڑ گئے۔

وہ بولی: "نہیں سرکار۔ میں نام یاد کر دی ہاں جیکر یاد آجاندہ میگا۔"
 کپتان صاحب نے فرمایا: "ہاں ہاں۔ تم بیشک یاد کرو۔ ہم تم کو کچھ نہیں بولے گا
 قصہ کوتاہ اٹالیاں پولیس نے حکمت عملی سے علامہ متونی کے نام و نشان
 دریافت کر لینے کے واردات کے وقوعہ کا ہی تھوڑا بہت کھج نکال لیا۔
 ہم چاہتے تھے کہ اس واردات کا مفصل احوال اس جگہ فوراً وچ کر دیتے مگر
 اپنے ناظرین کے شوق کو زیادہ گرم کرنے کی خاطر ہم اس جگہ قلم کو روک بیٹے ہیں۔
 کپتان صاحب واردات کے حال سے بیٹے کھج وہ شخص مر رہا۔ ڈوکن
 بدر النساء اور دیگر افراد خاص کے بیانات سے بخوبی واقف ہو گئے انہوں نے میسج
 سے ایک ڈاکٹر کو بھی بلا لیا تھا۔ اور اس کی رائے اور شہادت قلم بند کر لیگی تھی۔ چنانچہ
 صاحب بہادر صبح کے آٹھ بجے تک اس واردات کی تحقیقات میں بڑی سرگرمی
 مصروف رہے۔ آٹھ بجے کے بعد وہ مقدمہ کو انسپکٹر پولیس کے سپرد کر کے اپنے منگلی

کو چلے گئے۔ انسپکٹر صاحب نے تھوڑی بہت مزید تحقیقات کے بعد لاش کو ہسپتال میں بھیج دیا۔ اور بد النساء اس کے چچا اور چچی۔ میو اسیڈوں اور نوکروں جاکر لوگوں کو حالات میں پہنچ دیا۔ صرف بد النساء کے لواحقین ہی حالات میں نہیں پہنچ گئے تھے۔ بلکہ بد النساء کی شان کی ایک اور طوائف صاحب جان بھی سچ اپنے سازندوں اور نوکروں کے اسی واردات کے متعلق اسی حالات زینت بخش تھی۔

شہر میں اس واردات کا پٹا شو بچ گیا اور جو میں پولیس والے بی بد النساء اور بی صاحب جان کو ہنگڑیاں پہنا کر مع انکے سازندوں اور لواحقین کے ہانڈا سے لیکر نکلے انکے پیچھے تماشا یوں کا استفادہ ہوا۔ کہ گسالی دروازہ سے لیکر توالی تک اس طرح معلوم ہوتا تھا کہ جس طرح جس صر کے دن دُل ل کا ہجوم ہوتا ہے غرض شہر میں اس مقدمہ کی بابت مختلف رائیں قائم ہو رہی تھیں۔ بی صاحب جان کے ساتھ تو کسی کی لمبی چوڑی ہمدردی نہ تھی ہاں بی بد النساء کی خبر خواہی کا بہت لوگ دم بہرتے تھے۔ جن پرست اور عاشق مزاج اشخاص تو اسکے ہر حال میں ہمدرد اور غیر خواہ تھے۔ انکو تو بلکہ یہاں تک خیال تھا کہ ایک خوبصورت مشوق کو جو لاکھوں کی زینت ہے آج تک نہ آئے۔ تب ہی بات ہر ایسے لوگ کہتے ہیں کہ اگر بد النساء ایسی بیزار و مشوقہ کے قدموں تلے چپے چپے پہ ہزار جان تباہ ہو نہ ہو گی انصاف پسند لوگ کہتے تھے کہ اگر متوفی پر سچ مچ بد النساء کی سازش سے مارا گیا ہے۔ یا اسکی موت کا باعث بد النساء کی کوئی حرکت یا شرارت ہو تو ایسی ظالم اور بے رحم ریشمی کو پاش پاش کر دینا چاہئے۔

رحمدل اشخاص کی رائے تھی کہ چلو مر نیو لا مار گیا اسکی تقدیر میں ہی اسبیض نگہا تھا۔ آخر سنیے مرنا ہے اسلئے ایک تو مارا دوسری جان کیوں برباد ہو۔ اخبار طالوں کو کالم کے کالم سیاہ کر بیکار ایک نامزد موقع ہاتھ لگ گیا۔

شراب خانوں - چاند و خانوں اور دیگر مقامات نشست و برخاست عوام میں
نہت نمی گپ اور تکی تہی - انقضہ جتنے منہ اتنی باتیں -

بہر حال ساتویں دن پولیس والوں نے اس مقدمہ کا بڑی دھوم دھام سے
صاحب ڈپٹی کسٹرنے چالان کیا - لاہور کی کچہری کا احاطہ اس دن گو نہ گو نہ ہر گز
بڑے بڑے امیر فکی بگھیاں شرک پر کھڑی تھیں - رنگین خراج نو جوانوں کے اسبان
سواری ہنہنا رہے تھے - خواجہ فروشن کے لئے یہ مقدمہ میلہ چاغان تھا - اخباروں
کے ادبیروں اور نامہ نگاروں کے جھنڈ و جھنڈ جمع تھے - شہر کی رڈ بونکے جا بھی جاتے
بیٹھے تھے - بد رالنساء کے عشاق اور خیر خواہ بغل میں روپیوں کی تہیلیاں لئے موجود
کہ اوہر بد رالنساء کی بے گناہی ثابت ہوئی - اوہر چاندنی کی بارش شروع - خیرات
خود دست بدعات تھے کہ بد رالنساء اگر مجرم ہی ہے تو یا اہی یا مشکل کنا بری ہو جاوے
اور علواناٹھ اور انیس - ملاں اور ملوانے تسبیح ہاتھ میں لئے فطیفہ اور کلام پڑھ رہے
کہ یا پیر و شگیر ہمارے رزق کیواسطے ہی توہ شگیر کی کہ اوہر بد رالنساء کی خلاصی کر
کہ اتنے میں کورٹ انسپکٹر صاحب بہادر نے مقدمہ کا چالان منہ اسامیوں کے
صاحب ڈپٹی کسٹرنے ہا در کی عدالت میں پیش کیا -

بد رالنساء ریچاری تھے کڑیاں پہنے ہوئے بڑی روی حالت میں حوالات سے
نکلے - یہی حال بی صاحب جان کا تھا -

زمانہ کا بھی عجیب رنگ ہے - اسکا ایک ایک لمحہ طرح طرح کے واقعات کا خزانہ
ہے ابھی تو خوشی نظر آتی تھی - یا ابھی مصیبت نے منہ آکھا یا خیال کیئے وہی -
بد رالنساء جسکی ایک ایک آن پر ہزار دل فدا ہوتے تھے - اس وقت ہتھ کڑیاں
پہنے ایسی حالت میں تھی کہ اس سے بات کرنا بھی داخل جرم تھا -
مقدمہ کے پیش ہونے ہی عدالت کے کمرہ میں لوگ بہوسہ کی طرح پھر گئے - اوہ

وہاں پادری کہنے کی جگہ نہ رہی۔ صاحب ڈپٹی کنسٹبل بہادر نے حکم دیا کہ سب لوگوں کو
 باہر سے نکال دیا جائے۔ پس پرتو پولیس والوں کی من آئی۔ اور انہوں نے وہ ڈنڈا سونپا
 بہت تاکہ بڑھنے امیر زادوں کی ٹیپیاں پگڑیاں غماہیں ہوتی نظر نہ آئیں۔ جب کمرہ خالی ہو گیا
 تو صاحب بہادر نے حکم ثانی صادر کیا کہ اچھے اچھے اور سفید پوش شخص کو جگہ کی گنجائش
 کے مطابق کمرہ عدالت میں داخل کر لیا جائے۔ اسپر کالین پرتو پولیس کی اج پدی
 گھری ہوئے گئے۔ اور انہوں نے جسکو چاہا اندر جانے دیا جس کو چاہا باہر نکال دیا
 باہر خدا خدا کر کے کمرہ میں لوگ باقی عدد ادھپ چپ چپ بیٹھے۔ اور مقدمہ شروع ہوا
 استغاثہ نے سرکار کی طرف سے سرسپیشا۔ بی مدر النساء کی طرف سے مسٹر
 رائیگن ابلی صاحب جان کی طرف سے مسٹر کپٹن سیرٹن ابٹ لڈ پیر کا
 تھے۔ سب سے اول ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ صاحب بہادر پولیس کی شہادت طلب ہوئی تو
 انہوں نے انجیل مقدس کی کھنڈاٹھا کہ حسب ذیل اظہار دیا۔ صاحب بہادر کا اظہار
 انگریزی زبان میں تھابت ہوا۔ مگر ہم اس کا اردو ترجمہ یہاں درج کرتے ہیں۔
 میرا نام چارلس ایڈورڈ سیموئیل ہے۔ عمر ۲۳ سال میں قائم مقام ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ
 پولیس ضلع لاہور۔ ۲۰ اپریل کی رات کو ڈیڑھ بجے کے قریب بٹی محلہ میں میرا
 گھر ہوا۔ میں اس وقت گسالی دروازہ کی چوکی پولیس کو جہاں آگ لگ گئی تھی
 اس وقت سرکاری کاغذات حاصل کئے تھے۔ ملاحظہ کر کے واپس آئے تھا میرے ساتھ
 بڑا سنگہ کو توال۔ ڈپٹی انسپکٹر ڈیٹر حسین من فتح دین اور ناگہان صاحب انسپکٹر
 رام تین وگیلیا بخش تھے۔ میں کو توال اور ڈپٹی انسپکٹر گھوڑوں پر سوار تھے اور دونوں
 صاحب ڈپٹی انسپکٹر ہمارے آگے پیچھے پیادہ پاس تھے۔ کنبٹل گیلیا بخش کے ہاتھ میں
 بڑی لال ٹین تھی۔ اور وہ آگے آگے راستہ دکھلاتا جا رہا تھا جب ہم مدر النساء کے
 مکان کے آگے ہو گئے۔ اور روشنی اس کے تہڑے پر پڑی تو مجھے وہاں ایک شخص

آوند مگر اسوا دکھائی دیا۔ میں نے گھوڑے کو روکا اور اپنے ہاتھان کو مالٹا رہے تو
 کا حکم دیا۔ اور کہا کہ دیکھو یہ کون شخص گرا پڑا ہے؟ گیلانی بخش اور رام دشن کنبھان نے
 اسکو دیکھا۔ شانہ پکڑ کر ہلایا۔ اور دو چار آوازیں دیں کہ تو کون ہے؟ گھوڑے کو جواب نہ ملا
 تب تو انہوں نے مجھے کہا کہ غریب پروردہ ہوتا چلا نہیں۔ یہ تو مردہ معلوم ہوتا ہے
 میں گھوڑے سے اترا۔ انسپکٹر پولیس اور ڈپٹی انسپکٹر ہی اتر پڑے اور ہمیشہ
 اس شخص کو جا کر دیکھا۔ وہ برج پر مردہ تھا۔ اسکے منہ اور کپڑوں پر شراب کی بو
 آ رہی تھی۔ بد النساء کی ڈیوڑھی کا ایک کپڑا کھلا تھا اور ایک بندہ بد النساء کو آواز
 دیکھی۔ مگر مکان پرست کوئی نہ بولا۔ میں نے ایک سارجنٹ انسپکٹر کو اور بیچھا اور وہ
 دیر کے بعد ایک بوڑھی عورت اور بوڑھے مرد کو نہچے لے گئے وہ بد النساء کے سر پرست
 تھے۔ میں نے اس متونی کی بابت دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے کچھ خبر نہیں
 ہون ہے۔ اور کس طرح گرایا ہوا ہے؟ بد النساء مکان پر موجود تھی سوہ ایک شہیکہ دار
 گنگا رام کے ہاں بچے گانے گئی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے بنگلہ کو واپس جانے کا غزم ملتی
 کر دیا۔ اور ہم سب لوگ بد النساء کے مکان کے تھڑے پر دو چار سی چار پائیاں
 لٹکا کر اور پچھلے دروازے کی تحقیقات کے لئے بیٹھ گئے۔ میں نے ڈپٹی انسپکٹر کو مدد ایک
 سارجنٹ اور ایک سپاہی کے بد النساء کے بلانے کیواسطے بھیجا۔ اور میں اور کووال
 تحقیقات میں مصروف ہو گئے۔ ہم نے بٹی کے محلہ کے میونسپل کمنٹر کو بھی بلا تحقیقات
 میں شامل کر لیا۔ اور بد النساء کے لئے ہم نے کئی ایک آدمیوں کے بیانات لئے
 جن سے معلوم ہوا کہ متونی دو روز سے بد النساء کے مکان پر برابر شراب پینے اور باج
 لگ دیکھنے میں مصروف رہا تھا۔ اور کئی سو روپیہ خرچ کر چکا تھا۔ مگر کوئی نہ لگا
 ہم کیا تھا۔ اور وہ کون تھا میں نے ڈاکٹر کی رائے کا لینا مناسب سمجھا کہ کووال کو مسل
 سرجن صاحب کے پاس بھیجا کہ وہ جا کر ڈاکٹر صاحب کو اسے کووال کے جانے کے بعد

کئی اور لوگوں سے واردات کی بابت دریافت کرتا رہا۔ اس فریق تحقیقات میں دوتین
 آدمیوں کے بیانات سے مجھے کو معلوم ہو کہ متوفی بدل مرلہ النساء کے مکان پر نہ تھا۔ بلکہ
 وہ تین چار دن سے ایک اور طوائف صاحب جان کے مکان پر اتر اہوا تھا۔ اور
 اس جگہ بادشاہوں کی طرح عیش و عشرت کرنے میں مصروف تھا۔ مگر اس کے بدلہ النساء
 دروازے میں آکر مرنے کی بابت کوئی بھی جھکاؤ پر اپورا حال نہ بتلا سکا۔
 تھوڑی دیر کے بعد بدلہ النساء بھی آگئی۔ اور ایک ڈاکٹر بھی پہنچ گیا۔ مہول سرجن
 خونیہ آسکا۔ کیونکہ وہ بیمار تھا۔ بدلہ النساء اس وقت شراب کے نشہ میں تھی۔ اور
 میں نے یہ سمجھا کہ حالت نشہ میں وہ سب کچھ بلا کم و کاست بتلا دیگی۔ اسکو بہت
 کچھ دم دلاسا دیا۔ جس پر اس نے کہا کہ میں سراسر سرخسہ ہوں۔ شخص میرا شاد
 ضرور ہے۔ اس سے جھکاؤ لگا نہیں سکو و مگر تین دن سے صاحب جان کے مکان
 عیش و رنگ نہ رہا تھا۔ کیونکہ میری اسکے ساتھ ناجاتی ہو گئی تھی اور مجھ کو شاید خوار
 کی غرض سے اس نے کسی ایک سخت و سخت پیغام بھی میرے پاس بھیجے۔ مگر اسکی موت
 کی بابت مجھ کو کچھ حال معلوم نہیں یہ سب صاحب جان کی شہرت پر شاید اس
 اس کو کچھ دیکر اور مار کر میری غیر حاضری میں اس کو میرے مکان پر پہنچا دیا ہے۔ بدلہ النساء
 بیان کیا کہ متوفی اپنا نام اتارا مر بتلا تا تھا۔ اور وہ شاید کسی رسالدار کا لڑکا تھا کیونکہ
 کہا کرتا تھا۔ کہ میرا آپ رسالہ ہے۔ ڈاکٹر نے لاش کا ملاحظہ کر کے کہا کہ متوفی شراب
 زیادہ پی گیا معلوم ہوتا ہے۔ اور کچھ عجیب نہیں کہ شراب کے علاوہ اسکے معدہ میں
 کسی قسم کا ذہر بھی ہو۔ مگر جینک چیر چار کر نہ دیکھا جائے نہ ہر کی بابت کچھ نہیں کہا جا
 سکتا میں صاحب جان اماس کے نوکروں جا کر دیکھی وہاں طلب کر لیا صاحب جان
 بیان کیا کہ مجھ کو متوفی کا بالکل کچھ حال معلوم نہیں۔ کہ کون تھا۔ اور کس طرح مر گیا
 البتہ اتنا معلوم ہے کہ وہ دوتین روز بعد النساء کے مکان پر عیش و عشرت میں مشغول

تھا۔ اب میرے لئے حل طلب سوال یہ رہ گیا تھا کہ ان دونوں طوائفوں میں سے کون سچی تھی چنانچہ اس امر کی بابت میں نے بڑی کوشش سے تحقیقات کی اور حقیقت یہ ثابت ہوئی کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ متونی ان دونوں کا دوست تھا۔ مگر ۲۰ اپریل کا سامان وہ بدر النساء کے مکان پر رہا۔

جب دن نکلا۔ تو میرے روبرو دو اور شہادتیں پیش ایک الہی بخش اور دوسری الکریم کی پیش ہوئیں۔ ان دونوں نے صاف بیان کیا کہ ۲۰ اپریل کی شام کو انہوں نے متونی کو بدر النساء کے مکان پر شراب پیتے ہوئے دیکھا تھا متونی شیخی مارتا تھا کہ شراب مجھ کو کبھی نشہ نہیں ہوا کرتا۔ اس پر بدر النساء نے اسکو شیشی میں سے تھوڑی سی دوائی شراب میں ملا کر پلائی جسکے پینے کے ایک اوجھ گھنٹہ بعد وہ بیہوش ہو گیا بدر النساء نے ہنس کر کہا کہ اب یہ سو جا لیگا۔ یہ لکھنا اس نے اسکو چوہا رہ میں لیجا کر بلیکٹ سولا دیا غرض صبح کے سات بجے کے قریب پیش ان دونوں طوائفوں کے مکانات کی تلاش لی۔ صاحب جان کے مکان سے ایک چاندی کی گھڑی دستیاب ہوئی جسپر الکریمی حروف میں لکھا تھا۔ آتمارام خلع سردار بہا ور مرج لعل نگال کیولری۔ یہ گھڑی متونی کی تھی مگر صاحب جان سے پہر ہی یہی کہا کہ وہ متونی کو نہیں جانتی تھی۔

بدر النساء کے مکان کی تلاشی لینے پر ایک شیشی برآمد ہوئی جس میں شکرچرائی اور نیم تھا شیشی میں بین اسی نمونہ کی تھی جسکا پتہ الہی بخش اور عبد الکریم تھاتا تھا۔ اتنی تحقیقات کے بعد میں لاش کو ہسپتال میں بھجوا دیا۔ اور بدر النساء اور صاحب جان اور ان کے میرا میوں و نوکر وں وغیرہ کو جن پر یہاں تک تاہم ہوا میں نے زیر حراست کر دیا۔

انٹھ بجے کے بعد میں مقدمہ کو کو توال کے سپرد کر کے اپنے نیکم کو چلا گیا۔ اسکے بعد

تحقیقات ہوئی ہے۔ وہ بہت کچھ میری غیر حاضری میں ہوتی رہی اور بہت کچھ میرے
 روبرو۔ اس لئے اب جو کچھ میں بیان کر دنگا وہ ساری کی یعنی شہادت نہیں سمجھنی چاہیے
 بلکہ وہ اس کا رفاہی کا جو کا عذات اور حسرتوں میں درج ہو چکی ہے لب لباب ہوگا
 پورا ایک ہفتہ ہم کو اس واردات میں لگا ہے اور اس عرصہ میں جو شہادت ہم پہنچ
 سکی ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ متوفی جتنا نام آتا نام تھا۔ نمبر ۱۰ بنگال کیواری
 کے رسالہ در برج لعل کا لڑکا تھا۔ وہ ڈیرہ اسماعیل خان سے کسی کام کیلئے لاہور
 میں عرصہ ایک ماہ سے وارڈ تھا۔ اسکی آشنائی ان دونوں طریقوں پہنے صاحبان
 اور بدلتا النساء سے تھی ۲۰۰۵ اپریل کو یسے جس روز سارا دون بدلتا النساء کے
 مکان پر رہا۔ بدلتا النساء نے بہت سافندہ رویہ اور کبھی ایک نوٹ جھکا بھی پورا پورے
 ایک رکا اس کجیب میں سے نکال کر اپنے صند و قچہ میں بند کیا اور اسے بیہوشی کی دوا پلا
 کر شیم کو ایک چوبارہ میں سلا دیا اور یہ سوچ کر کہ مکان پر پہنچنے سے شاید راز زیادہ شہور
 ہو جائے وہ خود ایک دوست کے ہاں اپنے کاتیکو چلی گئی۔ متوفی بدلتا النساء کے چلے
 جانے کے بعد کسی نہ کسی طرح جو شہ سرور میں یا بیہوشی کی دوائی کی گھبراہٹ سے یک
 ایک بیکار ہو کر مکان کے نیچے اتر کر ہا میں کہیں جانے کو نکلا۔ مگر چل نہیں سکا۔ اور
 دھینچ کر گر پڑا۔ نیکوچہ اور سیم کی مقدار اس کے بدن میں زہر کا اثر کر گئی اور وہ مر گیا۔ نتیجہ
 نہ صرف پولیس کی تحقیقات سے نکلتا ہے بلکہ ڈاکٹر کے سائنٹیفک سوبھی رسا ہی ظاہر ہوتا ہے
 اور بدلتا النساء کے اپنے اقبال جرم سے جو اس نے ۲۰۰۴ اپریل کو مجسٹریٹ کے روبرو دیا
 ہے۔ قریب قریب یہی ثابت ہوتا ہے۔ صاحبان پاشتبہا ہے کہ شاید اسکی یہی
 کی ہی اس واردات کے وقوع میں سازش ہو۔ کیونکہ متوفی کی جیب گھڑی اسکے مکان سے
 نکلی ہے۔ مگر اسکے برخلاف اس شک کے قایم کرنے کے لٹو کافی شہادت نہیں مل سکتی ہے
 پاس تین چاکنامہ چھپات ہی اس مضمون کی پہنچ میں کہ اس واردات کی بانی عباتی صاحبان

ہے مگر میں نے ان گناہ چھیات کہ بیانات میں سے ایک ہی باوجود بہت سی تحقیقات کے درست نہیں پایا۔ میں نے ہر چند خفیہ تحقیقات کی۔ مگر صاحب جان کے برخلاف مجھ کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔

اب میں نے تنوفی کی حسب و نسب وغیرہ کی بابت کچھ بیان کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے اسکی جیب گھڑی پر سے اس کے باپ کا نام پڑھ کر آرمی لسٹ فہرست عہد فلاح فوجی (کو دیکھا جس معلوم ہوا کہ رسالہ دار بوج لعل نمبر ۱۰ بنگال کیولری کا رسالہ دار ہے اور وہ رسالہ ڈیرہ اسماعیل خان میں مقیم ہے میں نے رسالہ کے کمان افسر کے نام ایک پتہ بھیجا جس میں دریافت کیا کہ آیا اس رسالہ میں کوئی بروج لعل رسالہ دار ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو اس کا کوئی رٹکا آتما دار ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کہاں ہے؟

سیری اس تار کے جواب میں ۲۲ اپریل کو کمان افسر کی طرف ایک تار آیا جس میں درج تھا کہ ہاں نمبر ۱۰ بنگال کیولری میں بروج لعل رسالہ دار ہے اور اس کا رٹکا آتما دار بھی ہے۔ جولاہور میں کسی خانگی کام پر گیا ہے۔ اس کے بعد میں نے ایک امداد خیر صاحب کمان افسر کے نام ڈیرہ اسماعیل خان میں بھیجیں کہ لعل رسالہ دار کو اطلاع دیجئے کہ اس کا رٹکا آتما دار ہم یہاں ایک ملا علی بدلتا لسنے کے مکان پر سے ملا ہوا پایا گیا ہے پولیس تحقیقات میں مصروف ہے کہ وہ کس طرح رسالہ دار نام کی لٹر ہسپتال میں زیرِ مباحثہ اور حرم کا کوئی حادثہ آسکتا ہے تو بہت بہتر ہوگا۔ اس تار کا جواب ۲۴ مارچ اپریل کو آیا۔ جس میں درج تھا کہ رسالہ دار بروج لعل اپنے بیٹے کی موت کی خبر سن کر یکے ایک ایسا بیمار ہو گیا ہے کہ اسکی زندگی کی امید بہت تھوڑی ہے۔ اسکی ایک بیوی اور ایک لڑکی ہیں مگر انہیں سے کوئی نہیں آسکتا ۲۵ اپریل کی کو کمان افسر کی کیلٹورٹ ایک اور تار آیا جس میں لکھا تھا کہ چار بروج لعل اپنے بیٹے کی موت کے غم سے ۲۵ اپریل کی دوپہر کو مر گیا۔ پولیس کو پہلے کہ آتما دار کی موت کا سبب اور دیگر سبب حال کو ششش سے دریافت

رے۔ آٹھ رام کے پاس چھ ہزار روپیہ کا میٹور اور دو سو روپیہ نقد تھے۔ اس کی اور
 بہن کی التجا ہے کہ اس مال کا تہہ بٹلایا جاوے کہ آیا لایا نہیں۔ اس کے جواب میں
 جوتا رویا اسکا مضمون یہ تھا کہ آٹھ رام کے پاس سے کوئی ایور نہیں نکلا پولیس اس وارڈ
 کی بری کوشش سے تحقیقات کر رہی ہے۔

میں یقین کرتا ہوں میری بقدر شہادت کافی ہے۔ باقی حالات اور کاغذات جبکہ
 میں اپنے بیان میں حوالہ دیتا ہوں مشکل اور میری رپٹوں اور چالان کیساتھ شامل ہیں
 جنکے ملاحظہ سے عدالت کو سب حال روشن ہو سکتا ہے اور معلوم ہو سکتا ہے کہ میں
 بدرالسا کو واجی طور پر دفعہ ۲۹۹ مجموعہ تعزیرات ہند کی مجرم گردان کر چالان کیا ہے
 اس کے میرا اسی اور سارنہ بھی اسکے ساتھ اس جرم میں شامل ہیں۔ اور وہ اسی دفعہ
 ۲۹۹ کی دفعہ ۱۰۹ یعنی اعانت مجرمانہ کے مجرم ہیں صاحب جان متونی کی گھڑی کی
 بابت کچھ نہیں بتا سکتی کہ اسکو کہاں سے ملی۔ بلکہ وہ متونی کی آشنا یا دوست ہونے
 سے بھی باطل انکار کرتی ہے۔ میرے خیال میں تاوقتیکہ یہ بتا دے کہ متونی کی گھڑی اسکے
 قبضہ میں کس طرح آئی۔ زیر دفعہ ۳۷۸ تعزیرات ہند مجرم ہے۔ اور اسکے نوکر جا کر بھی اسی
 جرم کی اعانت اور قمار کے مجرم ہیں۔

ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ صاحب بہادر پولیس اپنا بیان دیکر بیٹھ گئے۔ گوان کو کون بیٹھنے
 دیتا تھا۔ طرفین کے دکار کے خراج کا وقت آ پہنچا۔ اور سٹران سپٹاٹرکٹین اور میگنس
 نے باری باری اٹھ کر کپتان صاحب پر وہ جرح کی کہ ان کے حواس باختہ ہو گئے اور صبح
 کے دس بجے سے لیکر شام کے چھ بجے تک مشکل سے کپتان صاحب کا اظہار ختم ہوا۔
 تماشاخی لگ لگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ شہ میں طرح طرح کی خبریں اڑ گئیں کہ
 کہتا تھا۔ پولیس والوں کو صاحب جان کی طرف سے بے انداز رشوت
 مل گئی ہے۔ کوئی کہتا تھا صاحب جان کی غلطی رئیس نے سفارش کی ہے۔ کوئی

کہتا تھا۔ ڈپٹی کمشنر کی پدر النساء کے ساتھ دشمنی ہے۔ کوئی کتہا تھا۔ الی
 آپ کو معلوم نہیں۔ پدر النساء کے وکیل کو صاحب جان نے بہت سی رش و فراغ
 دیدی ہے۔ کوئی کتہا تھا۔ جو کچھ ہوتا ہے۔ جب صاحب ڈاکٹر کی گواہی ہوگی کیا نب
 کہتا تھا۔ اہی اگر اس مرنے والے کا کوئی رشتہ دار یا دالی وارث ہوتا تو پھر دیکھتے تھے
 صاحب جان پر کس طرح قتل کا الزام نہ لگتا۔ کوئی کتہا تھا اہی بھی کیا ہوا ہے کہ صا
 پدر النساء صافیری ہو جا رہی اور مصیبت صاحب جان پر ہی نہ آئی تو ادا
 عرض کی گئی گھر گھر میں اس مقدمہ کا تذکرہ تھا۔ اور سارا شہر منتظر تھا کہ کب
 کیا فیصلہ ہوتا ہے۔

پیائے ناظرین !

جب تک صبح ہوا اور ہم آپ کو پھر عدالت کے کمرہ میں لے چلیں۔ آئے آپ ذیل کیرا
 چند سطور پڑھ کر قدمہ کی صلی حالات سے ناواقف ہو جائے۔
 لوٹاری دروازہ کے متصل ایک بڑے غالی نشان مکان کی تیسری چھت پر ایک
 چوبار میں چند آدمی بیٹھے ہوئے کسی امر پر مشورہ کر رہے تھے۔ رات کے دس
 بجے تھے۔ اور اس بازار کی جس میں یہ مکان واقع تھا۔ سوائے حلوائیوں ایک دو دروازنا
 کے اور سب بند ہو رہی تھیں چوبار میں بیٹھے ہوئے اشخاص میں سے جو بولتا تھا صاحب
 ہمت ہی آہستہ آواز سے بولتا تھا۔ بلکہ اگر کسی کی اونچی آواز مکل بھی جاتی تو اس کا
 خیردار کیا جاتا ہے۔ گنتی میں یہ چھ شخص تھے۔ دو عورتیں اور چار مرد۔ کمرہ میں
 ہری کافر ش تھا جس پر تکیہ رکھا تھا۔ تکیہ کے بل ایک موٹا سیاہ نام شخص
 تھا اور اس کے دائیں بائیں جانب دونوں عورتیں تھیں۔ باقی کے تین مرد
 بیٹھے تھے۔ مکان کی رفت اور گھبروں کو کروں چاکروں کو دیکھ کر تو معلوم
 تھا کہ کسی نواب کا مکان ہے مگر اس چوبارہ کی زیب و زینت کچھ شان و شوکت

ساتھ تھا۔ الی تھی۔ وہاں تو فرش پر ایک پورانی سی مدنی چھٹی تھی۔ اور روشنی کے لئے مٹی کا
 سی رہنمائی ایک چراغدان پر رکھا تھا۔ تاکہ اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کی دہلیز
 پہنچے گی۔ الی عورت دوسری عورت سے مخاطب ہو کر بولی۔ کیوں صاحب جان بہن
 مرد دیکھتے ہیں تینوں کوئی خطرہ نہیں ناں رہیا ہیگا؟
 رہے کہ صاحب جان تو پھر مزہ آواز سے "نہیں جی خطہ کا رہا ہیگا۔ بہن خبر نہیں
 نہ لگی تو اگر کسی گواہی دینا ہیگا؟
 کہیں موٹا شخص "ڈاکٹر نے کی کہنا ہیگا۔ اوہ صاف کہہ گیا کہ بدرشاں نے اُس
 شخص نوں نہ ہر داسی؟
 صاحب جان "پر ڈاکٹر انوں کی معلوم جی کہ نہ کہیں تا ہیگا۔ خبر ہے اوہ
 پ ذیل کیر انام لے دیوے؟
 موٹا شخص۔ ایک دوسرے شخص سے مخاطب ہو کر لے بھائی فتح دینوں
 نہیں بئی ڈاکٹر نے کی اقرار کیا ہیگا؟
 فتح دین "جناب ڈاکٹر نے ایک طرف رہیا۔ ساڈے انسراں نے اپنی ضمنیاں
 دوسرے ناچے وچہ جد صاف صاف کہہ تاکہ اکھارام نوں بدالسا، زہر دالے اور
 صاحب جان بالکل بے تصور ہو گیا۔ تے فی باقی کی فرق رہیا؟
 موٹا شخص۔ دائیں جانب بیٹھی ہوئی عورت سے آپہنل وچہ سچ پچھیں تے
 جتنی ہمت ہیگی آپہن فتح دین دی ہیگی؟
 عورت۔ (مسکرا کر) آخو جی پراس کو لون پچھو ناں جے میں اسینوں کی دعا
 ہر وقت دیندی رہندی ناں؟
 موٹا شخص (مسکرا کر) ادہ کی دعا ہیگی۔ فتح دینا سانوں بی لودہ دعا دس چھٹ؟
 فتح دین رہنمائی پہنچا کر جناب سینوں جدوں کو نہ ہیگا۔ کہندے نے کہ

فتح دینا تو دن بدن لہاتے پھلا ہوتا جا رہا تھا۔ اسکا اس میں خدا کرے میرے خا
ہو لندا فالو اس تھوں چڑھیا دے۔
اس فقرہ پر خوب ہی ہنسنے لگا۔

موٹا شخص جسکیم اب خاں صاحب کے لفظ سے بیان کر رہی تھی۔ بولا
چاپ پار۔ ذرا آہستہ آہستہ۔ جب قہقہہ مذاق تھا۔ تو خاں صاحب بولے۔ لو
تیس سائے ذرا انصاف کرنا۔ کہ میں موٹا شخص ہی کیا اہمہ۔
فتح دین نے کہا۔ حضور بے ادبی معاف۔ لوگ تو مافوق ہوتا کھندے ہیگے
پر بیوی ہو راندے سامنے تے تیں اچے کل سے جا تک جا پدے او۔

اس پر پھر ایک قہقہہ لگا۔ مگر صاحب جان نے شور و غل کو جلدی بند کر کے
ہن تان اس پر خدائے واسطے نکل جا دیو تے میرا کچھ فکر کرو۔
خاں صاحب۔ تیرا فکر کا ہا بس کل جس ویلے ڈاکٹر دی گواہی ہو گئی۔ تو
اپنے گھر چلی آدیں گی۔

صاحب جان۔ پر کپتان صاحب نے بے لکھو ادا کہ آئنا رام کی گھر ٹی
صاحب جان نے گھر میں نکلی ہیگی۔

خاں صاحب۔ تے فیر کی ہویا۔ کپتان صاحب اتنا بھی جیکر نہ کھندے تو کوں شک کیونکہ
کرن لگ پیندے کہ شاید کپتان صاحب بھی صاحب جان دی رعایت کرو ہیگا کر چکا
فتح دین۔ اوہ سب کچھ جناب گینا گریا ہیگا۔

خاں صاحب۔ ہنسنے لگا۔ لیکن بدر نشان میں کھانا مشکل ہو گیا ہیگا۔

صاحب جان۔ خبرے کی ہو گیا۔ ادا وکیل بھی اگے راہیگن صاحب ہیگا۔
بیوی (موٹی)۔ اتنے ساوا وکیل بھی تے گے کو لوں گھٹ نہیں۔

فتح دین۔ تے تے تے تے سانوں وکیل دی ضرورت امی کی سکی سی۔

خالص صاحبؔ اور بھائی جیکو کیل نہ کر دے تے سارے لوگ کہندے کہ انہیاں نے
حاکمانِ مال ہیزاں ملائی ہوئی ہونگی۔

فتح دینؔ خیر چھی گل ہو گئی ہن تہیں سو۔ ہو ر کی کرنا کرانا میگا۔ ویر ہونڈی جی بڈی
اے۔

خالص صاحبؔ کرنا کرانا ہن کی ہیکا حاکم سارے حمایت لوسی نظر
رکھ دے ہیگے نے۔

فتح دینؔ خرچ بی تے جناب تو ناٹا بہت کچھ ہو گیا ہریگا۔

خالص صاحبؔ اوہ بار دیا جتی اُتوں۔ دیشھے کی پراہ ہیگی۔

صاحب جانؔ سو کچھ اوہ اس ہو کر اور ایک اہ بھر کر تے خالص صاحب جی امہاں
زیور اں توں بھی تے کہہ رہے بلے لاچھڑ ناں۔

خالص صاحبؔ توں دوس گل دا کوئی فکر نہ کر۔

فتح دینؔ دخالص صاحب سے مخاطب ہو کر کہیں جناب ہن سانوں حکم کر دتے
خصت ہو دے۔ اتے ہو ر کوئی فرمان ہو دے تے اوہ بھی فرما دیو۔

خالص صاحبؔ بس ہو ر کی ہونا میگا۔ پولیس والیاں دی طرفوں کوئی اندیشہ نہیں
لوں کہ کیونکہ جس جگہ توں موجود رہے گا اس جگہ فکر کا ہدا باقی رہیاد اکرار۔ سو اوہ بھی ہر
کرینگے گواہ جہیرے ہیگے نے اوہ چوں تک نہیں کرن لگے۔ ہو ر س توں فکر
کوئی نہیں۔

بیوی دخالص صاحب یعنی اپنے شوہر کی گردن بکڑ کر اپنی طرف کر کے۔ سناں۔
توں تے کندا سیکا کہ میں شام نوں گیاراں (دخبراں) دالیاں دی طرف جاواں گا
اُدھر کیوں نہیں گیا اچے اوہناں کچھ لکھدے تے مفت وچ توں بھی تے میں بھی
جنم پونج جاواں گے۔

خانصاحب (مسکرا کر) اُوہ سب کچھ میں پکا کر چھپا بیٹھا۔

غرض ایسی ایسی باتوں میں رات کے بارہ بج گئے۔ بتذکرہ بالا گفتگو کے علاوہ اور کئی ایک صلح و مشورہ ہوتے رہے اور آخر کار فتح دین اٹھ کھڑا ہوا اور خانصاحب اجازت مانگنے لگا کہ غریب پرور میں سانوں رخصت دیوگا رخصت ملگئی اور فتح دین بی صاحب جان اور ہر ایک آدمی کو ساتھ لیکر وٹاں سوچا گیا۔ خانصاحب بیوی صاحبہ کو لیکر بستر استراحت پر جا بیٹھا۔

اب ہم مختصر طور پر تذکرہ بالا گفتگو کے ساتھ ہی مقدس کی صلی حالت بھی بیان کر دیتے ہیں۔ وہو ہدا۔

جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں ان ایام میں دیرہ اسماعیل خاں میں دسویں بنگال کیولری میں ایک سرج لعل نامی رسالہ ارتھ پنجاب کے ایک عالمی خاندان سے تعلق رکھنے کے سبب سالہا سالہ صاحب کی بجائے گ دیوانہ صاحب کے لقب سے پکارتے تھے۔ دیوانہ سرج لعل صاحب ایک نہایت ہی خوبصورت مٹھ وضع کے بزرگ انسان تھے عمر میں تو پچاس برس سے کچھ ادھر ہی تھے مگر جسم کی مصبوطی اور اعضا کی درستی چوتنی سے معلوم ہوتا تھا کہ چالیسویں میں بھی قدم نہیں رکھتا۔ انکی چور بھی انکی طرح خاص مصبوط جسم تھی۔ اولاد ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ بزرگ صاحب بھی کسی سے کم نہ تھا۔ لڑکے کا نام اتھارام اور لڑکی کا نام بھگا گنتی تھا۔ اتھارام کی عمر ۲۲ سال اور بھگا گنتی کی سولہ سترہ کے لگ بھگ تھی۔ دونوں ابھی تک کنوٹ تھے اور کچھ انکی شادی نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے لڑکے کو کچھ نوٹ اور کچھ سونے کی میٹیاں اور کچھ سونے کی جاندی کے پرائے فیشن کے زیورات وغیرہ دیکر لاہور میں روانہ کیا کہ وٹاں جا کر بھگا گنتی کی شادی کر لے اور خوبصورت زیور بنوائے۔ اتھارام پٹان کے رستہ لاہور کو آیا تھا جب پٹان سے پورے پورے کیل تک پہنچا تو اس کی بیوی نے اس سے کہنے لگی

اسکی ایک لہو الف سے آنکھ لڑ گئی۔ یہ بی صاحب جان تھی اور وہ بھی اسی میں رہتا
 سے جہاں وہ کسی آشنائے کے پاس گئی ہوئی تھی لہو کو وہ اس نے کو تھی۔ اسٹیشن کی
 ملاقات تو آتما رام کے لئے تانگ جہانگ الی بات تھی مگر جلتی پر تیل اس طرح پر گیا کہ بی
 صاحب جان اور دیوان آتما رام یکدم کلاس کے کمرہ میں اکٹھے بیٹھ کر لاپو تک
 آئے۔ اور صاحب جان کی آن بلان اور ناز و سخریوں نے آتما رام پر ایسا منتشر کیا کہ ملتان
 سے لاپو پہنچے تک سچ آتما رام کی جان کی وہ صاحب جان گئی۔

سچ کہتے ہیں کہ شباب سے بڑھ کر امتحان کا کوئی نازک وقت نہیں رہتا۔ یہ وہ وقت ہو کہ
 لہو و لب کی طرف دل چھٹ پٹ نال ہو جاتا ہے اور اچھے بھلے آدمی کی عقل پر وہ پڑ
 جاتا ہے یہ وہ موقع ہے کہ انسان جو رش و حش میں آکر اپنی خواہش کے پورا کرنے کے لئے شہ کا مقابلہ
 کرنے نیچے نہیں ٹکتا۔ برخلاف اسکے یہ شباب ہی کی منزل ہے کہ یہاں پہنچ کر انسان نیکی کی طرف
 راغب ہو جائے تو بد کا بد ہی اسے خراب نہیں کر سکتا عرض زندگی کے سفر میں عالم شباب ایک
 چورسندرو کی جہاں پہنچ کر انسان ڈالوانی ڈول ہو جاتا ہے کہ گھر جائے بس جبر ایک دفعہ
 رخ ہو گیا اور ہر لوشا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہمارا کہہ رہا وہ انسان جو شباب میں
 پرائی کی طرف جانے سے رک سکتا ہے اور چھاتی کے بل نیکی کو پکڑنے کے لئے لڑتا رہتا
 ہے اور کمخت بلکہ بد نصیب ہے وہ انسان جو شباب میں مل کی سنگین تالی میں نہیں
 رکھ سکتا۔ ایسا ہی بد نصیب بچہ آتما رام تھا جو ایک سیادہ کے جال میں پھنس گیا لاپو
 تک آئے کہ حضرت عشق نے ان دونوں کے قلوب کو محبت کی رسی سے ایسا جکڑ دیا کہ چھٹا
 محال ہو گیا۔ بی صاحب جان لاپو پہنچ کر آتما رام کو اپنے مکان پر لے آئی اور وہاں ہفتہ
 بھر ٹھہرا تا اور عیش و نشاط میں ایسا غلطان ہو گیا کہ لفظ صبر تو درکنار اسنا آپ
 بھی بھول گیا۔

اس کے ایک جیب میں ہی بڑی ہیں۔ اور اوپر فرشتہ تقدیر سنا ایک ایسا صق ملا دیا کہ جبکہ جواب یا خیال تک بھی نہ تھا۔

نوجوان آتما راہم کو لاپتہ کی صاحب جان ایک ہفتہ کے عرصہ میں ہی سر سے پیرک لکھا گئی اور آخر کار وہ موقع آ گیا کہ دیوان پرچ لعل رسالہ کے صاحبز کوئی صاحب جان کے ہاں سے دہتا بتلایا جانے لگا۔ آتما راہم جو کچھ نقد جنس اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس کی صاحب جان نے قفل بند کر لیا تھا۔ اور آتما راہم صاحب اس سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ کیونکہ جب کبھی یہ اپنا مال مانگتے ہیں صاحبہ مسکرا کر انہیں باتوں ہی باتوں میں ٹال دیتی تھیں۔ عیش کا دیوانہ اس کے ناز و شغریں پری خوش ہو جاتا۔

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ آتما راہم رات کے دس بجے کے قریب بازار کی سیر کر کے واپس جو آیا تو اسے بی صاحبہ کے لوگوں نے سونے والے کمرہ کے اندر جانے سے روک دیا تب تو یہ چیخا کر بولا کہ ”کیا ہوا؟ صاحبہ! کہاں ہے؟“ تو کرنے جواب دیا۔ ہونا کی ہنگام ہووے ساڑھے دس گھنٹوں“ آتما راہم تھوڑی چڑا کر بولا ”اے اُلو کے بچے تمک حرام میں اپنی شہمن ہو گیا“

تو کر دایک دوسرے ساتھی نے ”لے بھائی نبی بخش۔ ذرا خیال رکھیں انہاں“

آتما راہم (جوش اور طیش میں آکر) ”اے سور کے بچے تو کوں ہے جو مجھے اندر سے روکتا ہے؟“

نبی بخش نے کہا ”زنا ب ساڈا نقد نہیں۔ اسیں تاں حکم ہے بندے آں“
 آتما راہم ”حکم کس کا ہے کیا صاحب جان نے کہا کہ نہ آنے دو“
 پہلا تو کر دس کا نام اتر رکھا تھا ”تے ہو سادی ماں وا حکم ہو گیا“

بنی بخش۔ آپ مہربانی کرو۔ اس وقت نہیں بولن گئے۔

آتمارام نے کیوں؟

بنی بخش۔ اونہاں کو اس ویلے اک بھلا مانس بیٹھا ہویا سیگا۔

آتمارام نے جو یہی سمجھے بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ صاحب جان اسکی اور یہ اس کا ہی ہے۔
یہ خبر سنا کر آگ بگولا ہو گیا۔ ایک جیت کے تر وازے کی طرف کودا اور جاتے ہی اس
نے دروازے کو ایسی لات ماری کہ بتلار و غنی دروازہ قبضوں سے نکل کر وہ جاڑا
اور ہمارا نوجوان دوست جھٹ پٹ اندر داخل ہو گیا۔

آٹا ماما۔ کیا خوب نظارہ تھا بنی صاحبہ ننگی ننگی پٹنگ پر پیوش پڑی تھی اور
خوبصورت ہٹا کٹا جوان آدمی کپڑا سمبال پٹنگ سے نیچے اوتر دروازہ کی طرف
کو دور ماتھا۔ کمرے کے عین درمیان آتمارام اور وہ بغلیگر ہو گئے واہ کیسے
بغلیگر ہوئے۔ ایک کا دوسرے کے ماتھے میں ایک کی کر کے گرد دوسرے کا ماتھہ۔
مات تیری تو کون..... مات تیری.... وہم یہ گرا۔ کپڑ بنی بخشا۔ دوڑ۔
اللہ رکھے۔ مائے مار ڈالا۔ او دوڑ کے صاحب جان دے اتے کپڑا
پاؤ۔

غرض اسکے سر پر گھونٹہ۔ اسکی پسلی میں لات اسکی چھاتی پر چوٹھ اسکے سر پر ہو کر
آن کی آن میں صاحب جان کے کرہ میں شور مچ گیا مگر آتمارام کو اپنی عزت
کا کچھ خیال جو آیا۔ موقع پا کر مکان کے باہر چلا گیا اور جہر سنگ سماے نکل
گیا شاید بازار کی طرف دوڑ گیا۔

لڑنے والا شخص بی صاحب جان کا ایک ولی دوست تھا۔ سکا نام نور عالم
تھا۔ وہ لو ماری دروازے والے خالص صاحب کا بھتیجا تھا۔ صاحب جان کا ایک تو
اس کے ساتھ رشتہ محبت تھا۔ دوسرا ایک اور تعلق تھا۔ وہ یہ تھا کہ صاحب جان

کہ اسی نور عالم کے چچا کے گھر میں بسی تھی اور وہ اس بند و بست میں تھی کہ اس کی طرح صاحب جان بھی نور عالم کے گھر میں بیٹھ جائے جو نہ صرف نور عالم اور صاحب جان کے لئے ہی باعث خوشی تھا۔ بلکہ صاحب جان کی ماسی اور خاں صاحب بیٹے نور عالم کے چچا کے ہی حسب منشاء تھا۔ نور عالم ایک ہفتہ سے دہلی گیا ہوا تھا۔ جہاں سے یہ آج واپس آیا ہوا تھا۔ آتے ہی اُس نے صاحب جان کو شراب پلا دی اور جیتک کہ آتما رام بازار کی سیر کر کے واپس آیا یہ دونوں بیہوش ہو کر سو رہے اسی لئے صاحب جان کے نوکر نے آتما رام کو اندر جانے سے روکا تھا اور اس روک ٹوک پر جو نوک جھوک ہوئی وہ ہم بیان کر ہی چکے ہیں۔

دوسرے دن آتما رام کہیں سے ہٹکنا ہوا پھر صاحب جان کے مکان پر آیا مگر وہاں تک ابھی پہنچنے نہ پایا تھا۔ کہ اسی گلی میں ایک اور پرہیزوار معشوقہ آنکھ چار ہو گئیں جس نے اسے دیکھ کر خود بخود اس سے دریافت کیا۔ کیوں جی رات کوئی ڈنگہ ہو گیا سی؟ آتما رام حیران رہ گیا کہ یہ کون ہے؟ اور ایسے کس طرح خبر ہے کہ رات کو ڈنگہ ہو گیا تھا۔ یہ معشوقہ لی بد رالنسا رہتی چلنے مکان کے دروازہ میں مار سنکار بنا کر ایک کرسی پر بیٹھی تھی۔ آتما رام کا قدم پہنچے ہی صاحب جان کے گھر کی طرف جانے سو رک۔ نا تھا۔ اب بد رالنسا کی بات سن کر بالکل رک گیا۔ اور یہ وہاں کھڑا ہو گیا۔ بد رالنسا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ آؤ اندر چل بیٹو ماں۔ یہ کہہ کر وہ کرسی سے بصد کرشمہ دناڑا ٹھہر گئی ہوئی راوڑ آتما رام کو اندر لے گئی۔ اندر جا کر انکی دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔

آتما رام کو بد رالنسا مل ہوئی بہالی اور بے تکلف گفتگو کچھ ایسی پسند آئی اپنے دل میں سوچنے لگا کہ صاحب جان تو اسکے کچھ بھی نہیں رہے ہی تو زندگی ہی جگر کیا عہد طبیعت ہے کیا نہ دال گفتگو ہے کیا اچھا سلوک ہے۔

رات کی کنکمش سے آتما رام دکھی تو ہو ہی رہا تھا۔ بدر النساء کی غمگسار باتیں سنکر یہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ پڑا اور اس نے اسے اپنا سارا حال کہہ سنایا۔ اور بدر النساء بھی پرلے درجہ کی حسن پرست عورت تھی۔ وہ بھی آتما رام کی جوانی اور خوبصورتی کو دیکھ کر اور تسپر اسکی در دناک حکایت کو سنکر آبدیدہ سی ہو گئی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ آتما رام صاحب اب بدر النساء کے دوست بن گئے اور آٹھ دس دن وہیں رہے صاحب جان کو پتہ لگ گیا مگر اس نے کچھ پرواہ نہ کی۔

۲۰۔ اپریل ۱۹۱۷ء کی شام کو بدر النساء تو لا لنگھارام کے مکان پر لگنے کیلئے چلی گئی اور آتما رام پیچھے بیکارہ گیا۔ بیٹھے بیٹھے اسکے دل میں کچھ خیال جو آیا اٹھ کر بازار کی طرف چلا گیا۔ جہاں سے یہ خوب جی کھول کر شراب پنی کر واپس آیا۔

ناظرین
شراب کی خاصیت کسی شرابی سے پوچھیے یہ وہ چیز ہے کہ جسکی تھوڑی سی مقدار بھی جادو کا اثر رکھتی ہے۔ بری تو ہے مگر غم اور اندوہ کے دور کرنے اور بزدلی سے بزدل انسان کو آن کی آن میں شیر کا بچہ بنانے کیلئے اگر کوئی اکیر ہے تو یہی ہے بلکہ جنگ و جدل میں دشمن کے مقابلہ پر شراب ہی ہے جو دلیری شمشیر گھاتی ہے مندرکہ بالا الفاظ سے ہماری یہ ہرگز مراد نہیں کہ شراب اچھی چیز ہے کبھی نہیں ہم تو اسکی گئی ایک خاصیتوں میں سے ایک آدھ کا بیان کر رہے ہیں۔

دیوان آتما رام بازار سے بدر النساء کے مکان پر واپس نہ آیا بلکہ وہ سیدنا صاحب جان کے گھر چلا گیا۔ دروازے کے باہر کھڑے ہو کر اس نے صاحب جان کو آواز دی۔ دوسری تیسری آواز کے بعد ایک نوکر باہر آیا اور بجائے اسکے کہ خفا کیا کرتا بڑی خندہ پیشانی سے بولا آئے زخمیہ چلے تو مانوں ای یاد کر رہے ہو گئے۔
آتما رام۔ (دھڑکتے ہوئے دل میں) لیکن اندر تو کون بیٹھا ہے؟

نوکر۔ کوئی نہیں۔ اپنے آدمی ہی پیگے نے۔“

آتمارام۔ صاحب نوکر کے ساتھ اندر چلے گئے۔ کمرے میں جا کر جو دیکھا تو
 ماں ہی میان نور عالم کو بی صاحب جان اور ایک اور شخص بیٹھے شراب پی رہے
 تھے سب نے اٹھ کر یوان آتمارام کی تعظیم کی اور انہیں اپنے پاس بٹھالیا۔
 میان نور عالم نے آتمارام سے کہا کہ جناب اک میری عرض ہوگی جے نہیں
 خذ نہ ہو ورنہ کہوں۔“

آتمارام دھڑکتے ہوئے دل سے انہیں نہیں۔ آپ فرمائیے۔“
 نور عالم۔ تمہیں اس دن کا قصور بتیوں معاف کرو کیونکہ نشہ وچ ہو گیا۔“
 آتمارام۔ مسکرا کر اور میں ہی تاں صوفی نہیں ساں۔ چلو کی ہویا۔“
 نور عالم۔ تو آئیے بسم اللہ۔ ایک آدھ پیگ لیجئے۔“
 الماری سے ایک بلوری گلاس نکالا گیا۔ اور آتمارام صاحب کو نور عالم نے ایک
 پیگ دے دیا۔

نور عالم اور صاحب جان کے پاس ایک تیسرا شخص جو بیٹھا تھا اسکا نام
 فتح دین تھا۔ اور وہ پولیس کا ایک سار جنٹ اور نور عالم اور صاحب جان کا دلا
 لینے بڑا تھا۔ خدا جانے ان تینوں نے آپس میں کیا بیزان ملائی ہوئی تھی کہ جو بات
 کرتے تھے ایسی سانچے میں ڈھلی ہوئی کرتے تھے جس سے صاف پایا جاتا تھا۔ کہ
 پہلے ہی سے کوئی صلح کی ہوئی ہے۔ آتمارام نے ایک دو پیگ پیکر کہا۔ بس زیادہ
 نہیں پی سکو نگا مجھے لیٹ ہننے دو میں آگے ہی غضب کی پی کر آیا ہوں۔“
 بی صاحب جان نے آتمارام کو ایک پلنگ پر لٹا دیا۔ جہاں سونا اور صاحب جان
 اپنے عاشق کے پاس آ بیٹھی۔ دیر تک ان تینوں میں کان ہی کان میں باتیں ہوئی تھیں
 اور باوجود شراب کے نشہ کے نہ ذری آہٹ اور آواز اسے جو کہنے ہو جاتے تھے کہ کیا

کہیں غرض بڑی دیر تک صلاح و مشورہ کے بعد بی صاحب جان نے الماری میں سے ایک شیشی نکالی۔ اور اس میں سے تھوڑا سا لینے سات آٹھ ماشے کے قریب ایک قسم کا لعاب اس نے ایک گلاس میں ڈال دیا۔ یہ ٹھیکر آف اوپیم لینے انیم کاست تھا۔ اس لعاب میں صاحب جان نے ایک لیمنو بیڈ کی بوتل ڈالی اوپر گلاس ماہتہ میں لیکر آتمارام کے پلنگ پر جا بیٹھی۔ اور اُسے جگایا اور کہا:-

میری جان۔ توں تاں سو گیا اے۔ تھوڑی سی مینی سی ناں! آتمارام رگن گناتے ہو۔ سیمہ ہوشی میں انہیں نہیں چھڈ دے مینوں یا صاحب جان بھی نشے کے سرور میں تھی وہ ہی آتمارام کی طرح لوٹتی پھرتی اور رگن گناتی بولی:- اُن۔ چھڈ کیکن دیاں۔ اٹھ ناں کوئی گل کرے۔ آتمارام رہتیار ہو کر اُسے مینوں ناں دتی کہ۔ سون رہن دے۔ صاحب جان دوڑھکتے ہوئے دل کو تھام کر اٹھ۔ ایہہ لے ایہہ دوالی پپی لے تیرا سالانہ اتر جا لگا۔

آتمارام۔ اُن تو بہ۔ مائے چھڈ دے صاحب جان۔ مینوں ناں بلا۔ صاحب جان رڈے ظاہری پیاسے تو دیوان جی۔ اٹھو۔ پی لو۔ آتمارام لاچار ہو کر اٹھ بیٹھا۔ یوں تو اٹھک بیٹھ گیا۔ مگر وہ بالکل بیہوش تھا۔ انہیں بند تھیں سر جھکا ہوا تھا۔ ماتھ پاؤں بے حس حرکت تھے۔ گویا قالب میں جان تو بیشک نظر آتی تھی۔ مگر قالب اپنے قالب میں نہ تھا۔

صاحب جان اُسکے ماہتہ میں گلاس پکڑ کر بولی:- کو یہہ لے۔ پی جا۔ تے دیکھ سالانہ نشہ فشرک پل وچہ اتر گیا تے مینوں کہویں۔

آتمارام انہیں بند کئے گلاس کو منہ لگا باہی جو کچھ اس میں تھا پیکر بہ لٹ گیا۔ تہ تو بی صاحب اپنے خود عالم کے پاس آ بیٹھی اور مسکراتی ہوئی بولی:- بس منہ سالانہ

اوتر جا بیگا۔

فتح دین اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: "ہن مینوں وی رخصت دیوہا۔
نور عالم نے اس کا واسن پکڑ کر کہا: "واہ ابھی واہ اتوں ہن ایسے پلے کہ ہر جائیں گا۔
اور پھر آہستہ آواز سے بے خجک اپہ چل دتا تے فیرا سیں ایہدا کی انتظام کر لنگے بیٹھ جائے۔
فتح دین بیٹھ گیا اور بولا: "لیکن کپتان صاحب ہن ٹنگسالی دروازہ وی پوکی دا
ملاحظہ کرن آون گے تے میرا دتھے پنہنچا ضروری ہیکا۔ مگر خیر میں ہوہ بیٹھ جانا ہیکا باقی
ایہداتیں فلنہ کر۔ ایہنوں پیار ہن دیوہ۔ سویر صبح نوں گاڑی وچ بٹھلا کے ایسوں
دریا اوتے لے چلاں گے۔"

صاحب جان نے آہستہ آواز سے کہا: "مگر سنو کہاں۔ میں اک ہوہ گل کہنی
آن کہ چلو ایسوں بدرو دے گھر وی ڈھوڑی وچ چل کے ٹھا آے۔"
نور عالم دمسکرا کر واہ واہ! چلو ایہ ٹھیک ہیکا۔
فتح دین سگر پہا کوئی جاکے دیکھ آدے کہ بدرو کسے گھر وچ شاید کوئی بیٹھا ہو۔
صاحب جان دپھی دلیری سی کوئی نہ۔ اوہ سائے آج مگرے اُنے کئے ہوئے
ہیکے نے تے بڈنا بڈی ہی کوٹھے اوتے سوتے موئے پئے نے۔"

نور عالم: "چلو فیر۔ پر پہلاں گلی وچ دیکھ لیو۔ کوئی آدمی ناں نہیں ہیکا۔"
فتح الدین جاکر گلی کا ملاحظہ کر آیا اور بولا: "گلی وچ تے کوئی نہیں ہیکا۔"
اس پر فتح دین: "نور عالم اور صاحب جان کے ردوت کروں۔ نے بیچاے آتمارام
کی ٹانگوں اور شانوں کو پکڑ کر اس طرح لٹکا لیا جیسے مکتب میں لڑکوں کو ٹانگ
لیجا یا کرتے ہیں آتمارام میں ابھی تک جان باقی تھی اس نے تیرے ہاتھ پاؤں مارے
مگر کچھ بیش نہ گئی اور یہ ظالم اسے بدلا ٹانسا رکے مکان کی تھڑی پر نہر کے بل اونڈنا ہنیک
کر لٹے جافل دوڑ کر صاحب جان کے مکان پر پہلے آئے جہاں انکی سیمین ذیل گفتگو ہوئی

صاحب جان (دھڑکتے ہوئے دل سے) سٹ آئے اور
فتح دین دم چڑھا ہوا ہاں مگر ایہدے وچ بڑی خرابی نکلے گی
نور عالم - خرابی کا ہدی ہو وگی۔ مقدمہ تے پہلاں چاچے ہواں دے کول ای
جانا ہیگاناں

فتح دین - اوہ تے کوئی بات نہیں۔ مگر خیر خرابی ہو وگی
صاحب جان - کوئی ڈر نہیں۔ سانوں کی - ہن لوکاں نوں معلوم ہیگا کہ اسدی
بد انساناں نال دوستی ہیگی

فتح دین - لیکن ساڈا اکیتان صاحب بڑا سخت ہیگا
نور عالم - سخت ہیگا تے نوں کس مرض دی دوا ہیگا ایں ؟
صاحب جان - تسیں چپ کر رہو۔ بڑی حد ہوئی تے جو کچھ اسدا مال ساڈے
کول ہیگا اوہ اسیں مقدمہ اتے لگا دیاں گے
فتح دین - کتنا مال ہیگا

صاحب جان - کھلو جاؤ۔ میں تو ہاتھوں لیا کے دسئی آن -
یہ کہہ کر وہ اندر چلی گئی۔ پور صندوق میں سے آتما رام کا سارا نقد و جنس لے آئی
نقد و جنس کا امتحان کیا گیا۔ تو اندازہ لگا کہ کل مال تقریباً چھ ہزار روپیہ کی قیمت کا تھا
نور عالم نے کہا کہ بہتر ہو ویکا۔ جبکہ ایہ مال لیتے نہ رکھے۔ ایہ چاچے ہوراندے
گھر چلے کہے۔ چنانچہ یہ تجویز منظور ہو گئی۔

فتح دین نے کہا کہ اسے وچوں تسیں چار پنج سو روپیہ میرے حوالہ کر دیہو کیس
اپنے پاس رکھاں۔ شاید ضرورت دیوقت کسے نوں دینا دلانا پڑجائے۔ یہ تجویز بھی منظور
ہوئی اور نور عالم اور صاحب جان تو نور عالم چچا یا یوں کہو کہ صاحب جان کی سی
کے گھر کو روانہ ہو گئے اور فتح دین ٹکسالی وروزہ کی طرف چلا گیا۔ راستہ میں آتما رام

کو بھی دیکھتے گئے۔ اس سچاپے کو کچھ ادبیم نے بے حس و حرکت کر دیا۔ اور اب اس میں
کوئی کوئی دم باقی تھا + + + نور عالم اور صاحب جان نے جا کر خالصا صاحب (نور عالم)
کا چچا اور بیوی صاحبہ (صاحب جان کی ماسی) کے آگے سارا حال بیان کر دیا
صاحب جان نے کہا۔ ماسی جی۔ سچ پچھو ۲ مہینوں اس نے بدرالقصا دیا
خارونی سیکی ۱۱

ناظرین

یہ خالصا صاحب اور بیوی صاحبہ وہی تھی جنکا ہم تھوڑی دیر ہوئی اسی باب میں
ابھی ذکر کرے ہیں۔ کہ لو مار می دروازہ کے متصل ایک عالیشان محل میں تھوڑے
صاحب ملا و پنجاب کے ایک اعلیٰ رئیس ہونیکے لاہور کے حکام کی فہرست میں
شمار کئے جاتے تھے۔ انکی بیوی صاحبہ بی صاحب جان کی ماسی تھی۔ اور خالصا
کی بیوی کہلانے سے پیشتر وہ بھی صاحب جان کی طرح بازار کی بیوی تھی وہ خاندان
اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اسکو دوستی یاد نہ تھی کہ ہر ایک پہلو سے کما حقہ واقفیت تھی صاحب
جان کی ساری داستان سکریو لی۔ منچیکا کیتانی۔ جیہڑا اور اجیتی دی خاریوے
اسنوں ام سے ویلے تھاں مارے ۱۱

خالصا صاحب بولے۔ واہ توں آپ تے قاتل سیگی امی ایں۔ ہور ناں نوں ہی
اپنے جیہڑا کر دی جا ۱۱

الفصل بیوی صاحبہ نے خالصا صاحب کو صاحب جان کو وعدہ لے دیا اور
صاحب جان نور عالم کو وہیں چھوڑ کر اپنے مکان کو واپس چلی آئی۔ آئی دفعہ اس
آتما رام کو پہرہ دیکھا۔ اور اب معلوم ہوا کہ اسکی نہی سی جان اسکے قالب سحرمت کی نقل
چکی تھی۔ یہ حالت دیکھکر وہ کانپ اٹھی اور ایسی ڈر سی کہ دوڑ کر اپنے مکان میں پہنچ کر اندر
داخل ہو گئی۔ اسکے بعد جو واقعہ ہوا وہ ہم بیان کر رہی چکے ہیں کہ کس طرح کپتان صاحب اس موقع پر

پہنچے اور انہوں نے تحقیقات کی۔ ماں اتنا اور بیان کرنا باقی ہے کہ جب پولیس پہنچے پر شور و غل مچ گیا۔ توفیق دین سا جیٹ نے جو کپتان جیٹ کی اردل میں تھا بڑی خدمت کی۔ اس نے اس گلی والوں کو خبروں اور لوگوں کو جو سب اس سے پڑتے تھے صاحب جان کے حق میں اور بدر النساء کے برخلاف شہادت دینے کے جن وسائل سے بن پڑا ارضی تیار کر لیا۔ جو سامنے آیا اس نے بدر النساء کے بنی خلاف شہادت فتح دین نے کو تو مال صاحب کو اپنا بنا لیا۔ اور مقدمہ ایسی عمدہ طرح سے لکھا گیا کہ سچ پر سچ ہر ایک کو یہی یقین ہو گیا کہ آتما رام کی موت بدر النساء کے ہی ہاتھ سے ہوئی ہے فتح دین نے ہتھیار پریم کی شیشی بھی بدر النساء کے مکان سے برآمد کر آئے مگر آتما رام کی جیب گھڑی کا کسی کو خیال نہ رہا تھا۔ اس لئے مقدمہ صاحب جان کے مکان سے برآمد ہوئی فتح دین نے خانہ صاحب کی مدد سے اس مقدمہ کو یہاں تک سانچہ میں ڈھالا کہ اس نے بدر النساء پر بچاری کے سنہ میں سے ۲۲ اپریل کو مجسٹریٹ کے روبرو قبال بھی کر دیا کہ آتما رام کو اس نے شکر پوریم کی شیشی سے چند قطرے پلائے تھے ڈاکٹر صاحب نے بھی اس کو چیر چھڑا اور دیکھ بہال کر لے دیدی کہ ضرور مرے گا پوریم کے پلانے سے ہی موتی کی ہلاکت ہوئی۔

فتح دین کی اس طرح کر اور کیا تعریف کریں کہ وہ ہر روز رات کی وقت صاحب جان کے حالات سے شکوا کر خانہ صاحب اور بیوی صاحبہ سے ملاقات کر والے جانا تھا۔ چنانچہ ایک کاہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔

بدر النساء پر بچاری بیگناہ ماری جا رہی تھی کوئی کیا کرتا۔ مقدمہ کا ڈپٹی جیٹ ایسی اسادی سے رکھا گیا تھا کہ جو کچھ صاحب جان کی کرتوت تھی وہ سب عین بعین بدر النساء کے سر پر تھا پی گئی۔

اب جو کہ ہم مقدمہ کی اصلی کیفیت بیان کر چکے ہیں اس لئے ہم اپنے ناظرین کو پھر کہہ دیتے

میں لے چلتے ہیں۔ جہاں ڈاکٹر صاحب کی شہادت کا وقت آگیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب
 نے جو کچھ بیان کیا۔ اس کا لب لباب یہ تھا کہ 'ناش کو چڑھ چاڑھ کر دیکھا گیا ہے اور
 معلوم ہوتا ہے کہ متوفی ڈاکٹر صاحب کے اثر سے مراد ہے یا
 وکیلوں کی آپس میں بڑی بڑی بحثیں ہوئیں۔ بڑے بڑے قانونی مسائل حل ہوئے
 کئی ایک شہادتوں کو دوبارہ سہ بارہ لیا گیا۔ یہاں تک کہ پورے ایک مہینے تک اس مقدمہ
 کی تحقیقات عدالت میں جاری رہی اور ہمیں اس وقت بڑی خوشی سے بیان کرنا پڑتا ہے
 کہ سٹریٹسٹکس یہ سٹریٹ لاک کی میدا مغزج اور قانونی لیاقت نے یگینا ہدالسا کے بال
 کو ہی آنچ ندی اور وہ صاحب بری ہو گئی۔ اس طرح صاحب جان کی بھی خلاصی ہو گئی
 صاحب جان کی گرہ سے ایک کٹری بھی نہ صرف ہوئی بلکہ وہ منافع میں رہی
 البتہ ہدالسا کا دیوالہ نکل گیا تاہم اس نے لاکھ شکر کیا کہ

رسیدہ بود بلائے ولے پخیر گذشت

میں اس میں شک نہیں کہ بھاگ و بھگتی کے خوبصورت زیور
 پورے پورے گھڑے گئے اور دیوان برج محل کے برہنہ دار نے اپنے
 والد کی آرزو میں پورا کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ جیٹ اراٹ
 !! افسوس !! افسوس !! !! -

ناظرین

ہم سرکارانگریزی کے قانون کو کیا کہیں۔ سچ ہے کہ انگریزی عدالتوں
 میں جو جو حکام اس رویہ سے نکل سکتا ہے۔ وہ کسی اور وسیلہ سے نہیں نکل
 سکتا۔ کاش عدالت کے حکام کو الہام ہوا کرتے اور یگینا ہدالسا کے جاتے

پوتھا باب

پارسون کا تماشہ

بد النساء کے مقدمہ نے شہر میں ایک دہوم چا دی رو پیدا و مقدمہ سے مدد رفتہ رفتہ لوگوں کو مقدمہ کی اصلی کیفیت معلوم ہونے لگا گئی۔ اور ہر ایک کو یقین ہو گیا کہ اس مقدمہ میں بد النساء بالکل بے گناہ تھی اور شرارت صرف بی صاحب جان کی تھی بد النساء صاحب جان شرمائی پاکر بڑی دہوم دھام کے جلسے کھڑا اور ان جلسوں کی کیفیت سے بھی بد النساء کی بیگناہی ثابت ہو رہی تھی صاحب جان کی خیرات اور قربانی کو فقیر فقیرا تک منتظر کیا اور جو گیا وہ بد النساء کے مکان پر بھی گیا۔ لوگ تو بلکہ لو مارسی دوروازہ والے خان صاحب کی بیوی صاحبہ کو علانیہ طور سے آتما رام کی قاتلہ مشہور کر رہے تھے غرض بہت دیر تک اس مقدمہ کی بابت طرح طرح کے چرچے رہے اور آخر کار کچھ دیر پا کر زمانہ کے رنگ کے موافق یہ شور و غل ختم کیا۔

عدالت نے مقدمہ کی کل رو پیدا کی نقل ڈیڑھ سمیعہ میں صاحب کان فہرست نمبر ۱۰ بنگال کیولری کی خدمت میں بنا بر اطلاع و ارشاد آتما رام بھیج دی تھی اور گنبد نہا کہ باوجود بڑی سرگرم تحقیقات جاری رکھنے کے بھی نہایت ہی اشوس ہے کہ آتما رام موت کا اہرام کسی پر قائم نہیں رہ سکا۔ مقدمہ متذکرہ بالا کا فیصلہ ہوئے دو مہینے ہو گئے اور اب کسی کو اس خیال تک نہیں رہا کہ ۲۷ جولائی ۱۹۰۷ء کی ایک گرم دہرہ کا واقعہ ہے کہ دیوان دنیا ناتھ صاحب اپنے مکان

نچلے دیوان خانہ میں بیٹھے کتاب دیکھ رہے تھے کہ انکو یکایک بدرالنساء کا خیال آ گیا۔
 تو لالہ گنگا رام والے جلسہ کی رات سو آج تک دیوان صاحب ل سو بدرالنساء کی یاد نہ بھولی
 تھی۔ مگر جب منوہترہ بری ہوئی تھی۔ تب سے یہ کئی دفعہ سوچ چکے تھے کہ کسی نہ کسی طرح سوانح
 ایک دفعہ ملنا چاہئے۔ عدالت کے کمرہ میں جہاں بدرالنساء کے اور خیر خواہ اس مقدمہ کو
 سننے جا کر رہتے وہیں ہمارے دیوان صاحب ہی جا بیٹھتے تھے اور ہمیں شک نہیں کرو ورنہ
 میں یہ بدرالنساء کی حالت کو دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں اس کے ساتھ ہمدردی کرتے تھے۔
 یہی انکو دیکھا کرتی تھی اور جی میں جوش ہو جاتی تھی کہ اور ہمیں تو پاک جوان کی
 خوبصورت شکل تو اس مصیبت میں نظر آ جاتی ہے چلو اگر علاج ہی ہوئی تو شاید بقیہ شے
 یہ یا زندہ و صحبت باقی۔ مل ہی رہینگے۔ گویا ان نو لکی انکھوں نے انکے جوشِ قلوب
 کو ایک دوسرے کے پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی تھی۔

کتاب کو الگ کھ دیوان جی ٹھیک کی ایک کٹھڑی میں بیٹھ گئے۔ بیکرہ جس میں
 بھی تھے ایک وقت انکے والد بزرگوار کا دیوان خانہ تھا لیکن اب سو دینا تاکھنے اپنی نوشہ
 و خواندہ کا کمرہ بنا لیا ہوا تھا۔ اس کے کچھ ہیٹھ آراستہ نہ تھا۔ مگر یہی ایک اشراف آدمی کے
 اٹھنے بیٹھنے کے کمرہ کیلئے جو ضروری سامان چاہئے وہ بیشک موجود تھا۔ چنانچہ فرش پر ایک لمبی
 دسی اور اس پر ایک سفید چادر بچھی تھی دیواروں کے ساتھ دو تین الماریاں لگی ہوئی تھیں
 جن میں دیوان صاحب کی کتب درس کے علاوہ اور بھی کئی ایک اچھے اچھے شاعر و نثر نویس
 تھیں۔ دو ایک مینر ہی تھے جن پر آرائش کیلئے پہلوئوں کے دو چار گلاس رکھے ہوئے بڑے
 خوبصورت معام ہوتے تھے۔ مینر کے آس پاس چار سا دہ او ایک دو آرم کرسیاں
 کچھ تھیں جن پر نرم نرم گدے لپے رکھے تھے۔ غرض یہ مختصر آرائش اس گھنے پرنے والے
 کمرہ کے لئے ٹھوڑی نہ تھی۔

کٹھڑی میں بیٹھے دیوان جی دینے پندرہ منٹ تک بدرالنساء کے خیال میں

اور اب چاہتے تھے کہ اٹھ کر لڑائی پر کچھ عرصہ کیلئے لیٹ جائیں کہ انہیں دوسرے بدر النساء کی
 نوکراں سے ایسی گلی کی طرف آئی دکھائی دی دل کی آرزو ایک آنکلی آن میں پوری
 ہوتی دیکھ کر دیوان جی کو ایک بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ چہرہ کا رنگ سرخ ہو گیا کیلجہ
 اوچھلنے لگا۔ دل دھڑکنے لگا۔ سانس تیز ہو گیا۔ بدن مارے خوشی کے کانپ گیا غرض
 دیوان جی کی حالت دل کی پل میں کچھ سے کچھ اور ہو گئی۔ پہلے تو انہوں نے سوچا کہ شاید وہ
 ہو کوئی اور ہو مگر انہیں ملکر انہوں نے دوسری دفعہ نوکس جو لیا تو یقین ہو گیا کہ بیج جج
 بدر النساء ہی چلی آئی ہے۔ اب سوچا کہ بالفرض اگر وہ یہاں سے گزر پڑے۔ تو ہمارے
 کس طرح لانا چاہئے۔ محلہ کا کوئی آدمی دیکھ لیا تو کیا کہہ گیا۔ اگر نہ بلایا تو شاید وہ آگے
 کو چلی جائے اور پھر فرار جائے اسے کب دیکھنا نصیب ہو پھر سوچا کہ بالفرض بلانے
 پر وہ شہر جائے اور اندر ہی چلی آئے تو کیا انتظام کیا جائے۔ حاجی صاحبہ اندر سے
 دیکھ بہن پائے تو کیا کہے۔ اُن کو تو بہا بڑی مشکل کہیں تو کیا کریں۔ اس پر جج و تاب
 میں دیوان وینا نا تھو کے چہرہ پر ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا۔ کہ لسنے میں بی بدر النساء
 ان کی دیوار کے سایہ کھڑکی کے نیچے سے ہو کر آگے کو گزر چلی۔ مگر دیوان جی کا بیقرار
 دل اسے کب آگے جانے دیتا تھا۔ وہ پہلو سے نکل کر زبان پسٹ بیٹھا اور اس نے
 اپنے معشوقہ کو بلا ہی لیا :-

رتہر تہراتی ہوئی زبان سے کہیں۔ ابھی لے۔ کہ ہر چلے او :-

بدر النساء کے پہلے کا توں نے آواز پہچان لی اور بی صاحبہ انہیں قدموں پر کھڑی ہو گئی
 گروں پھیر کر دیکھا۔ تو دیوان جی کو کھڑکی کی چابک اٹھائے ہوئے وہاں کھڑا پایا۔
 بٹے ناز سے زیر لب مسکراتی ہوئی ایک سیریلی آواز سے بولی :- سلام
 اے جی :-

دینا نا تھو نے گلی کی چار چوہر دیکھ کر کہا :- سلام۔ کہ ہر چلے او :-

بدرالنساء نے جدہ سے آرہی تھی۔ اس طرف ماتھے پھیلایا کر کہا: "ایہ چراگ گئی رہا ہے۔"

وینا ماتھے نے یہ سوچا کہ شاید انہیں اس طرح باتیں کرتے کوئی دیکھ لیوے جلدی جلا کر کہا: "نہیں اندھیر کوئی نہیں آجاندے۔ ایٹھے گلی وچ شاید کوئی" اسے خوشی اور جوش کے گلارے گیار گئے کے الفاظ "کوئی دیکھ نہ لیوے" نہ نفل سے بدرالنساء جبکہ محبت اور چاہت کی دلکش شری کا ایک ایک لفظ نوک زبان تھا۔ فوراً سمجھ گئی کہ دینا ماتھے اسے خوشی کے ایک سے ایک ہو رہا ہے۔ نوکر سے کہنے لگی: "چل غلام رسول لاؤ گھر تے میں ہی تیرے پیچھے پیچھے آئی۔"

غلام رسول جتنی جاکر بولا: "بس تو ماڈا تے تہاں تہاں ٹڈیرہ لگ جاندا ہے کھا" بدرالنساء نے اس نعرہ پر دل میں توفیقہ کیا مگر اس نے بات کو ماننے کیلئے بڑے پیار سے مسکراتے ہوئے جواب دیا: "نہیں میرے بھائی۔ بس میں تیرے پیچھے پیچھے آئی کہ آئی۔"

غلام رسول صاحب گھر کو روانہ اور بی صاحبہ اندر داخل۔

وینا ماتھے نے دیوان خانہ کا دروازہ اندر سے بند کر لیا بلکہ کھڑکیاں بھی پھیر دیں۔ جولائی کی دوپہر کی دھوپ نے بدرالنساء کو پسینہ پسینہ کر دیا تھا۔

ماظیرت

معلوم انسان کی آنکھوں میں خدائے ایسا مادہ بھرا ہوا ہے کہ جو خوبصورت چیز کو نزدیک لانے اور بدصورت چیز کو پرے ہٹانے کیلئے ہر وقت انسان کو تیار رکھتا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ اگر آپ کے دلچسپ میں ایک خوبصورت اور ایک بدصورت رکھی جائیں تو آپ جو بدصورت کو نہ چاہیں اور بدصورت کو لے لیویں؟

فرض کیا آپ پرلے درجہ کے پرہیزگار ہیں۔ غائب ہیں۔ رہنما رہیں واعظ نہیں۔

جو کچھ کہو میں۔ مگر آپ ہی بتلائیے کہ اگر آپ کے پاس دو شخص ایک تو نہایت ہی خوبصورت خوش لباس اور خوش وضع اور دوسرا بڑا ہی بد صورت بد لباس اور بد وضع آدمی تو آپ کی آنکھیں کسکی طرف زیادہ دیکھیں گی؟

اس لئے ہم تو اس انسان کو بہادر سمجھیں گے جو عالم جوانی میں حینوں کی صحبت کے اثر سے بچا ہے اسمیں کچھ شک نہیں کہ خوبصورتی سچ مج ایک جادو ہے ایسا جادو ہے کہ راہ جاتے آدمی کو پاگل بنا دیتا ہے مگر مبارک ہیں وہ اچھے لوگ ہیں جو خوب رویوں کے ناز و انداز کو بیچ سمجھتے ہیں اور اپنے دل پر قابو پا سکتے ہیں + + +

یہاں سے دینا تا تھ کی کڑھ عشق میں کچھ بہت وسیع معلومات نہ تھیں اسکا تو آج تک جب کبھی واسطہ پڑا کتابی معشوق سے پڑا زندہ معشوق کا تو آج ہی پہلی بار پاس بیٹھنے کا موقع ملا تھا۔ بدر النساء نے اووی کنا ویر ایک تنگ پا جامہ پہنا ہوا تھا بدن پر حضرت ایک اکثری ملل کا کرتہ اور اس پر ایک زنگاری زنگا ہوا دوپٹا تھا۔ پاؤں میں پشاور سی رحمت جوتی تھی۔ اور ماتھے میں ایک سیاہیشمی چھانتہ۔

نام کو تو بدن پر ٹیک ایک کرتہ تھا اور اس پر ایک دوپٹہ بھی نہ تھا پسینہ میں ہاتھ ڈوبی ہوئی تھی کہ اسکے بدن کا گورا رنگ کپڑوں سے باہر نہ ہو پڑتا تھا۔ اتنے ہی وہ کھڑکی کے ساتھ تکیہ کے بل بیٹھ گئی اور جلدی جلدی سانس لیتی وہ سوپ کی شدت سے گھبرائی ہوئی بولی۔

وہ ان توبہ۔ میرا اللہ۔ کئی گرمی ہوگئی؟

دیوانہ صاحب میز پر سے ایک چھوٹا سا پنکھا اٹھا لائے۔ اور بدر النساء کے پاس بیٹھ کر ہنستے ہنستے چہرہ سے بولے میرے پیارے جادو میں تو ماڈاپسینہ من اسی خشک کر دینا مانے۔ بدر النساء نے ان کے ہاتھ سے پنکھا چھین لیا اور کہا:-
وہاں سے تو بہر میرے ہتھ سے ہوئے تھے نہیں ہو گئے۔

پتکھا ہاتے ہلاتے بدر النساء نے چہت کی طرف دیکھ کر کہا: "تے تسیں ایسے اک پتکھا کپڑا
نہیں لگو اچھڑ دے"۔

دیوان جی نے جواب دیا: "پتکھا تے ہیگا مگر اسدی چھالہ پر سول جل گئی سی ریس کے
اوتار دیا ہیگا۔"

بدر النساء دہڑی بھولی شکل بنا کر "اوہ کس طرح حل گئی"۔

دیوان صاحب رسد کر اُڑات توں لب دی لاٹ دے نال ستر گئی سی۔
بدر النساء: "تے تسیں کتھے ہیگے سا ہو؟"

دینا ناتھ: "میں پڑھتا پڑھتا اسوں گیا ساں شہر"۔

بدر النساء: "بڑا سچا ہو گیا۔ تو یہ"۔

دینا ناتھ: "پتکھا تسیں ایسے تہاں دتو کہ ہن تو ماٹھسے"۔
اسے ناں۔

بدر النساء: "جی آ"۔

دینا ناتھ: "شکر دے"۔

بدر النساء: "تہاں شکر دے اسدی درگاہ وجہ"۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک آواز
آئی۔

مہاراج اندر بلا دندست پتکھے سے۔

بدر النساء: "دھچک کر"۔ یہ کون ہیگا؟

دینا ناتھ: "میں پرانگل رکھ کر اور سکا اک ٹپ"۔

پھر آواز آئی۔ مہاراج۔

دینا ناتھ: "کیوں؟ نہال کی ہیگا؟"

نہال دیوان جی کے نوکر کا نام تھا۔ اور وہ آندہ کی طرف جہاں ستورات کی رایش تھی

کھڑا ہوا دیوان جی کو بلارہا تھا۔ دیوان خانہ اور زنان خانہ کے درمیان ایک دروازہ تھا جس پر ایک خوبصورت پردہ پڑا لٹک رہا تھا چونکہ دیوان صاحب نے اس دروازہ کو اپنی طرف سے بند کر لیا تھا اس لئے نہالا باہر ہی بیٹھنے زنان خانہ کے صحن میں کھڑا دیوان جی کو بلارہا تھا۔

نہالا۔ مہاراج اندر آپ توں بلا وندے نے

دینا ناتھ۔ اچھی بات۔ آیا

یہ کہہ دیوان جی اٹھ کھڑے ہوئے اور بدر النساء سے کہنے لگے۔ میں اک پل ہی دھڑ آیا۔ تین مہر باغی کر کے ایٹھ امی بیٹھو۔

بدر النساء (مسکرا کر) نہیں۔ مہن مینوں بی حکم دیو۔

دیوان جی نے اسکی بات کو کاٹ کر کھائے۔ نہیں جی تیں بیٹھو میں اک منٹ دھڑ حاضر ہو یا۔

بدر النساء (دینا ناتھ کے چہرے کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے) اندر کون ہیگا؟ تو ماٹا ٹیسر قبیلہ ہ۔

دینا ناتھ (بات کو سمجھ کر اڑسکا اڑا دھنسنوں کے بل ٹھیک مین تو ہانوں بھر قبیلیاں والہ دسا ہیگا۔ میں تاں ایسے جو کچھ ہاں آپ ہی آپ ہیگاں اندر میری اتن مہر می مینوں بلا وندے نے۔

بدر النساء (دایک دلی سانس لیکر) جاؤ تیں پر جلدی آونا۔

دیوان صاحب اندر چلے گئے۔

دینا ناتھ کاموں ایک نہایت ہی شریف اور بزرگ شخص تھا۔ اسکی بزازہ میں ایک عالی شان بزاز کی دوکان تھی۔ دینا ناتھ کے والدین کی وفات کو بعد وہ اپنا مکان چھوڑ کر معہ اپنی بیوی کے دینا ناتھ کے مکان پر ہی آ بسا تھا۔

دینا ناتھ کی مامی صاحبہ - ناتھ جی اندر کہہ ہے نال گلاں پے کرمے ساہو۔
 نہ لاکھنڈا لے کسے جانی وا آواج آوند اے ۹

دینا ناتھ نے اپنے دھڑکتے ہوئے دل کو ختم کر اور دلیر ہو کر جواب دیا اوہ نہیں
 اوہ اک ساڈے کلج والا اٹکا اسی ہیکا سدرہ مسکارا (اوہا ہو ہو عورتا ندی طرح
 آواز ہیکا۔

ناظرین

یہ پہلی دفعہ تھی کہ دینا ناتھ نے اپنی مامی صاحبہ جسکی یہ اپنی والدہ سو بھی بڑھک تعظیم کرتا تھا کہ
 آگے جھوٹھ بولا - مامی جسکو اپنے پہانچے کی بات پر ہمیشہ اعتبار تھا سیکر جب ہو گئی او کہنے لگی بڑ
 تو مانوں ایس کے کے بلایا ہیکا لے کہ اوہ کل والی جانی ر عورت) ج غیر آئی سگی رسکارا
 میں اسنوں کی کہواں - تنیں شرم کیوں کرمے او اشکارا کا ساری عمر ایسے طرح تے
 تہیں ناں رہنا (پھر مسکارا) نے ساک ہی چنگے گھر واتے جوان ہی ہیکا ۹

دینا ناتھ نے آنکھیں نیچے کر لیں اور کہا کہ میںوں تنیں کی پچھدے ہیکے او ۹

مامی صاحبہ تے پترہور میں کس فوں پچاں ۹

دینا ناتھ - بس تسبیں جانو یا مانے ہو ری ۹

مامی صاحبہ چنگی گل فیرتاں پھر چو میری مرضی ہو وگی میں کر چھڑانگی ۹

عرض دیوان جی کی حاجی صاحبہ انکی شاہی کے متعلق بڑی دیر تک ان سے
 گفتگو کرتی رہی - دیوان جی اس گفتگو میں شریک تو بیشک رہو مگر ہر ایک بات کو کاٹ
 کر مختصر کرتے تھے - سائے شکر کیا کہ خلاصی پائی اور یہ ایک دوسنٹ کی بجائے پوس
 ۵۰ سنٹ کے بعد بد رالنساء کے پاس واپس آئے۔

۱۱۱۱ - یہاں ایک اور ہی رنگ کھلا دیکھا - بد رالنساء ونگی کے سہاے بیٹھے
 بیٹھے سو گئی اور اب ایسی بے خبر سو رہی تھی کہ کچھ ہوش نہ تھی کہ ہر ٹپری ہے - دائیں

پہلو کی کرٹ عجیب انداز سے نیم دراز تھی۔ ملل کا سفید کڑتا۔ کلائیوں کا زون لگا۔
 نیچے اوتر گیا تھا۔ پیٹ بھی تھوڑا تھوڑا لگا ہوا تھا۔ آنکھیں کلائی کے نیچے چھپی ہوئی تھیں۔
 زلفوں کے بال بکھرے تھے اور ہر اہوا سیدہ سانس کی حرکت کو کبھی نیچے کبھی اوپر ہوتا تھا
 گوئے شفاف پاؤں ایک دوسرے پر پڑے تھے۔ غرض سونا بھی ایک انداز کا سونا تھا۔

دیوان دینا ناتھ صاحب اگرچہ چپ چاپ اُس کے سر نہ بٹھے گئے۔ کئی لمحوں تک
 یہ اُسکے بدن کے گلابی رنگ کو نظر بھر بھر کر دیکھتے رہے اور جو خیالات ایک چشم زون
 میں لٹکے دل میں گزرتے وہ ہم تو کیا بیان کر سکتے ہیں۔ کسی نوجوان عاشق مزاج امیر
 زامے سے پوچھئے۔ دیوان جی نے خدا جانے کیا سوچ سمجھا کر آہستہ سے بدر النسا کی گوری شفا
 کلائی کو اس کے منہ سے پھٹا دیا۔ ابرو اور ماتھے پر پسینے کے قطرے جمع تھے پنکھا ہلانا شروع
 کیا مگر پھر بند کر دیا کہ شاید جاگ اٹھے جاگ اٹھنے سے اور تو کچھ ڈرنے تھا صرف یہ خیال
 تھا کہ شاید گھر کو چلی جائے اور غضب ہو جاوے۔

آہ! دنیا میں خوبصورت آدمی کیوں آئے؟

آہ! عشق کیا چیز ہے؟

یہ کون۔ میں کون۔ میرا دل اے کیوں چاہتا ہے؟ اسکا یہاں موجود ہونا مجھے کیوں
 بھاتا ہے؟ اس سے پھر ٹرنے کو کیوں جی نہیں چاہتا اس کا ہر ایک عضو کیوں پیارا پیارا
 معلوم ہوتا ہے۔ طوایف کا ایک شریف آدمی کے مکان پر اس طرح سو بار ہنا اچھا نہیں
 پھر میں اسکو دور کیوں نہیں کرتا! مائے ایسا ہو نہیں سکتا لیکن کیوں عدالت کے
 کرہ میں امد تو شاید سہ کی دلچسپی کی وجہ سے جاتے تھے۔ لیکن میں صرف
 اسے دیکھنے کے لئے ہی جاتا تھا۔ کیوں؟ بازار کی ایک طوایف تو ہے جس
 کا جی چاہتا ہو یہ خچے اور اسے بغل میں دبا لیوے۔ پھر عام طور پر میر
 ہو جانے والی چیز کو میں کیوں بے بہا سمجھ رہا ہوں۔ بہت بہت خوبصورت

عورتیں دیکھی ہیں مگر انہیں سے کسی پر دل اس طرح کیوں محو نہیں ہوا جس طرح
اس پر؟ کیا میں دیوانہ تو نہیں ہو چلا؟ نہیں میں اچھا بہلا ہوں پھر یہ کیا معاملہ
ہے؟ کیا سچ مچ یہ خوبصورت ہے یا میں وہ ہونکا کھار ہوں۔ وہو کانہیں دیکھہ
لو۔ بال میں وہ خوبصورت ہیں۔ ماتھا۔ ابرو۔ آنکھیں۔ رخسارے۔ ہونٹ۔ ناک۔ منہ۔

زخندان رگہ دن رسیں۔ بازو۔ کلاٹیاں۔ ماتھہ۔ انگلیاں۔ پیٹ۔ ساق۔ پاؤں۔
سب اعضا ایسے ہیں۔ جیسے کسی نے برسوں کی محنت سے تیار کر کے بنا کے ہو گئے کوئی
کسٹرنہیں یہ معلوم نہیں اس بڑھکر دنیا میں اور کیا خوبصورتی ہو سکتی ہے نہیں نہیں
بیشک خوبصورت ہی اور اگر دل مبتلا ہو اسے تو سب کچھ دیکھ بہال کہ ہوا ہے چلو چہو
سو دیکھا جاوے گا میں اس خیال سے ہٹ بھی تو نہیں سکنا اور کون ہٹا سکنا
بیمار سے ناظرین!

یہ خیال تھے جو دیوانہ جی کے دلیں آہے تھے وہ سب کچھ جانتے تھے۔ لیکن پھر
نہیں رہ سکتے تھے۔ یہ سب عشق کی مہلک بیماری کی ابتدائی علامات تھیں۔ وہ
لوگ جو مرض عشق کا علاج و عمل معشوق بتلاتے ہیں بالکل بیوقوف اور جاہل ہیں
شاید یہ معلوم نہیں کہ ہر مرض قطعی لا علاج ہے استاد امانت کہتے ہیں کہ نہ
یہ و نہ کل ہے بہال نہ لگا جس میں زینہار نہ یہ وہ مرض ہے اچھا نہوا جس کا بیمار
مسٹر ولیم بروڈٹ لکھتے ہیں کہ نہ

بیمار محبت کو شفا ہو نہیں سکتی نہ اگرچہ بیمار سے سیجا اترائیں
اسلئے مبارک ہیں وہ لوگ جو اس مہلک بیماری کو سچے رہتے ہیں طرفہ یہ کہ مرض
عشق سے نہ صرف عاشق ضائع ہوتا ہے بلکہ معشوق بھی ساتھ ہی تلف ہو جاتا ہے۔
وہ قہر ان لوگوں کے کیا ہی کہنے جو ہر وقت اسی تلاش میں رہتے ہیں کہ کب کوئی
معشوق ملتا ہے اور کب دل کے لئے کوئی شغل ملتا ہے۔

[illegible]

کہ نہیں اسٹم کے کوئی نکل بات کرتے کروناں۔

کہٹ - کہٹ - کہٹ۔ دروازے کو کوئی کھٹکھٹا رہا بہانہ ہو چکا۔ "کون ہے
دروازے نال؟"

جواب ملا۔ جی میں ہاں عنکلام رسولؐ

دیوانِ حبیبی (اپنے دل میں) مات تیری ...،

اوسکھرو وازہ کھولا اور اسے اندر داخل کیا۔ وہ آتے ہی بی صاحبہ کو آنکھیں دکھلا

کر بلا مواہ اجگے تنیں میرے پیچھے پیچھے آئے ہینگے او“
بدرا النساء (شہر مند ہو کر) سر بلائے خیر کی ہو گیا یہ کہہ رہا تھا کھڑی ہوئی

اور دیوانہ جی سے کہنے لگی شو جی فیر ہے حکم ؟

دیوان جی بددالنساء کے منہ کی طرف دیکھ کر اتنے فیر میں کہ ودرشن ہون گے۔
 بددالنساء دمسکرا کر بڑے انداز سے نجس ویلے حکم کہہ پھو تو نا ڈے تابعہ اپنے کمر
 "سلام ہے جی کہکری بددالنساء میاں غلام رسول خان کے ساتھ لپے کمر کو رو
 دیوان جی وہم سے پائنگ پر دراز پڑے پڑے شام ہو گئی اور سپر ناختہ نہ آیا۔ کہ کس
 خیال میں پڑے ہیں آٹھ بج گئے۔ لوگ کھانا دانا کھا پی کر کوٹھوں پر چاند کی چاندنی
 میں سوتے کو جا رہے ہیں اور ہمارے دیوان جی ماموں صاحب اور آرمی صاحب
 سے پارسیوں کا تماشا دیکھنے کی اجازت مانگ رہے ہیں۔

"پرستیں آج روٹی کیوں نہیں کھاندے ناختہ جی" یہ سوال ماموں صاحب کی طرف
 دیوان جی نے پتہ مردہ سی آواز سے کہا۔ "جی اینویں آج طبیعت کچھ درست نہیں ہو گی
 کی مضالقت ہے؟ ایک آدھ ہانہ ایک آدھ جوٹھ۔ ایک آدھ کپ ٹانگ کر دیوان جی
 نے پارسیوں کا تماشا دیکھنے کے لئے رات بھر کی اجازت حاصل کر لی۔ ڈنڈا ناختہ میں
 لیا اور گھر سے باہر نکل گئے۔

لو مار سی دروازہ کے باہر نکل کر برب سڑک باغ کی دیوار کیسیاتہ سہارا لگا کر کھڑے
 ہو گئے بولائی کی شام تھی۔ لوگوں کی آمد رفت کا وناں حتمی ایک عجیب نظارہ تھا۔
 پھول بیچنے والے موتے اور گلاب کے مار ناختوں ناختہ فروخت کر رہے تھے دو تین روز
 پہلے بارش ہو جانکی وجہ سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی جو دور دور کے باغوں اور
 خوشبودار گلونکی مہک کو گھر گھر پہنچا رہی تھی۔ انارکلی کے چورے بازار کی طرف نظر بھر کر دیکھنے
 سے ایک دلچپ لطف حاصل ہوتا تھا دوکانوں اور بیچکونکے لیمپ اور چرخ ایسے معلوم ہوتے
 تھے جیسے جا بجا ہیرے اور لعل جڑے ہوئے تھے۔ گاریوں اور ٹمٹوں کی مار و مار اور کوچاں
 کی "ہٹ جا" اور سچ جاؤ کی آوازیں پلٹے پھرنے والوں کو کچھ چپہ پر اور قدم قدم پر خبردار
 کر رہی تھیں۔ دیوان دینا ناختہ اس پیشتر تو ہب کبھی اس جگہ آکر کھڑے ہونے لگے۔

بہت خوش ہو جایا کرتے۔ مگر آج انکی طبیعت میں اس نظارہ سے الٹی بقیاری بڑھتی
 نظر آتی تھی۔ وہ یہ سوچ رہے تھے کہ اگر اسوقت بدالنساء بھی ساتھ ہوتی تو وہ بھی اس
 سیر و تماشا کو دیکھتی! اخیال کیا کہ گھر سے رات کی رخصت تو مل ہی گئی ہو۔ دیکھو
 تو سہی کسی نہ کسی طرح اس کو دیکھ ہی لیں گے پارسیوں کا تماشا دیکھنے کا چونکہ پکاراؤ
 کر لیا تھا۔ اور وقت ہو چلا تھا۔ باغ کی دیوار کیساتھ تو ماری دروازہ سے شاہ عالمی ریفرن
 چل پڑے۔ جب آجگہ پہنچے جہاں سے میوہ ہسپتال کی سڑک الگ ہوتی ہوا وہاں
 ہسپتال مذکور کی شانہ عمارت کا نظارہ بٹا خوبصورت نظر آتا ہے تو انکا قدم ہر رک
 گیا دل نے کہا کہ اگر تماشا نگاہ میں تماشا دیکھنے چلنا ہے تو بدالنساء کو بھی کہیں ساتھ لے لیا
 جاتا۔ ورنہ کچھ لطف یا شرہ حاصل نہیں ہوگا۔ دیوانہ صاحب کھڑے ہو گئے اور اوروں کو دیکھتے
 ہوئے سوچنے لگ پڑے کہ کیا کریں۔ بڑی مشکل ہوئی۔ اسطرح تاہ کے گزارہ ہو گا کہ آ
 میں دو ہندو عورتیں انکے پاس سے ہو کر انکی طرف بڑی توجہ اور غور سے اسطرح دیکھتی
 ہوئی گذر گئیں کہ گویا ان کو یا کسی اور کو داناٹھوٹہ ہی تھیں پانچ سات قدم آگے جا کر
 انمیں سے ایک بولی نکھرے اوہ کہہ گیا بدووسری نے جواب دیا۔ ہلا فیر کی ہو یا
 ایتھے ہی کہہ رہے ہو دیکھا آپ آج اندامیدگا۔ سانوں کیٹھی اٹھی کاہل سبکی ۛ
 دیوانہ صاحب نے یہ سوال و جواب سنکر چاہا کہ اُن سے دریافت کریں کہ وہ کس کی
 تلاش میں تھیں۔ مگر پھر کچھ سوچکر یہ چپ ہو کر وہیں کھڑے رہے۔ عورتوں کی آوازوں
 کے کان تک برابر آ رہی تھی۔ آواز سے انہوں نے اندازہ لگایا کہ ایک تو عمر سیدہ ہے
 اور دوسری جوان ہے۔ عمر سیدہ عورت نے کہا۔ تینوں اُس نے کی کہیا سی گ
 بی میں کہتے کھلو داں ۛ
 جوان عورت نے بس ایتھے اسی کہیا سامسو۔ تے میں سنوں کہیا سی گاپنی جیکر
 اوتھے نہ ہوویں گا تو اسی سیلا دے مندر جا بیٹھاں گیاں ۛ

عمر رسیدہ نے فیرا دیکھے اسی چل بیٹھے۔ لیکن تے مینوں ڈر لگا دیا۔ سر عام
جے ہویا۔

سینٹا کا مندر بالکل پاس تھا۔ دونوں اس طرف چلی گئیں دیوان صاحب کا انکی
گفتگو کی طرف دل لگ گیا۔ وہ بھی انکے پیچھے پیچھے ہوئے جب وہ مندر کے اندر
چلی گئیں۔ تو یہ بھی دبے پاؤں وہاں جا پہنچے۔

مندر میں اس رات جگا تھا اپنے ساری رات دیو سی کا کائیں اور پاٹھ ہوتا تھا
اور اس تقریب سے وہاں کا ایک بڑا جھگٹ ہو رہا تھا وہ دونوں عورتیں اندر جا کر
اس مجمع میں شریک نہ ہوئیں۔ بلکہ ایک طرف جا کر کونہ میں بیٹھ رہیں۔ تھوڑی دیر
یکے بعد انہیں سے ایک تو وہیں بیٹھی رہی اور دوسری اٹھ کر دروازہ کی طرف
چلی آئی یہ عمر رسیدہ تھی۔ دروازہ میں آ کر کھڑی ہو گئی اور دیر تک کسی کی تشریف
میں ادھر ادھر جھانکتی رہی ہمارے دیوان صاحب بھی کسی کرنے میں جھپک کر کھڑے
ہوئے۔ دیر تک یہ ہے تو کہ اتنے میں اس بڑھیا کو ایک جوان شخص نے آبلایا۔ تسلیں کہہ
چلیاں گیا سا ہو۔ میں نے تو ناغوں کٹے چہ وا باہر آیا دیکھنا ہیگا۔

بوسہ ہیا نے مسکرا کر جواب دیا۔ اسیں اندر چلیاں آیاں ساں۔
جوان شخص نے اور کہتے ہوئے آئے۔

بوسہ ہیا۔ اندر آ میرے مال۔

جوان شخص۔ مال مال تے لے آ جا جے کہ نہ؟

بوسہ ہیا۔ سب کچھ اوہے کول ہیگا۔

جوان شخص۔ چلو فیرو شاہی کرو۔ ریل دا وقت تے ہوندا جانا لے۔

بوسہ ہیا اندر جا کر اس عورت جوان کو اپنے ساتھ لے آئی اور یہ تینوں مندر کے
نکل گئے۔ باہر شریک پر ایک ٹم ٹم گاڑی کھڑی تھی جس میں بیٹھ کر تینوں دیوان صاحب

کی طرف چلے گئے۔ اور سہارے دیوان صاحب تکتے کے تکتے رہ گئے۔

دیوان صاحب سمجھ گئے کہ کوئی کسی کو بہکا کر کہیں لیگیا ہو مگر ان کو یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ کون تھے اور کہہ کر گئے ہیں اور چونکہ یہ اپنے ہی خطا میں محو تھے اسلئے انہوں نے اس بات کی تحقیقات کرینی ہی تکلیف گوارہ نہ کی۔ یہ منہ سے نکل کر بارسیوں کے تراشہ کی طرف چلے آئے۔ تراشہ شروع ہوا چھوڑا تھا۔ اسلئے یہ جھٹ پٹ درجہ خاص کا ٹکٹ خرید کر ایک کرسی پر جا بیٹھے۔

آگاہا۔ اسی وجہ میں لالہ گنگارام بھی معہ اپنی معشوقہ کے جو مردانہ لباس میں تھی رونق افروز تھے۔ لالہ صاحب بلکہ اوہو ہوسٹر لم کشن کیل۔ مرزا فضل حسین شیخ نصیر اللہ ڈاکٹر شرف الدین بھی زینت بخش تھے گویا لالہ گنگارام اینڈ کو تراشہ دیکھنے آئے ہوئے تھے۔ وہاں جی کو بھی اس درجہ میں آتے دیکھ کر یہ سب ست بال بال غلط ہو گئے۔ لالہ گنگارام اٹھ کر دیوان جی کو اپنے پاس لے آئے اور کان ہی کان میں انکی آپس میں بڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی + + +

ٹھیسٹر کی اسٹیج پر پارسی الفنسٹون ڈرامیٹک کلب کا مشہور اور خوبصورت نوجوان ایکٹر ستم بڑی دھوم دھام سے لیلی کا پارٹ ادا کر رہا تھا اور حاضرین میں ایک سکنہ کا عالم تھا۔ سب لوگ چپ چاپ تماشا دیکھنے کی طرف متوجہ تھے کہ درجہ خاص میں ایک اور پارٹی داخل ہوئی یہ شہزادہ خیر محمد خاں صاحب کی باسلی تھی۔ شہزادہ صاحب معہ پارنچ اور ہمراہیوں کے جا کر کرسیوں پر بیٹھ گئے اور اب درجہ خاص میں ایک کرسی بھی خالی نہ رہی شہزادہ صاحب کے ہمراہی تو بے خوش خوش تھے مگر انکے دہنے مانہ بیٹھے۔ ایک خوبصورت افغان بچہ جس نے ایک زری کی پارٹی یعنی لنگی اور قنداری سلاہ پہنی ہوئی تھی۔ کرسی پر بڑی بیکراری سو بیٹھا نظر آتا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی باہر نکلا کہ نکلا۔ غرض جب آدھ گھنٹہ کا عرصہ گزر گیا اور تماشا کا وہ حصہ جو ہمارے ہاں بند ہو

توقف کا پردہ گرا۔ تو آٹھ آنے درجہ میں سے کسی نے باواز بلند پکار کر کہا۔

”بدرالشاہ جی تیسویں یا ہر چل کے کچھ بانی و مانی پی آؤناں“

اسے تو یہ کیلے؟ کیا بدرالشاہ ہی تماشا گاہ میں موجود ہے۔ اُٹ تو یہ اسے توہم

مگر کہاں ہے؟ شاید کوئی کسی اور بدرالشاہ کو بلاتا ہو گا۔ نہیں نہیں۔ یہ تو برابر اس کے

میرا سی غلام رسول کی آواز بلند ہے خدا غلط نہ کرے۔ مگر ضرور بدرالشاہ تماشا

میں کہیں موجود ہے۔

یہ سوال وجواب دیوان دینا ناٹھ صاحب اپنے دل ہی دل میں کر رہے تھے

بدرالشاہ کا نام کان میں پڑتے ہی دیوان صاحب کی گردن اس طرف جھٹکتی اور

آئی تھی پھر ملی ہوئی اب تک ملی تک نہ تھی۔ صرف دیوان جی کی یہ حالت نہ تھی بلکہ لا لاکھ

ایک لکھنی ہی ایک دوسرے سو گھر کر پوچھ رہے تھے کہ بدرالشاہ کہاں ہے؟ اور ہر دیکھ

اور دیکھ کچھ تپہ نہیں ملتا۔ آخر کہیں تو ہے۔ غلام رسول کی آواز نے سب کے کان

کھڑے کر دیئے تھے ڈاکٹر شرف الدین نے مرزا فضل حسین سے کہا۔ ”مرزا جی! آپ تو ادب

ہیں۔ اب یہاں کوئی دو درہن لگا کر ڈرا دیکھئے تو سہی کہ بدرالشاہ کہاں ہے۔“

نے کہا۔ ”بہی ذرا صبر کرو۔ اگر وہ تماشا گاہ میں تو میں ضرور اسے ڈھونڈ لکھائے بغیر

نہیں رہوں گا اور جو کہیں اور جگہ ہے تب میں کچھ نہیں کر سکتا۔“

ناظرین

بدرالشاہ سچا رسی اپنے ہونٹوں پر لٹھی رومال رکھے ہوئے ہنگین حالت میں شہزادہ

خیر محمد خاں کے ماتیں ماتھ کر سی پڑھی تھی۔ وہ عورت سے مروہنی ہوئی تھی۔ اس کے

سیاہ اور ملائم مانی قنداری کاغذ میں لکھی سوچھے ہونے تھے اور ہلکا سا سینہ لالہ

کی ایک چست داسکت کی تاب میں آکر صاف ہو گیا تھا۔ لاہوری سوختن کی جگہ

پشاور کے گروہر پاچا چڑھا ہوا تھا اور بڑا دلجو ہونے چاندنی جوتی میں تپ تپ کھلایا کرتے تھے

اس وقت ایک انگریزی سیاح بوٹے میں بندھے گویا بدر النساء بدر خان بنی بیٹھی تھی اس نے
 ہی تماشا گاہ میں داخل ہوتے ہی تارٹیا تھا کہ وہاں اسکے حلقہ عشاق موجود تھے
 غلام رسول اور میراں بخش بدر النساء کے ہمراہ شہزادہ خیر محمد خاں صاحب
 کی گروہ سے تیسرے درجہ میں بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے۔

غلام رسول کی اس آواز نے بدر النساء کو مدے غصہ کے پسینہ پسینہ کر دیا اس نے
 غیر محمد خاں سے کہہ کر ایک آدمی کو غلام رسول کے سمجھانے کیلئے بھیج دیا تھا کہ اب تو
 جو ہوا سو ہوا آئندہ اس طرح آواز دے۔ مگر وہ آواز تو اب نکل چکی تھی وہ کس طرح واپس
 جاسکتی تھی۔ بدر النساء دل ہی دل میں غلام رسول کو کوس رہی تھی کہ تائے
 دے حرام دے تھما غلام سولا۔ تیری مٹی بل جائے۔ توں ایہ کی کیا؟

وہ برسوج بھی تھی کہ "اور تو اور کیوں دینا مانگوئے اگر دیکھ لیا تو ایک آفت آگئی کیونکہ
 وہ ابھی ان باتوں میں بالکل خاموش ہے زرد و نیل ہے غیرت پسند ہے۔ مرنے لگنے کو تیار
 ہے۔

وہ یہی سوچ رہی تھی کہ جب ان سب لوگوں میں نام سن لیا ہے اور سب کو میری ہی تلاش کا
 فکر لگا ہوا ہے تو یہ بغیر سوراخ نکالنے کے کب رہیں گے۔ کروں تو کیا کروں۔ غرض
 مزدہ کی طرح کرسی پر بیٹھی ہوئی بدر النساء ان خیالات میں چکر کھا رہی تھی۔ شیخ
 نصیر الحسن لالہ رام کشن سے کہا: "آؤ ماسٹر ذرا باہر کی طرف ہوا کھائیں۔"
 لالہ رام کشن نے کہا: "یار باہر کتھے جانا ہیگا۔ یہ تھے ہی بیٹھے کے گل بات کرانگے
 مگر شیخ صاحب انہیں زبردستی سے باہر لے گئے۔

وہ آنا مارا وہ بیٹھی ہے رات تیری۔ وہ بیٹھی ہے وہ۔ یہ خوشخبری مرزا فضل حسین
 صاحب نے ڈاکٹر شرف الدین کو سنا کر کہا کہ وہ دیکھے اس افغانی شہزادہ
 کے دائیں ہاتھ بیٹھا ہوا جوان جوان نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب: "نہیں یار وہ نہیں ہے۔"
 مرزا صاحب: "جناب وہی ہے ذرا بچہ خانی کی طرف خیال کیجئے۔"
 ڈاکٹر صاحب: "غور سے دیکھنا" ناں یار کہتے تہیج ہو۔ آؤ آؤ چل کے اسے
 دیکھیں تو سہی۔"

مرزا صاحب: "پاگل ہوئے ہو۔ وہ ان افغانوں کے ساتھ آئی ہوئی ہے
 ڈاکٹر صاحب: "لیکن تم آؤ تو سہی۔ ہم باہر نکل چلیں گے۔"
 یہ کہہ کر مرزا صاحب اور ڈاکٹر صاحب بدر النسا کے لگے سے ہو کر باہر چلے گئے۔
 باہر سے ایک آدھ منٹ کے بعد ہی یہ دونوں واپس چلے آئے۔ مرزا صاحب تو سدا
 اپنی جگہ پر جا بیٹھے۔ مگر ڈاکٹر صاحب بدر النسا کے دائیں ماتھے کی خالی کرسی پر جو خیر
 محمد خان کے دوست اسلم خان و جواٹھک غلام رسول کو سنبھالنے گیا ہوا تھا، اس کی جگہ
 کی بیٹھ گئے بدر النسا کے بدن کا بال بال مال کاٹ گیا اور اس نے خیر محمد خان کو ٹوٹا
 وہ مطلب سمجھ کر ڈاکٹر صاحب سے غصہ ہو کر بولا: "خویر اچھا بات نہیں صاحب تم ہمارا
 جگہ پر نہیں بیٹھے گا۔"

ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا: "لیکن آپ تو اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ خالی تھی
 خیر محمد خان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور ڈاکٹر صاحب کو شانہ سے پکڑ کر طیش بھری آواز
 سے بولا: "نہیں جی خویر ہمارا کرسی ہمارا دوست باہر گیا ہے۔ اس کشمکش سے گھبرا کر
 ڈاکٹر صاحب تو اٹھ کھڑے ہو مگر انکے اٹھتے اٹھتے باہر سے شیخ نصیر احمد اور کیل
 رام کشن صاحب تشریف لے آئے۔ وہ کیل صاحب اس جھگڑے کو دیکھ کر بڑی زور کی آواز
 سے بولے: "کیا ہے ڈاکٹر صاحب؟ کیا ہے؟" ڈاکٹر صاحب نے کیل صاحب کے کان میں
 کچھ کہہ دیا۔ سنتے ہی کیل صاحب چونک کر بولے: "ہیلو۔ وہ پیرا نشی" "ہیئے" کہاں ہے وہ آغا
 ابی؟ ڈاکٹر صاحب کچھ کہنے کو تھے کہ شہزادہ خیر محمد صاحب گرج کر بولے: "دیکھو

جی۔ تم ایک دم سب لوگ ہمارے گے سے ہٹ جائیگا۔ اتنا کہہ کر شہزادہ صاحب نے ڈاکٹر صاحب اور وکیل صاحب کو مکمل کر اپنے اگے سے ہٹا دیا۔ وکیل صاحب کو یہ حرکت بڑی ناگوار نہ معلوم ہوئی چہنچلا کر بولے۔ بس جی بس۔ ذرا شہزادہ خیر محمد خان شیراز کی کھج گرتا ہوا کہنے لگا۔ لاکن تم ادھر کیوں آکر بیٹھا۔ تم ہٹ جاؤ۔

شور و غل مچ گیا۔ درجہ خاص کے ترائانی لوگ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ پارسی کمپنی کے مظالم نے جھٹ پٹ ایک دو پولیس کے سپاہیوں کو بلالیا جنہوں نے سبکو اپنی اپنی جگہ پر بیٹھلا نا شروع کیا۔ بیشتر ہاڑ میں بی بدر النساء ڈاکٹر شرفین کی آنکھ سے نظر پڑا کہ ایک طرارہ بھرتی ہوئی دروازہ کی طرف کھڑی ہو گئی اور دیکھ کر ایک ہی جست میں وہ باہر نکل گئی۔

پارسی کمپنی نے جھٹ پٹ گھنٹی بجادی اور پر وہ اٹھا کر ترائانی شروع کر دیا کہ شاید اس فریضے سے شور و غل ختم جائے چنانچہ بیٹھ بیٹھ کر گھڑی ہوئی اور سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے مگر شہزادہ صاحب بدر النساء کو اپنے پاس گم پا کر اور ادھر ادھر دیکھنا کہ پیرچ و تاب کھانے لگے اور فاسی زبان میں اپنے ہمراہیوں بدر النساء کی بابت پوچھ رہے تھے مگر کچھ پتہ نہ ملتا تھا۔ بدر النساء اور قریب کی آنکھوں میں نمک ڈال کر باہر نکل گئی تھی مگر وہ صاحب سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا اس لئے وہ بھی بیشتر اس کے کہ کسی اور کو معلوم ہو بیٹھیا کیے بہانے سے منڈوے سے باہر چلے گئے۔

وس پندرہ منٹ کے بعد شہزادہ خیر محمد خان صاحب ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور مدد اپنے رفقاء کے وہاں سے گھر کو رخصت ہوئے مگر لالہ گنگا رام اپنی معشوقہ کو لئے ہوئے وہیں بیٹھ رہے۔

اس وقت رات کے بارہ بج چکے تھے سمانی چور چاند کی بھولی اور پاری نسی کل کو کوئے

مغرب میں چھپا رہے تھے اور بندگانِ خداوندِ ہیر سے کی آواز نہ سنا گھبرا رہے تھے۔ فاکس گنج
 لا جوری پر پہلے پہلے بادل چھپا رہے تھے جس سے ستاروں کے نور کا اچالانہ و پالا پورا تھا
 نہ صرف آسمان کلاہی یہ نقشہ تھا بلکہ صفحہ زمین میں بھی آبناب کہور تھا، تماشا گاہ کے بار
 بیٹھے ہوئے خواجہ فروش اپنا اپنا سوا فروخت کر کے بوریا بندھنا سمجھا رہے تھے اور ہر متر متر ہوا
 تھے اور وہاں اب انکی مختلف آوازیں کا در بھی شور و غل مٹانی نہ دیتا تھا۔ رستوں اور
 سڑکوں کی لائینیں روشنی دینے سے پہلو تہی کر رہی تھیں۔

بد النساء کہہ رہی تھیں؟ خیر محمد خاں صاحب کہہ رہے تھے؟ دیوانہ صاحب کس طرف چلے
 گئے؟ ہستیلا کے مندر والی عورتیں کون تھیں؟ انہیں کبھی پرچھا کر اسٹیشن کو لیجانے والا
 کون شخص تھا۔ یہ سوالات ہیں جو ہمارے ناظرین ہم پر کریں گے۔
 مگر ان کا جواب ہم آگے چل کر دیں گے۔ فی الحال اتنا لکھ رہے ہیں کہ شہزادہ خیر محمد
 خاں صاحب کے والدین اور دیگر خویش واقارب کے کسی تقریب پر امرتسر چلے جانے کی
 وجہ سے شہزادہ صاحب کے کوسیدان خالی جو ہوا۔ انہوں نے بد النساء کو پھر اٹکے لگا لیا۔
 اور اسے مردانہ لباس پہنا کر تماشا آد کھلایا۔ جہاں سے بیچارہ نے اس طرح بھاگ گئی

پانچواں باب

پنجاب کی ایک بہادر لڑکی

مذکورہ بالا واقعات کے ساتھ ہی ابھی راستہ کے کسی ایک دلچسپ واقعات کو پہنچے

بیان کرنا ہے۔ اسی شام کو لاہور شہر کے محلہ وچھوالی میں ایک چھوٹے سے مکان میں ایک خوبصورت لڑکی اپنی ماں کے پاس غمگین صورت بنائے بیٹھی کسی خاص امر میں اُس سے مشورہ کر رہی تھی۔ غیر سبب وضع کا چھوٹا سا گھر تھا۔ بیٹھنے اٹھنے اور کھانے پکانے کے لیے بس یہی ایک چھوٹی سی بیٹھک تھی جہاں یہ بایٹی بیٹھی تھیں۔ البتہ گرمیوں میں سونیکے واسطے چھت کے اوپر اس قدر جگہ تھی کہ جو تین چار بستروں کے لئے کافی ہو۔ اس طرح مکان کے بائیں حصہ میں بھی دو چیمبر کی دھوپ سوچنے کیلئے ایک پرانی وضع کا دالان تھا جہاں متورت دن کے وقت بیٹھ کر اپنا کام کاج کیا کرتیں۔ جولاہی کے آفتاب کو منہ چہپائے دو گھنٹہ کا عرصہ گزر چکا تھا اور اب روشنی کے لئے اس بیٹھک میں ایک مٹی کا چراغ کھڑکی کے سامنے ایک چاندان پر رکھا جل رہا تھا۔ ان دونوں عورتوں کے سوا اور میسر کوئی ان کے پاس نہ تھا اور نہ رہتا تھا۔ لڑکی جبکی عمر قریباً سولہ ستر برس کی تھی اپنی ماں سے کہو ایک پختہ چھتیں سالہ معزز شریف عورت نظر آتی تھی۔ ڈھسک ڈھسک کر رہی تھی۔

”ماجی مہن پریشہر باجھہ اسا ڈاکون رکھوالا ہیکا“

مانے بڑی ثابت قدمی کے ساتھ جواب دیا: ”ناں دہئے ہو رکون ہیکا“
 لڑکی نے ڈھسک ڈھسک کر اپنی ماں سے کہی ایک گزشتہ واقعات کو یاد کر کے بہت سی باتوں میں مشورہ لیا۔ ان مایٹی کی گفتگو اور پیرہن شکل سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ چاروں کو کسی کی موت سے سخت رنج ہوتا تھا۔ ایک کی موت نہیں بلکہ دو بڑے لایق اور معزز نہایت ہی قریبی رشتہ داروں کی موت واقع ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اور یہی کہ اس مکان میں جبکہ ہونے اور ذکر کیا ہے۔ بچاریاں کر لیا یہ پرچند ہی یوم سے آجسی نہیں اب رات کے گیارہ بجے کو قریب تھے کہ لڑکی نے رد و کہ بہت سی منت و سہا جت کے بعد اپنی ماں سے کسی خاص جگہ پر ٹھوڑی دیر کے لئے جانیکی اجازت حاصل کر لی۔ اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسی بیٹھک کی ایک چھوٹی ٹیسی کو ٹھڑی میں جا کر اس نے اپنی زمانہ پوشاک کو اتار دیا۔ اور

چند منٹ کے عرصہ میں یہ مردانہ لباس میں لبوس ہو کر اپنی ما کے روبرو آکھڑی ہوئی
 اپنی بیٹی کو ایک جوان اور خوبصورت ہونہار سپاہی زادہ کے ہمیں ہیں دیکھ کر بابا وجود
 بڑے سرخ و اطم کے ایک بار مسکرا کر پڑی ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں کو پوچھنے لگی ہوئی بولی
 ”دیکھتے توں ہی راج میرا بیٹا پتر نہ دی تاں میںوں کا ہا جھوڑا مہیکا۔“ لڑکی یہی آبدیدہ
 سی ہو گئی اور پہرے نام مسکرا پڑی۔ ماں نے کچھ زیادہ نہ کہا بلکہ وہ چپ چاپ کھڑکی
 میں کیوار کیساتھ سہارا لگا کر بیٹھیں رہی اور لڑکی اسکو اسی حالت میں چھوڑ کر نیچے اتر گئی
 گلی سے نکل کر بازار میں سو گزرتی ہوئی یہ پیرامنڈی کی طرف چلی گئی۔ بازار میں کسی نے اسکو
 دیکھ کر وہم یا گمان تک ہی نہ کیا کہ ایک ناکتخذ مردانہ لباس میں تھی اور اسکی قطع وضع
 یہ غیر ہی کی طرح نہ ہو سکتی تھی۔ سر پر فغانی وضع کی کلاہ زریں اور نیلی اسطرح بندھی تھی کہ
 جھلجھلی سی رسالے کے نوخیز سپاہی باندھتے ہیں بدن پر سفید ملل کی قمیض کے اوپر
 کمر پٹی والا انگریزی فیشن کا خاکی زین کا کوٹ سچ سچ یہی ثابت کر رہا تھا کہ پہنے والا کسی
 باقاعدہ سواروں کے گروہ میں سے تھا۔ اسطرح پاؤں میں ایک سیاہ انگریزی جوتا تھا۔ جو خاکی
 زین کی پتلون کے پائپوں سے ٹخنوں تک ڈھینا ہوا تھا۔ دیکھنے والوں میں سے تو کسی نے خواہ
 معلوم کیا یا نہیں۔ لیکن ہم اپنے ناظرین کو واقف کئے بغیر نہیں سکتے کہ ہمارے انوکھے نوجوان
 سپاہی زادہ نے گھر سے جتنی دفعہ ایک چھہ فیروالا انگریزی پستول بھی پتلون کی جیب میں
 ڈال لیا تھا اور اب چونکہ ہم نے اس بہادر لڑکی کو اپنے الفاظ سے کراستہ پیراستہ کر کے ایک نوخیز
 سپاہی بنا دیا ہے اسلئے ہم اسکو اذیت دیکر وہ اس پر شاک سے بکدوش نہ ہو جائے مردانہ
 حیثیت میں ہی اپنے ناظرین کے سامنے پیش کرتے رہینگے۔ ہمارا سپاہی زادہ اپنے خیالات
 میں غلطان پیرامنڈی میں سے گزرتا ہوا اطرافینوں کے مشہور محلہ ٹی میں جا نکلا وہاں
 اسے ایک ٹپس عالی شان مکان کی ڈیرہ ہوڑی کے دروازہ پر ایسے حوصلے اور دلیری سی
 دستک دی کہ گویا وہاں آگ اور سچ سمجھ کر اس جگہ کسی خاص شخص کی تلاش میں تھوڑا سا

پڑتے ہی مکان کی چھت پر سے کسی نے آواز دی "کون ہے دروازے نال" سپاہی زادہ نے
 جواب میں ایک دوسری ٹوکری سے کھڑک کو کھٹکھٹا دیا کہ اتنے میں ایک نوکر نے اگر دروازہ
 کھول دیا۔ دروازے کے باہر چاندنی چاندنی میں ایک گہرو جوان کو نفیس پوشاک میں طبعی
 گھڑا دیکھ کر میرا سی نے سلام کیا اور اب سو پوچھا "بسم اللہ۔ حکم غریب نواز؟" سپاہی
 زادہ نے تہہ نہرتی ہوئی زبان سے جو کہ اس وقت باوجود کوشش تبلیغ کے قابو میں نہ
 رہ سکی۔ میرا سی سے دریافت کیا "بیوی کس جگہ ہے" میرا سی صرف ایک ہی بات کہ جان
 کی بچہ کوئی نو آموز بستی ہے مسکرا کر بولا "بھی بیوی ہو رہی ہے" اندر صفا ڈاٹا تھا دیکھنے
 گئے ہوئے نے "سپاہی زادہ نے اور کچھ دریافت کیا بلکہ وہ اپنے دھڑکتے ہوئے دل
 کو قابو کر کے میرا سی سے "سلام" کہتا رخصت ہو گیا۔ گلی سے نکلا بیچارے نے لاکھ شکر
 کیا گو ایسا معلوم ہوا کہ کسی وقت کے پنجے سے خلاصی پائی۔ دیکھنے والوں کی نظر میں
 تو بیشک مرد بچہ دکھائی دیتا تھا حقیقت میں جو کچھ تھا۔ وہ ناظرین جانتے ہی ہیں
 بیچارے بناوٹی سپاہی زادہ کے دل میں کئی ایک خیالات گزر گئے کہی چاہا کہ گھر کو
 واپس لوٹ جائے کہی چاہا کہ بیوی کے مکان پر واپس آنے تک اسکے دروازہ کی
 دلیہ کو چٹ کر اسکی نظر میں بیٹھ رہے۔ پھر خیال آیا کہ اسے صرف ایک دھڑکتے کی رخصت
 ہے ایسا نہ ہو مرد ہو جائے اور وہ کہیں تلاش کو بھل پڑے غرض ان خیالات میں نہ
 شہد درشت کے بعد یہ طوائفوں کے محلہ سے نکل کر بازار میں چلا گیا اور مصرعہ ارادہ کر
 لیا کہ ہوس ہوا اپنے مقصد کے پورا کر نیکی کو شش کو اتنی جلدی پہنیک دیا نہیک نہیں
 اندر سجھا "کی جلد تو درکنار اس کو اتنا ہی معلوم نہ تھا کہ اس راستہ کے سوا جہد ہر
 آئے تھا گھر کو لوٹ جائیکا اور بھی کوئی راستہ تھا۔ اس لئے بیچا سے کو اجنبی مسافروں
 کی طرح جا بجا کے دوکانداروں اور واگھنوں سے پوچھتا پڑا کہ اندر سجھا کا تھاتا کہاں
 جو آئے تھا اور واگھنوں سے پوچھتا پڑا کہ اندر سجھا کا تھاتا کہاں

نکت پہونچے میں ہمارے سپاہی زادہ کو ایک گھنٹہ سے زیادہ عرصہ لگ گیا مگر جوں توں کر کے
 وہ وہاں پہونچ گیا۔ مات کے راج چلے تھے تماشا گاہ کا بیرونی احاطہ کے پچھانک میں کر
 جہاں ایک بلوری فانوس آدیزاں تھا یہ کھڑا ہو کر کچھ دیر تک ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ تماشا
 گاہ کے منڈوے میں لوگوں کا ازدحام دیکھ کر کچھ متعجب نہ ہوا بلکہ اس کے چہرہ سے معلوم
 ہوتا تھا کہ ایسے تماشے شاید پہلے ہی کہیں دیکھ چکا ہو گا۔ یہ صرف اس سوچ میں تھا
 کہ اب اس طوائف کو کب تکی تلاش میں یہ اسکے مکان پر سے ہوا یا تھا۔ کیونکر پاس
 اور اگر بالفرض وہ نہ ملے تو پھر اپنے گھر کو کسکی رہنمائی سے جاسکے۔ بہر حال اس نے
 خدا کی ذات پر توکل رکھا اور اپنی بہت میں ثابت قدم رہا کہ جو پیش آئیگا اسکا
 اسوقت کیا جاوے گا اور اب منڈوے کے نزدیک جانیو قدم اٹھایا تو وہی قدم اگے بڑھا
 ہو گا کہ منڈوے کے درجہ سوم کے دروازہ سے کسی نے دوڑتے ہوئے نکل کر اور اس کے
 نزدیک پہنچ کر گھبرائی ہوئی آواز سے کہا بد نشان چلو۔ چلو۔ اپنے گھروں نکل چلے۔
 تھے فساد ہو جائیگا۔ میں تو مانعوں نکلا دیکھ لیا سی۔ چلو شتابی کرو۔
 پیارے ناظرین۔ یہ شخص بدر النساء کا میرا سی میرا بن تھا اور یہ کشمکش کا جسکا
 ذکر ہم نے پچھلے باب کے اختتام پر کیا ہے دیکھ کر اپنی جگہ سے نوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا کیونکہ
 اس نے بدر النساء کو چپ چاپ دروازے سے باہر نکل جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اور چونکہ
 بدر النساء اور ہمارے سپاہی زادہ کی ایک سی دستار لگی تھی۔ اور انکے قد و قامت میں
 بھی شباب بہت نہیں میراں بخش نے اپنی گھبراہٹ اور شمع کی مدہم روشنی میں ہمارے سپاہی
 زادے کو بھی بدر النساء تصور کر کے اس طرح پر اسکو بلایا تھا مگر جب اس نے دوبارہ غور
 کیا اور سپاہی زادے کی بات کا کچھ جواب نہ دیا تو یہ ہانکتا ہوا پہانک کے باہر بدر النساء
 کی تلاش میں نکل گیا۔ ہمارا سپاہی زادہ اپنی جگہ پر بت کی طرح کھڑا رہا۔ میراں بخش
 پہانک کے نام نہ نکلا سی تھا کہ لاہور منڈوے کے دروازے پر ایک شخص

نگلکا
 لفظ
 پہانک
 کو پہانک
 بدرا
 سر
 نکلتا
 کی ط
 دیوا
 جانب
 اسط
 کلاہ
 میٹھا
 دیکھ
 پھر
 پہانک
 نام
 اسط
 ہوا
 تھی
 نام

نکل کر چھرتی سو قدم اٹھا تا ہمارے سپاہی زادے کے پاس اکھڑا ہوا مگر وہ ایک دم
 لختہ ہی کھڑا رہ کر اور سپاہی زادے کی لنگی اور شکرل کو گھور کر دیکھنے کے بعد پھر تیز قدم
 پہاڑ کے دروازے کی طرف چلا گیا۔ پہاڑ کے باہر نکل کر اس نے ایک آہستہ آواز سے بدلتا
 کو بکارا مگر صدائے برتنی است۔ ہمارے ناظرین دیوان دینا ناخنہ صاحب سے جو
 بدلتا کے پیچھے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور اپنے دوستوں کو جیسا کہ بیان
 کرتے ہیں تماشا گاہ میں چھوڑ کر باہر نکل آئے تھے۔ میران بخش تو پہاڑ کے سوا باہر
 نکلتا ہی اس طرف کو چلا گیا تھا کہ جدھر سے براہم سماج کے آگے نکلے ہوئے لوہاری وارہ
 کی طرف چلے گئے۔ ہمارا سپاہی زادہ بھی دیوان صاحب کے پیچھے پیچھے چپ چاپ ہو گیا
 دیوان صاحب تماشا گاہ سے ۱۰۰ قدم ہی دور لب سڑک گھر ہو گیا۔ کہ انکو سڑک کی دائیں
 جانب کسی کی بے اختیار کھانسی کی آواز آئی۔ یہ اپنے قدموں پر فوراً رک گئے اور
 اس طرف کو چلے گئے جہاں سے آواز آئی تھی۔ ۱۵ قدم کے قریب اس طرف جا کر دیکھا تو ایک
 کلاہ ونگی پوش جوان افغان زادہ ایک گیلی بیغے لکڑی کے بڑے کنڈی رہائیس سڑک
 بیٹھا پایا۔ چاند غروب ہوتا جاتا تھا۔ مگر اس قدر روشنی ابھی باقی تھی کہ انہوں نے اس کے چہرہ کو
 دیکھ لیا انہوں نے اس شخص کی طرف گھور کر دیکھا اور پوچھا کون ہے بیٹھا ہوا جواب نہ دیا
 پھر پوچھا کون ہے۔ بولتا کیوں نہیں؟ اب جواب ملا وہی جسکو تم نہیں جانتے؟ آواز کو
 پہچان کر دیوان صاحب بولے 'اٹو۔ بد نشان سیگی ہاویں؟'
 ناظرین کو واضح ہے کہ سب گفتگو ہمارا سپاہی زادہ سڑک پر کھڑا ایک تخت کی
 آڑ میں چھپاؤ میں رہا تھا۔ دیوان صاحب کے سوال پر جواب میں افغان زادہ اٹھ کھڑا
 ہوا اور اٹھتے ہی دیوان جی کی چھائی سے چھٹ گیا اور زار زار رونے لگ پڑا۔ بدلتا
 تھی روتے روتے اس نے کہا 'وہ تیس تباہے وہ چکر بیٹھے ہو مینوں کو سزا
 نال میری تے جان بس ملی گئی سی؟'

دیوانہ صاحب حیرت زدہ ہو کر پوچھنے لگے "مگر یہ معاملہ کی سیجھا۔ تو انہیں انہیں
 چھٹا ناں 'نیال' تماشادیکھیں کس طرح آگئی! بدرالنساء دیوانہ جی کی چھاتی سے الگ
 ہو کر ڈھسکتی ہوئی بولی "تمہیں مہربانی کہتے رہتے ہیں چلے جاؤ تے مکان اسے چل کے
 میں اپنی مصیبت تو ہاتھوں و سانگے اتنا کہکدردالنساء نے تماشا گاہ کی طرف جوں نظر کی
 تو دیکھا کہ درجہ خاص ٹلے دروازہ سے دو چار آدمی باہر نکل رہے تھے جان گئی۔ کہہ
 چلے آنے کے بعد سب باری باری گھر کو کافر ہو رہے ہیں۔ اس لئے دیوانہ صاحب
 سے کہہ کر کہا کہ "اوہ دیکھ لیو تو ماڑے پھر سارے باش ہی باہر نکل آئے ہیکے جے؟"
 دیوانہ دینا نا کھ صاحب کو اس قسم کے عشق میں کہہ جیسے وہ پہنچے ہوئے تھے۔
 کچھ تجربہ کار نہ تھے۔ مگر پھر بھی بات کو سنکر سمجھنے سوچنے کی عقل تو رکھتے تھے۔ انگریزی کی
 تعلیم میں ڈگری یافتہ تھے عشق کی داؤگھات کے مختلف فسانے پڑے ہوئے تھے۔
 معشوقوں کی دلفریب باتوں کا حال گولپنے تجربہ میں ابھی تک دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا
 مگر ہاتھ نہ مانے کی گفت و شنید سے تو بخوبی جان چکے تھے کہ "ایک معشوق اور لاکھ فریب"
 اور معشوق بھی پھر کون! ایک ظریف! کہ جس کو طرح طرح کے انخاص سے ملنے اور مختلف
 حنائیں میں بیٹھنے سے ہزاروں چیز تر حال ہو جاتے ہیں۔ بدرالنساء کا یہ فقرہ سنکر
 دل ہی دل میں سمجھ گئے کہ بدرالنساء ایک تو چور ہے اور وہ سری چتر ہے "موقع
 کو ماننا چاہتی ہے بات کو بنانا چاہتی ہے اور اس وقت یہاں سے کترانا چاہتی ہے
 یہ سب کچھ بیان ہو چکے کہ دیوانہ صاحب نے "جواب دیا۔ میں تمہیں کہتے ہے چلیاں تو
 اپنا بندے نالی جاتے نہاں نال تماشا دیکھن آئی ہیکے سی۔ بدرالنساء اس فقرہ کو
 دل میں سمجھ رہی تھی مگر اس نے اپنا دل مضبوط رکھا اور مسکرا کر کہا۔
 جناب عالی۔ میں جہاں نالی آئی ہیکے سی اوہ گئے جہنم نوں۔ انہاں نال جاناں
 ہونداتے میں انہاں نوں چھٹکے آپ نل ملکی کیوں چلی آؤند سی دیوانہ

سے پوچھا تو پھر میں بیٹوں کی توں کہندی بیگنی۔ بدر النساء نے پھر مسکرا کر کہا حضور
 دی خدمت چوچ ایہ عرض لے کہ حضور میرے نال میرے مکان یا اپنے مکان لے
 تشریف لے چلوئے میں ایہ ساری بیٹی تو مانوں چل کے سناواں دیوان جی کچھ
 کہنے کو تھے کہ شرک پر سے ایک فٹن گاڑی تماشا گاہ کی طرف سے شاہ عالمی دروازہ کو
 گزر گئی۔ یہ شہزادہ خیر محمد خان صاحب کی بیٹن تھی جس پر وہ معہ اپنے رفقاء کے بیٹھے
 فارسی زبان میں بدر النساء کے اچانک گم ہو جانے کی وجہ پر بحث کرتے اپنے مکان کو
 جارہے تھے گاڑی چل گئی اور بدر النساء کی جان میں جان آئی۔ دیوان جی نے کہا
 ”تیرے پٹھان بارتے پھر نشان نیری ہی بابت کلاں کرے جانے سے بیگنے توں
 کہو میں نے میں گہی نوں کہلوالاں۔ کتینوں بھی پڑھالین۔“ بدر النساء دل شکستہ
 ہو کر بولی ”جی ماں میں بہلا گیاں اونے کدی چڑھی آں بدر النساء اپنے دل میں
 سمجھ گئی کہ دیوان صاحب سے باتوں بکاتوں میں بگڑ جائیگی۔ کیونکہ وہ جان گئی تھی کہ
 دیوان صاحب کے دل میں اسکی طرف سے بیوفائی کی گرہ بندہ گئی تھی یہ سچاری اسلئے
 دیر تک اپنے نو آموز دوست کی کڑی چوٹوں کو سہتی رہی۔ بہت سی شکوہ شکایت
 کی باتیں ہوتی رہیں دیوان جی نے سینکڑوں طعنے دیئے معشوقوں کی نرالی چالوں کا
 ذکر کیا۔ ناولوں اور قصانوں کے حوالجات دیگر عورتوں کی بیوفائی کو ثابت کیا۔ مگر
 بدر النساء سن کر خاموش رہا کی اور آخر کار دیوان جی بقول شخصے کہ نہ تاپ
 وصل ودم نے طاقت جدائی۔ اپنی معشوقہ کو ساتھ لئے شہر کھڑے لب شرک چل پڑے
 ہمارا سپاہی زاوہ بھی ان دونوں کے پیچھے پیچھے چپ چاپ ان کی باتوں کو سنتا چلا
 جا رہا تھا۔ دیوان صاحب تو بالکل بیخبر اور غصہ سے بہرے ہوئے تھے خیالات میں محو
 جارہے تھے مگر بدر النساء قدم قدم پر دیوان جی سے نظر بچا بچا کر آگے پیچھے اور اوپر
 اوپر آنکھیں پہاڑ پہاڑ کر دیکھتی دیکھتی رہ جاتی تھی۔ کہ شاید اسکے عشاق میں سے کوئی کہیں

اسکی تاک میں بیٹھا ہوا اور دیوان کی اس سے ٹھہر ہو جائے تو عجب آفت مچ جائے اپنے
عشاق میں سے تو بدر النساء کو کوئی ہی نظر نہ آیا۔ مگر تھوڑی دور جا کر ہمارے سپاہی نے
کو اسے تعاقب میں نقش قدم آتے دیکھ لیا۔ اب یہ شاہ عالمی دروازہ کے باہر بارغ کی دیوار
کے پاس پہنچ گئے تھے۔ بدر النساء کو ہمارے سپاہی زادہ کے دراصل عورت ہونے کا
دہم یگان تک ہی نہ تھا اس نے جانا کہ کوئی شریف زادہ طفل مکتب تماشا دیکھ کر
آرما ہے چاہتی تھی کہ دیوان صاحب کی توجہ کو اسکی طرف مبذول کر لے کہ کسی نے ایک
طرف سحرین یا بھوت کی طرح نمودار ہو کر چاری کی دائیں کلائی کو اس زور سے پکڑ
کر ایک جھٹکادے ڈالا کہ نزاکت سے اس کے بدن کا بال بال دوہرا ہو گیا جھٹکا
کھاتے ہی بدر النساء کی ایک زور کی بے اختیار جھجھک نکل گئی اور وہ اپنے صبا کی شکل
کو دیکھتے ہی غش کھا کر زمین پر گر پڑی۔ ایسا بے رحم سلوک کرنے والا شخص یہی ویسے
ہی افغانی لباس میں ملبوس تھا جیسا غنیمت آبادر النساء نے زیب تن کیا ہوا تھا۔ اُسے
بدر النساء کو زمین پر بیہوش گرتے دیکھ کر بڑی کشتی سے اپنے دانت پیسنے سوئے پکارا
”ہیمیر او دغا باز! بمیر“

ناظرین یہ شخص شہزادہ خیر محمد خان تھا وہ اپنے رفقا کو گاڑی میں بٹھلا کر انکے
مکان پر جو موچی دروازہ کے متصل واقع تھا پہنچا کر اور اپنی گاڑی کو کوچیان کے حوالے
چھوڑ کر وہ صطیل میں لیجائے خود پایادہ لب سڑک پھر تماشا گاہ کو اس نیت
سے واپس لوٹ کر آ رہا تھا کہ جسطرح سے ہو سکے بدر النساء کا سرخ ڈھونڈ نکالے اس
یقین تھا کہ بدر النساء یا تو اپنے کسی دوست کے ساتھ جسکی خاطر کردہ انکھیں بچا کر
نکل گئی تھی ان لوگوں نے اتفاقوں کے چلے آنیکے بعد رات بھر تماشا دیکھے گی اور
یا اپنے مکان کو چلی جائیگی۔ بہر حال شہزادہ صاحب کا ارادہ تھا کہ رات بھر اس
رنڈی کی تلاش میں گذر دے اور اپنی جان پر بھی کھیل کر اس کو اور اسکے ایسے

آئندہ کو جو انکی راحت میں رنج کا باعث ہو حاضر و تہور بہت مزہ چکھائے گا۔ اس خیال میں مصروف یہ لب سڑک آ رہا تھا کہ بدر النساء کی آواز اسے سنکر پہچان لی۔ نر ویک اگر اسکی وہی افغانی پوشاک جو اس نے اسکو پہنائی تھی دیکھا اور ایک غیر شخص یعنی دیوان دینا ناتھ کے ساتھ آتا پا کر نہ صرف یقین ہوا کہ بدر النساء ہی بلکہ اس کے بال بال اور رگ وریشہ میں افغانی خون موجزن ہو گیا۔ جبکہ نتیجہ ہوا کہ بدر النساء بیہوش زمین پر گر پڑی۔ جب شہزادہ صاحب اپنا کلمہ بمیراودغا باز اہمیر کہ چکے تو دیوان صاحب اپنے افغان رقیب کے پنجہ کو اپنے پنجہ میں مضبوط کر کے اسکو اپنی طرف کھینچا۔ اور عدد کی طرح گرجتے ہوئے پوچھا "ایک تو کبیتی او ناما معقول" شہزادہ خیر محمد خان نے دیوان دینا ناتھ کے پنجے سے اپنا پنجہ زور سے چھڑا کر اسی غصہ کی آب و تاب سے کہ جس میں وہ تھا۔ جواب دیا۔ "من ام پدرت او شیطان"۔

اُپس کی سخت کلامی نے دیوان صاحب اور شہزادہ صاحب میں ہاتھ پائی کرادی۔ پورے پاؤ گھٹنے تک یہ دونوں آپس میں کشتی لڑتے رہے اور آخر کار شہزادہ خیر محمد خان کو "بیس چھوڑ دے۔ ہم نہیں لڑے گا" کے الفاظ منہ سے نکالنے پڑے۔ یہ الفاظ ایک افغان کے منہ سے ایک ہندو کے آگے کبھی نہ نکلتے۔ مگر امر مجبوری تھا۔ شہزادہ صاحب کی طاقت جسمانی لاہور کی طلیفوں کی بدولت برباد ہو چکی تھی۔ اور اب صرف جوش ہی جوش باقی تھا جو تہوڑی دیر تک لڑہٹ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ برخلاف اسکے دیوان دینا ناتھ ابھی تک اپنی قوت اور طاقت میں بال بال بچا ہوا تھا بلکہ وہ دن بر دور دل پر تھا۔ وہ خیر محمد خان کی اس التجا پر اسکو چھوڑ کر الگ ہٹ گیا اور بولوا "کیوں" اور کچھ کسر باقی ہو پھر خیر محمد خان دم لیکر بولا "بس بابا تم جیت گیا۔ ہم مار گیا۔ ہمارے یہ پیرا آت آتس نے اپنی فوجیابی کی خوشی میں اپنی معشوقہ کو بھی شریک کرنے کے لئے اسے بلایا"۔

پھر جواب نہ دارو۔ اور ہر ادھر دیکھا بچھا لا کر بدر النساء کو کہیں نہ پایا۔

خیر محمد خان بولا "اوپا با۔ رشتہ می کسی کا یا نہیں؟"

دینا ناتھ بڑے غصہ اور جوش میں "اچھا۔ اچھا۔"

دو تین منٹ اور ادھر ادھر دیکھ بھاگ کر دینا ناتھ طیش میں بھرا ہوا دال سے
لوہاری دروازہ کی طرف چلا گیا۔ خیر محمد خان دہلی دروازہ کی طرف
لب سڑک نکل گیا۔

خیر محمد خان کو یقین تھا کہ بدر النساء یا تو کہیں راستہ میں ہی مل پڑیگی
اور یا اس کے مکان پر پہنچ گئی ہوگی۔

دینا ناتھ کو اپنی جگہ بھروسہ تھا کہ بدر النساء وہ گم فساد دیکھ کر کتر اگئی ہے لیکن وہ
مضروب سے کہیں نہ کہیں سے کیلی غرض دیوان صاحب لوہاری دروازہ کے باہر نہر کے
بل پر پہنچ گئے مگر بدر النساء کو کہیں نہ پایا اور بانا امید ہو کر اپنے مکان کی طرف قدم
بیز کوئے لگ گئے تھے کہ یکایک پیچھے سے کسی نے آکر ہستہ سے انکے شانہ پر ہاتھ بٹک کر کہا۔
"سلام" دیکھا تو بدر النساء سے دیکھتے ہی دیوان جی غصہ وغیرہ آن کی آن میں فرو ہو گیا
بغلگیر ہو گئے اور دیر تک سینہ کی آگ بجھانے رہے۔

ہمارا سپاہی زادہ ہی یہ تماشا دیکھ رہا تھا کہ ان سب کی نظروں سے ایسا بچتا رہا
کہ کیا بیان کریں۔

مٹی بازار میں پہنچ کر دیوان جی نے بدر النساء سے کہا کہ "ہر قسم سادے اسی طرح
آرام کرو۔ ایسے دیے گھر کھتے جاؤ گے" مگر بدر النساء نے انکار کیا۔ دیوان جی نے اس کے
انکار کو اقرار بنائی بہت کوشش کی مگر خدا جلنے اسے کیا ہو گیا۔ اس کے منہ سے "ہاں"
نہ ہی نکلی البتہ آئندہ پہلی اقرار معاہدہ ہو گئے اور آخر کار یہ ایک دوسرے سے جدا
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

چھٹا باب

عبرت

دیوان دینا ناتھ اپنے مکان کی ڈیوڑھی کے آگے کھڑے ہو سوچ رہے ہیں کہ دروازہ کھلو کر اوپر چلے گئے تو پھر گھر سے بلکنا مشکل ہو جائیگا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ بدر النساء کے پیچھے اس کے مکان پر چلے چلیں؟

ناظرین

آپ حیران ہو گئے کہ دینا ناتھ ایک طوائف کے وصل کی خواہش میں اس قدر کیوں سرگرداں تھا؟ یوتھنوں کا سودا تھا جسے گرہ ہلکی کی اپنی مراد پائی۔ مگر آپ کو واضح رہے کہ ہمارا بتی۔ اے کسی اور دھن میں تھا اور اپنے دل میں کہتا تھا کہ اس طرح پر وصل حاصل کرنا بے لطف اور پھیکا ہو گا۔ پھل کو شجر کی شاخ سے اپنی محنت سے توڑ کر کھانے سے جو ذرہ آتا ہے وہ اسی پھل کو عام طور پر خرید کر کھانیے نہیں آتا۔ اُسے تو مضمر اودہ کر لیا تھا کہ بدر النساء کے چہرے و لکشمی کی بہار گھمیں بکراڑائے۔ بلکہ اسے ہمیشہ کیلئے دلو اور بنائے۔

آن کی آن میں کسی ارادے ہوئے مگر پکا ایک ہی نر بنا کرتے ہیں کسی نے ایک طرف سے اگر دیوانہ صاحبؔ بندگان کی جناب کہا۔ دیوانہ صاحب نے ہی بداب میں بندگی جناب کہا اور اس کی طرف گھور کر دیکھا۔ پوچھا آپ کی تعریف معاف رکھئے۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔ یہ ہمارا سپاہی زادہ تھا۔ اس نے کہا۔ آپ جھکوں نہیں جانتے۔ مگر میں آپ کو تھوڑا بہت جانتا ہوں۔

دینا ناتھ۔ آپ کی مہربانی ہے۔ فرمئے۔ ارشاد۔

سپاہی زادہ۔ کیا آپ خدا کے لئے میرے ساتھ پندرہ منٹ کیلئے بات چیت کر سکتے ہیں؟

دینا نامتھہ (مسکرا کر) واہ کیوں نہیں۔ آسے اندر چکر نشریف رکھئے۔

سپاہی زاوہ: "نہیں میں اندر نہیں جاؤں گا۔ یہ کہہ کر اس نے دیوان صاحب کے مکان کی دیواروں اور چوٹی کو ایک آہ لیتے لیتے نظر اٹھا کر دیکھا اور پھر کہا: آپ گلی میں میں ہی آکر کھڑے رہیں تو آپ کی بڑی مہربانی۔"

دینا نامتھہ پھر مسکرا کر اچھی بات۔ مجھے کوئی عذر نہیں۔

سپاہی زاوہ: "کیا آپ مجھ کو وعدہ لیکن اپنے دھرم سے وعدہ دے سکتے ہیں کہ جو کچھ میں آپ سے پوچھوں اس کا جواب آپ دھرم سے سچے طور پر دیں گے؟"

دینا نامتھہ ایک دفعہ مسکرا کر انہیں: "مجھے جھوٹ کہنا خود برا معلوم ہوتا ہے۔"

سپاہی زاوہ: تو پھر آپ بتلائے کہ آپ کی بدر النساء سے کتنی دیر سوا شنائی ہے۔

یہ سوال سن کر دیوان صاحب گھر گئے اپنے دل میں کہا کہ یہ کون ہے اور اسے کس کا

خبر ہے کہ میں بدر النساء کا آشنا ہوں پھر سوچا کہ شاید یہ بھی بدر النساء کا کوئی دوست

ہو۔ پھر خیال آیا کہ شاید اس بچھان کا کوئی آدمی ہو۔ پوچھا: مگر بے ادبی معاف یہ تو

آپ بتلائیں۔ کہ آپ کون ہیں؟

سپاہی زاوہ: میں آپ کا اپنا آدمی ہوں آپ کا خادم ہوں۔ بلکہ یوں کہوں کہ

کادلی خیر خواہ ہوں۔ آپ بیشک میرے سوال کا جواب دیجئے۔

ہمارے سپاہی زاوہ کی اس تقریر میں کچھ اثر تھا کہ دیوان جی کا دل جھٹ بیٹھ گیا کہ

کہ جو کچھ کہا ہے سچ ہے۔ کہا آپ سچ پوچھتے ہیں تو یہ عرض ہے کہ میں بدر النساء کو جانتا

تو بہت مدت سے ہوں مگر بات چیت میری اسکے ساتھ صرف آج ہوئی ہے۔

سپاہی زاوہ (کھنٹی ہوئی زبان سے) کیا آپ نے اپنے چال چلن کو تو ابھی تک

نہیں بگاڑا میرا مطلب آپ شاید سمجھ گئے ہوں گے۔

دینا نامتھہ میں سمجھ گیا ہوں سناں ایمان۔ کہہتا ہوں کہ میرا اسکے ساتھ کوئی تعلق نہ

ابھی تک نہیں پڑا +

سپاہی زادہ: کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا ایسا تعلق اسکے ساتھ پیدا ہو جائے؟
دینا ناتھ: میں اس کا کیا جواب دوں؟

سپاہی زادہ: سوچو کچھ آپ کا دلی ارادہ ہو؟
دینا ناتھ: لیکن آپ اپنی تعریف کیجئے کیونکہ مجھے یقین ہے میں سو کوئی دشمن نہیں کہتا۔
سپاہی زادہ: میں کہہ چکا ہوں۔ میں آپ کا خادم ہوں۔ میں آپ کی عزت کو اپنی اور
آپ کے والدین کی عزت کو اپنے والدین کی عزت جانتا ہوں۔

دینا ناتھ: تو پھر میں کیا کہوں؟

سپاہی زادہ: سوچو کچھ آپ کا ارادہ ہو؟
دینا ناتھ: ارادہ تو یہ ہے کہ بد النساء کے وصل سے ضرور سرور ہوں۔
سپاہی زادہ: مجھے آپ کو زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں مگر آپ یہ یقین کر لیں
کہ اگر آپ اسکے ساتھ تعلق پیدا کیا تو آپ سخت نصیبت اٹھائیں گے۔
دینا ناتھ: ہاں یہ تو قاعدہ ہی ہے کہ ایسے کام کا نتیجہ ہمیشہ برا نکلا کرتا ہے۔
سپاہی زادہ: یہ سچی بات تو پھر آپ اپنے دھرم کا مجھے سچا وعدہ دیں کہ آپ جب تک
میرے ایک خط کا جو میں شاید کل یا پھر سولہ تک آپ کے پاس بھیج دوں گا۔ جواب نہ دیں تب تک آپ
بد النساء کی تسکین ہی نہ دیکھیں گے۔

دینا ناتھ: اس میں مجھے کوئی غور نہیں۔ یہ بڑی نصیحت نہیں۔ مگر آپ تو فرمائیے کہ آپ کو کس
سپاہی زادہ: وہ ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا۔ اب آپ میرے ایک دو اور سوالات
کا جواب دیجئے۔ میں آپ کا زیادہ سوچ نہیں کرنا چاہتا۔
دینا ناتھ: خوشی سے فرمائے۔

سپاہی زادہ: آپ کو معلوم ہے وہ بد النساء والا مقدمہ؟

دینا ماتھہ "ہاں"

سپاہی زادہ "کیا اس شخص کی موت کا باعث بد رالنسا رہی؟"
دینا ماتھہ "جہا تک مجھے معلوم ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ بد رالنسا بیگناہ تھی۔"
سپاہی زادہ "کیونکر وجہ؟"

دینا ماتھہ "اس سے بڑھکر اور کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ اس رات کو جس رات یہ واردات
ہوئی تھی تو بد رالنسا بیچاری ہمارے ایک دوست کے ہاں حجاز کرنے کیلئے موجود تھی۔"
سپاہی زادہ "مگر سپرنٹنڈنٹ پولیس نے جو بیان دیا ہے ہمیں اسنے کہا ہے کہ
اسی مطلب کے لئے حجاز کرنے چلے گئی تھی کہ اسکے گھر میں ہنسنے سے راز فاش ہو جائیگا۔"
دینا ماتھہ "غلط ہے۔ اس بیچاری نے گنگارام کے پاس دوپہر کی وقت اپنا آدمی بھیجا
تھا کہ رات میرا حجاز کرادے۔"

سپاہی زادہ "اور کوئی وجہ؟"

دینا ماتھہ "اور وجہ یہ ہے کہ جس خوشی اور دلی آرزو سے اسنے ہم لوگوں کے سامنے
ناچا گایا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ اسے کئی قسم کا فکر نہ تھا۔ اگر کسی کو وہ مار کر مار
ہوتی تو اس طرح دل کھول کر کہی نہ گا سکتی۔"

سپاہی زادہ "تو پھر کس شخص نے مارا؟"

دینا ماتھہ "میرے صاحب جان نے مارا۔"

سپاہی زادہ "کیا آپ مجھے پھر بھی مل سکتے ہیں؟"

دینا ماتھہ "جو وقت آپ کا جی چاہئے۔"

سپاہی زادہ "کیا آپ میرے خطوں کا جواب دیتے رہیں گے؟"

دینا ماتھہ "بڑی خوشی سے۔"

سپاہی زادہ "تو میں پھر آپ سے اجازت مانگتا ہوں آپ کو یہی دیر ہوتی ہے؟"

دینا نامتھ۔ مگر آپ اپنا نام پتہ تو بتلا جائیں۔
 سپاہی زاوہ۔ آپ کو رفتہ رفتہ سب کچھ معلوم جائیگا۔
 دینا نامتھ۔ تو پھر آپ کب تشریف لادیں گے۔
 سپاہی زاوہ۔ میں یہی نہیں کہہ سکتا۔
 دینا نامتھ۔ آپ عجب قسم کی باتیں کرتے ہیں۔
 سپاہی زاوہ۔ ام مجبوری ہے۔ معاف فرمائے آپ کو سب حقیقت معلوم ہو جائیگی۔
 دینا نامتھ۔ مگر وہ شخص جو قتل ہوا تھا۔ کون تھا؟
 سپاہی زاوہ۔ وہ میرا قریبی رشتہ دار تھا۔
 دینا نامتھ۔ اُن۔ تو یہ کہتے تھے بڑا خوبصورت جوان تھا۔
 سپاہی زاوہ۔ میرے سامنے آپ اسکا ذکر نہ کریں۔
 دینا نامتھ۔ اچھی بات۔ مگر یہ تو بڑا عجیب واقعہ ہوا کہ آپ اپنا نام تک نہیں
 بتلاتے یہ تو باتوں کا سا واقعہ ہو گیا۔
 سپاہی زاوہ۔ دنیا میں کئی ایک ایسے واقعات ہوا کرتے ہیں۔
 دینا نامتھ۔ سچ ہے۔ بیشک۔
 سپاہی زاوہ۔ سزا پانے قدموں سے دو قدم چھپے ہیں کہ اوہا تھے پر ماتھ رکھ لکھ
 "بچے پھر بندگی۔"
 دینا نامتھ۔ چاہتا تھا کہ اسکے ماتھ سے ماتھ ملا کر بندگی کہے مگر ہمارا سپاہی زاوہ بچہ
 ہٹ کر اتنی دور کھڑا ہو گیا کہ آپس میں ایک دوسرے کا ماتھ نہیں مل سکتا تھا۔ دینا نامتھ نے
 کہا "بندگی" سپاہی زاوہ اپنے گھر کو روانہ ہوا اور دیوان صاحب اپنے گھر میں داخل +++
 کوٹھے پر جا کر دیوان صاحب پلنگ پر لیٹے لیٹے دیر تک ہمارے سپاہی زاوہ کی بابت سوچتے
 رہے کہ وہ کون تھا اور کس طرح دلیرانہ طور پر اس کے اس قسم کے سوالات

کرنے کا کیا مطلب تھا۔ مگر کچھ یہ معلوم نہ ہوا اور چونکہ رات بہت چلی گئی تھی۔ اسلئے نیند آگئی اور سو گئے۔

اگلے دن دس بجے کے قریب دیوان دنیا ناٹھہ کہا نارادہ کہا کر دیوان خانے میں بیٹھ ہوئے کتاب دیکھ رہے تھے کہ نہالنے میز پر سے ایک لفافہ اٹھا کر انکو لگے رکھ کر کہا یہ لالہ رام کیشن ہوٹن دانو کر چٹھی دے گیا سی۔ دیوان صاحب نے لفافہ کھول کر چٹھی کو پڑھا تو اس میں تریل کا مضمون لکھا پایا۔

”مالی ڈیر دیوان صاحب۔

”بندگی۔ زیچ شریف۔ آج شام کو تیر سنگہ کے باغ میں ایک بوتنگ پارٹی ہے۔ تھوڑا بہت ناشتا ہوگا اور پھر ناچ رنگ میرے کئی ایک دوستوں سے آج بحث ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ دیوان دنیا ناٹھہ صاحب شریک محفل نہیں ہونگے۔ میں نے کہا۔ وہ ضرور تشریف لائیں گے۔ اب آپ پر دبا رہے آپ آئیں یا نہ آئیں۔ اگر تشریف لے چلنے کا ارادہ ہو تو میں اور لالہ گنگا رام آپ کو گاڑی میں سوار کر کے شام کو لے چلیں گے گانے کے لئے بدرالنسا اور امرتسر کی مشہور گویا خیر النشار وغیرتساں کو مدعو کیا گیا ہے۔ آپ ضرور تشریف لائیں سے نفیست شریعت دوستان۔“

جیو ناب کا منتظر

لالہ رام کیشن

دیوان صاحب نے رقعہ پڑھ کر اپنے دل سے مشورہ طلب کیا کہ چلیں یا نہ چلیں۔ حضرت لالہ بدرالنسا کے تمام پر زبان ہوتے تھے وہ انکار کر سکتے صلاح دی کہ ضرور چلنا چاہئے چنانچہ نہالاکے ماتھے دیوان صاحب نے لالہ رام کیشن وکیل کے ہاں کہا اسیجا۔ کہ جب شام کو آپ اس طرف سے ہو کر گذریں گے تب آپ کے رقعہ کا قطعی جواب دوں گا۔

یہ پیغام دیوان صاحب دیکر پھر کتاب دیکھنے لگ گئے مگر کتاب کی طرف متوجہ نہ تھے

انہیں ابھی پندرہ منٹ بھی نہ ہوئے ہوتے کہ لاکھنگار ام صاحب نثر لے آئے
 بڑے تپاک سر ملے اور ان دونوں دستوں میں ذیل کی گفتگو ہوئی اس گفتگو کے
 لب لباب کو ہم اردو زبان میں درج کرتے ہیں۔

لکھنگار ام: آپ کو معلوم ہے میں آپ کے پاس کیوں آیا ہوں؟
 دینا ناتھ: (مسکراتے ہوئے) آپ کا اپنا مکان ہے۔ کیا کوئی خاص وجہ ہے خیر یا شہ؟
 لکھنگار ام: دیوان جی۔ میں اس وقت بڑی مصیبت میں ہوں۔ میں چاہتا
 ہوں نہ ہر کھا کر جاؤں۔

دینا ناتھ: کیوں؟ کیوں؟ کیا ہوا؟
 لکھنگار ام: میں جو کچھ آپ سے کہنا چاہتا ہوں اسکی بابت آپ اگر وعدہ دیں کہ آپ
 کسی سے ذکر نہ کریں گے تو یہ بیان کروں۔

دینا ناتھ: بیشک۔ مجھے اپنی جان کی قسم۔ میں کسی سے ذکر نہ کروں گا۔
 لکھنگار ام: تو پھر آپ میری طرف متوجہ ہو جائیں اور سنیں۔
 دینا ناتھ: اچھی بات۔ آپ فرمائیں۔

لکھنگار ام نے اپنی مصیبت کا حال حسب ذیل بیان کیا۔

”آج صبح میں رام کشن اور بالکرام بیٹھے ہوئے تھوڑے کرے تھے کہ رات کو شہر سنگھ
 کے باغ میں ایک ایوننگ پارٹی کریں شاید آپ کو وہ ہمارا قحبہ بھی ملے ہو گا۔ غرض جلسہ کی
 تیاری کا سب سامان ہیا کرنے کیلئے بند و بست وغیرہ کے بعد میں اپنے مکان کو چلا آیا۔
 آپ کو شاید معلوم ہے یا نہیں۔ میری والدہ چھ سات مہینے سے اپنے باپ کے ہاں ہی
 رہتی ہے۔ وہ مجھ سے کچھ ناراض ہے۔ لیکن اسکی ناراضگی کو میں نے فرو کر دیا تھا کہ
 کر لیا ہوا ہے یعنی وہ کہتی ہے کہ جتنک مجھے یقین نہ ہو جائے کہ تم شراب اور رندی
 بازی کو چھوڑ بیٹھے ہو جتنک میں تمہارے ہاں بالکرام کو ملے۔“

بیتنے اسکی پوری تسلی کر دی ہے کہ میں سب باتوں سے کنارہ کر چکا ہوں
 دینا نا تھہ ربات کو کاٹ کر تبے ادبی معاف دوسرے کل آج شام کو شاید آپ
 کنارہ کریں گے۔

لالہ گنگا رام ہی برائے نام سکھ اڑے اور بولے :-

”غیر آپ بات نہیں تو سہی غرض بیٹنے اسے اب ہر طرح سے راضی کر لیا ہے بلکہ میں نے
 اس عورت کو بھی (وہ جسے آپ اس رات شراب پیٹتے دیکھ کر آئے تھے) اپنے مکان پر
 لے کر رک دیا ہوا ہے اور اب وہ میرے ہاں نہیں آیا کرتی یہاں تک کہ کل رات میں نے
 نمائش میں چلنے کیلئے اسے اپنے ہاں برا بھیجا۔ مگر وہ آئی اور اسنے کہا کہ تم میرے مکان
 پر چلے آؤ۔ میں اب نہیں واپس آیا کروں گی۔“

یہاں دیوان دینا نا تھہ نے پہلا لالہ گنگا رام کو روک لیا اور پوچھا کہ ہاں وہ تو
 آپ نے ابھی تک بتایا ہی نہیں کہ وہ عورت کون ہے اور سچ پوچھو تو بارے مردانہ لالہ
 کیسا عمدہ سجتا ہے رات تمنا میں مہرتک میں اسے مطلقاً نہ پہچان سکا ہوں
 تو وہ کون ہے۔“

گنگا رام نے کچھ سوچ کر ”آپ اتنا رام کو تو جانتے نہیں نہ۔“

دینا نا تھہ :- وہ گورا پنلا سا لڑکا جو آپ کے ہاں بیٹھا تھا۔“

گنگا رام :- بس بس بس وہی۔“

دینا نا تھہ :- اچھا تو اسکی وہ کچھ لگتی ہے کیا؟

گنگا رام :- شہی۔ ہر دائیں دینے وہ اسکی عورت ہے۔“

دینا نا تھہ :- لیکن آپکی اس سے کس طرح میزان مل گئی؟

گنگا رام :- یہ سب باتیں دیوان چھی خوشی کے وقت سنانے والی ہیں۔“

دینا نا تھہ :- اور اس کو تسناغم ہے۔“

گنگا رام۔ آپ میری پہلی بات ختم ہو لینے دیں۔ آپ کو خود معلوم ہو جائیگا۔
 دینا ماتھہ پر اچھی بات۔ مجھے معاف کیجئے اور فرماے۔

گنگا رام۔

میں نے ہی سچ پوچھیں تو اب ارادہ کر لیا ہے کہ جہاں تک ہو سکے ان دواہیاتوں سے
 بیز کیا کروں۔ اب سنئے کہ میں جب مکان پر آیا تو دواہیاں میرے سرال سے ایک آدمی،
 بابا اور میری انتظاری بن بیٹھا تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ آپ جلدی میرے ساتھ چلیں
 دواہیاں آپ کو نہایت ہی ضروری کام کے لئے بلاتے ہیں۔ اس سے بہتر اچھا کہ ایسا کون
 ضروری کام ہے مگر اس شخص نے کچھ نہ بتلایا۔ میں اس کے ساتھ ہولیا جب وہاں پہنچے
 وہاں اور میری ساس ایک کونہ میں لگے ہوئے در رہتے تھے۔ مجھے اندر داخل کر کے
 ہوں نے دروازہ بند کر لیا اور اس شخص کو بھی جو مجھے بلانے گیا تھا انہوں نے دور کر دیا
 ان کے پاس بیٹھ گیا۔ میری ساس روتی روتی بولی۔ بہن تے ماضی ہیگا اس نہ
 انوں تاں جیہڑا دوا کلبہ دا گناہی لگ گیا۔ پر تیرا ہی بن باقی کی رہیا۔ "ساس
 اس بات کا مینے ہرگز مطلب نہ سمجھا۔ اسلئے مینے اس سے مفصل کیفیت طلب کی
 موم ہوا کہ میری عورت کل شام سے کہیں غائب ہے۔ مجھ سے چوری میرے سرال
 سے مکان سے دریافت کر چکے تھے مگر اسکا پتہ نہ دار۔ کسی نے میری ساس کو
 ملایا ہے کہ تیری لڑکی امرتسر کی گاڑی میں کل شام کے وقت ایک آدمی کے ساتھ
 راجہ کو چلی گئی ہے۔ چونکہ اس کیفیت سے مجھ کو سر سے پاؤں تک لگ گئی تھی اور میری
 دل ٹھکانے نہیں رہی۔ اسلئے میں آپ کی اسے لینے کیلئے آیا ہوں کہ کیا کروں۔ اگر کچھ
 ہو سچ نکلا تو میرے لئے تو پاؤں رکھنے کو ہی کوئی جگہ نہیں میں کیا کرونگا۔
 دینا ماتھہ نے یہ قسم نہ کہ ایک سرواہ لی اور کہا۔ مائی ڈیر سچ پوچھو تو تم نے
 تو اس کے ساتھ کیسا برا سلوک کیا ہے کہچہ مہینے سراسر کی خبر تک ہی نہیں پوچھی

اور اس بیگانی عورت کو اس طرح گھر میں ڈالا ہوا ہے۔“

گنگا رام نے چپن چپن ہنسی کر کہا۔ ”دیوان جی۔ اب مجھے شرمندہ کرنا کتنا ہے میں آپ سے مشورہ طلب کر رہا ہوں۔“

دینا ناتھ رچا رچا ایک منٹ سوچ کر ”کیا یہ کل شام کا ذکر ہے؟“
گنگا رام۔ ”جی ہاں۔“

دینا ناتھ۔ ”کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ آپ کی عورت کا قدم قیامت کتنا اس کے خط و خال۔“

گنگا رام۔ ”میان قدم گورازنگ۔ موٹی موٹی آنکھیں اور ٹھوڑی پرانی نیلا تل عمر اسکی شاید بائیس تیس سال کی ہوگی۔“

دینا ناتھ۔ ”لیکن آپ نے یہ بھی پتہ لگایا کہ نہیں کہ آیا اسکی کسی تہہ نشانی تھی؟“
گنگا رام۔ ”قسم ہے پریشہ کی جو مجھے کچھ بھی خبر نہ ہو۔“
دینا ناتھ۔ ”کچھ مال متاع تو ساتھ نہیں لے گئی۔“

گنگا رام۔ ”مجھے اسکی یہی خبر نہیں۔ البتہ اسکے لپٹنے زیور تھے جو میں نے اسے نوازیئے تھے وہ کم از کم تین چار ہزار روپیہ کے تھے۔ وہ ضرور لے گئی ہوگی۔“
دینا ناتھ۔ ”آپ کے سسرال کے محلہ میں کوئی کٹنی بھی رہتی ہے؟“
گنگا رام۔ ”مجھ کو اسکا بھی علم نہیں۔“

دینا ناتھ۔ ”میں یہ باتیں اسلئے پوچھتا ہوں کہ کل شام کو جب میں تماشہ میں نہیں نے تیرا کے سرو کے ساتھ عورتیں دیکھیں کسی کی انتظار میں تھیں۔“
گنگا رام۔ ”چونکہ ان کی گفتگو پرکھڑا ہونے کو شاید کچھ عرصہ گزرا ہو۔“
دینا ناتھ۔ ”اس لئے میں بھی انکے تقاب میں چلا گیا۔“
گنگا رام۔ ”کل راستہ جا رہا تھا اسلئے وہاں پہنچا ہجوم تھا ایک تو انہیں سے بڑھ ہی تھی اور اسکی

س کی سی تھی۔ لیکن دوسری عین بعین اسی حلیہ کی تھی جو آپ نے مجھے ایسی بتلا دیا۔
 وہ دیر کے بعد ایک لمبا پتلا سا آدمی آیا اور وہ مندر کی طرف چلا گیا۔ مندر کے دروازے
 پر اس کی نظاری میں کھڑی تھی وہ اسے اندر لے گئی۔ چند لمحوں کے بعد وہ وینٹل مندر
 پہنچے گئے۔ جہاں وہ آدمی ایک گاڑی کھڑی کر گیا تھا۔ اس میں سوار ہو کر وہ وینٹل
 کے اسٹیشن کی طرف چلے گئے۔ میں جہاں تک خیال کرتا ہوں میں ڈرنا ہوں۔
 وہ ہی نہ ہو۔

کارام۔ لیکن اس آدمی کی بابت آپ کو کچھ خبر نہیں کون تھا؟
 کیا تھا۔ نہیں۔

یہ پرکارام۔ تو پھر اب کیا کرنا چاہئے؟

کیا تھا۔ ہاں ایک بات اور یاد آگئی۔ اس آدمی کو میں نے کٹنی سے آنا پوچھتے ہوئے
 سنا تھا کہ سال بھر یہی کچھ آئندہ امریکا سوچا نہ۔ اور کٹنی نے جواب میں شاید یہ کہا تھا کہ سب
 سے پاس بیٹھا۔

کارام۔ تو بس سارے زیورے لگئی۔

یہ کیا تھا۔ لیکن خدا خبر وہ کوئی اور ہو سلا پتھر ایسی کئی وارداتیں ہر روز ہوتی
 ہیں۔

کارام۔ نہیں جی۔ وہی ہو گی۔ خیر اب کیا کرنا چاہئے۔

یہ کیا تھا۔ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ابھی دو چار روز چپ رہیں۔

کارام۔ لیکن اگر کوئی پوچھے تو کیا کہیں۔

یہ کیا تھا۔ کسی سے ذکر ہی کیوں کر کرنا۔

کارام۔ مگر تاہم کسے۔

یہ کیا تھا۔ لیکن تم اپنے سسرال والوں کو کیا کہ آئے ہو؟

گنگا رام کو کچھ نہیں سمجھتا تھا کہ اس بات کا راز کسی پر فاش
 اور جینک میں واپس نہ آؤں وہ اس معاملہ کی ہوا تک بھی باہر نہ لگا لیں
 دینا ماتھہ تو پھر میری رائے تو یہ ہے کہ آپ اسی جگہ کہانا کھا لیں اور پھر
 کے ہاں جا کر انہیں جھوٹے سچ کہیں کہ وہ گھر میں آگئی ہے کہنتی ہے کہ میں
 سنبھلا کے امتحان پر ہلکتی سنتی رہی تھی۔“

گنگا رام تو پھر اسکے بعد :-

دینا ماتھہ اسکے بعد جو کچھ مناسب ہو گا کیا جائیگا۔ ہاں یہ بھی انہیں کہیں
 گھر سے اس طرح غیر حاضر رہنے سو بڑی ناموس ہے اور اب شام کو گھر میں آگئی۔
 تو ساس اور خسر کو سچ سچ بتا دینا کہ یہ بناوٹی بات بنائی ہے تاکہ شور و غل نہ
 اصل میں کہہ دینا کہ اسکی جستجو میں بہت سے آدمی لگائے ہوئے ہیں۔“
 گنگا رام نے اچھا یہ تو میں کہہ آتا ہوں لیکن اسکی جستجو کی بابت کس طرح کیا
 دینا ماتھہ نے تم کو یہ کہہ دیا کہ اور پھر میں اور تم ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے
 پر چلے پلٹے ہیں اس سے کہیں گے کہ جو کچھ عام طور پر اس ورگہ آدمی کے افشاء
 ہمیں نقصان پہنچنے کا احتمال ہے اور ممکن ہے کہ بہکا لیجا نیواڈا کوئی بار
 ہماری کارروائی کی اسے خبر کرے اسلئے آپ مہربانی کر کے امرتسر جانے
 انبارہ۔ ہلی جگہ پور تھلہ پٹھان کوٹ۔ ان سب جگہ افسر ان پولیس کے نام
 تاخیریں ہوتے چھ پر روانہ کریں جنہیں دونوں کا پورا پورا حلیہ سچ کیا
 کا پورا پورا سامہ بٹلا ہی دینگے۔ باقی رہا اس آدمی کا۔ سو مجھے جس قدر یاد ہے
 میری رائے میں صاحب بہادر کے لئے ایک ڈالی بھی لینے چلیں تو اچھا
 کے بعد خواہ آپ امرتسر چلے جاویں اور اگر کہیں تو میں بھی آپ کے ساتھ
 چلوں گا۔ اور باقی تحقیقات وہاں۔“

گنگا رام دتھو! ابھت دلیر ہو کر "لیکن آپ کو اس قدر تکلیف ہوگی..."
 دینا ناتھہ (مسکرا کر) اس کا آپ ابھی ذکر نہ کریں۔

گنگا رام "میں اسے تو آپ کے پاس آیا تھا کہ جو صلاح دیوان جی بتلائیں گے
 وہ ہی کہہ دوں گا۔"

دینا ناتھہ "لیکن آپ مہربانی کر کے ایک نوٹھیلا نہ ماریں اور دوسرا اس معاملہ
 کی ابھی کسی کو بطرح ہو سکے اطلاع نہ ہونے دیں۔"

گنگا رام "نہیں میں حتی الامکان حوصلہ ہی نہیں ماروں گا اور نہ ہی کسی کو اسکی
 خبر ہونے دوں گا۔ مگر سٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ مثلاً یہ کہہ کہ کو تال کے پاس جاؤ۔"
 دینا ناتھہ (مسکرا کر) وہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے اور اب آپ اندر چل کر تھوڑا بہت
 کھانا کھا لیجئے۔"

گنگا رام (کھڑا ہو کر) نہیں دیوان جی کھانا تو میں کھانا آیا ہوں۔ اب آپ بچے
 جازت دیں تاکہ میں بچہ آپ کے پاس واپس آؤں۔"

دینا ناتھہ نے دل میں سوچا کہ لالہ گنگا رام کے دل کو اس وقت سوئی کی روٹی پہنچانے کی
 اصرار کرنا محال ہو گا بہتر ہو گا اگر اس معاملہ کی بابت کچھ جلدی تدارک کیا جاوے ورنہ
 دیوان صاحب کہا "اچھی بات تو پھر آپ جلدی تشریف لائے میں نوکر کو بیچ کر دی
 وقت کر ایسی کی گاڑی منگا لیتا ہوں۔ اپنی گاڑی تیار کروانے میں تو بہت دیر لگی
 لالہ گنگا رام۔ دیوان صاحب کی لئے سو متفق ہو کر اپنے سرال کو چلے گئے۔

جب وہ چلے گئے تو دیوان صاحب لالہ گنگا رام کی ابتداء کی آجک کی حالت پر بیٹھے بیٹھے
 بہت کچھ سوچتے رہے۔ خیال کیا کہ اگر اس معاملہ کی خبر لوگوں کو ہو گئی تو پیچھے کو کتنی
 غمناک اٹھانی پڑے گی۔ پریشور کرے اسکی عزت میں فرق نہ لگے کہ ہر کیا یہ سمجھ جائیگا۔ امید تو
 نہیں کہ نہ سمجھے مائے اعیانہ کیسا برا نتیجہ ہوتا ہے۔ اکثر سنداس کی عورت کے

سانحہ کوئی تعلق پیدا نہ کرنا تو ممکن نہیں تھا کہ اسکی بیگم نامی میں زوالِ ناخوش قسمتی پر
 لگنا لایا تھا۔ منہ سے سے شہسکار کہا تا اس کے پاس کیا مارا۔ دن رات کی شراب نوشی اور زندگی بڑی
 سے بھر دہی نہیں ٹوڑی کا گنگا رام بنا ڈالیں ہر حال سو وقت اسکی مدد کرنی اسکے ہر ایک دوست
 کا فرض اعلیٰ ہوا اسکے بعد دیوانہ صاحب کو بیکار کیا۔ اپنی بابت خیال آیا کہ میرا ہی تو
 بدراز النساء کے ساتھ رشتہ الفت بکا ہونا چھو نقصان پہنچا لینگا۔ میں بھی اسکا کیونکر بچا
 کروں سات اس دیوان نے مجھے دھوکا دیا تھا کہ بدر النساء کے ساتھ قطع تعلق نہ کرو گے
 تو بڑی مصیبت اٹھاؤ گے معلوم نہیں اسنے کیوں کہا تھا اور وہ کون تھا۔ آخا اسکو تو میں
 دھرم کا وعدہ دے چکا ہوں کہ جب تک اسکا خطہ آلیگا بتک میں بدر النساء کی شکل نہ دیکھوں گا
 پھر آج میں نے ایفونگ پارٹی میں شریک ہونیکا کیوں ارادہ کر لیا۔ وہاں نہیں جاؤں گا
 اور ماں جانا ہی کیسے ہو گا۔ گنگا رام تو مصیبت میں پڑا ہوا ہے اور شاید مجھے امرتسر میں اپنے
 ساتھ لے چلے پھر کس طرح جانا ہو گا ہر حال پہلے اس بچارے کی بابت تو کچھ مدارک کریں تیجے
 جو کچھ پیش آئیگا دیکھا جائیگا دیوان صاحب ان خیالات اور سوچ و فکر میں محو ہے کہ نوکر
 نے اکر کہا۔ مہاراج گہی آگئی ہے۔

اتنے میں لالہ گنگا رام صاحب بھی آگئے اور یہ دونوں دوست گاڑی میں بیٹھا دوسرے
 پرنٹڈ پولیس کے بنگلہ کو چلے گئے۔

بنگلہ پر جب پہنچے تو وہاں ایک اور ہی نظارہ دیکھا۔ ڈاکٹر شرف الدین اور حسین بخش
 میڈیکل اسٹوڈنٹ پولیس کے پہرہ میں ایک طرف بیٹھے تھے۔

لالہ گنگا رام نے دیوان صاحب سے کہا۔

دیوان جی! شرف الدین پر کیا مصیبت آئی۔

دیوان جی۔ "معلوم نہیں۔ کیا باعث؟"

گنگا رام۔ "اے تو ان سے دریافت کر بن۔"

۱۲۳

وینا نا تھوڑے پہلے اپنا فیصلہ کر لو
گنگا رام: اچھی بات جیسا آپ کہیں

باقی دوسری جلد میں

تمام ہونی پہلی جلد

قطعہ تلخ و قطبائع سٹریٹ لائبریری
جناب نقشبندی عبد الکریم صاحب مضطر ریکارڈنگ
ریلوے ہسپتال سروس اور لینڈی

کہا خوشباش نے جو عام احوال و بخت خاص یہ دہندہ ہے
کہہ دے یہ سب طبع و مضطر و خوب تو شیخ پوسٹ کند ہے
۴۹۶

تلخ طبع و شاعر نازک خیال جناب بابو امر ناتھ صاحب نقیب
سکرک دفتر پوسٹ ماسٹر جنرل پنجاب لاہور

انہی جن سیدین سب اہل جہان خوشباش
وہ ہے فکر و سا طبع و روان خوشباش

فرہ لے اہل ملن اہل خود صاحب فہم
کی وہ خوشباش نے پوری اسے قسمت آفر

۱۲۴

ایسی طاقت کہاں یہ حسب وطن کا کہنے
راز لاہور کے لکھے ہیں پر اس میں بھی راز
اس سے مطلب نہیں خوشباش کا کہ راز ہرگز
مدعا بلکہ محبان وطن اس میں ہے اور
تہذیب لاہور کے روشن ہوں ذرا عیب ثواب
اہل لاہور کی اصلاح یہی ہے مد نظر
غرق میں تکرار میں تھا جسے تاریخ

خدمت ملک میں ہست ہے میان خوشباش
چشم بدور سے کچھ دور گمان خوشباش
کہ بڑے ملک میں کچھ عزت و شان خوشباش
لو کہے دیتے ہیں ہم مرتہاں خوشباش
یہی راز جو ہر وجہ بیان خوشباش
خود سمجھ لیں گے جو ہیں نڈہ دلان خوشباش
دیکھ کر رنگ سخن لطف زبان خوشباش

آئی یوں مانت غیبی سے ندا جھکو نصیب
راز نہیں ہے عجب طرز بیان خوشباش

۱۶۹۹

خلاصہ

اس کتاب کے جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ کوئی صاحب بلا اجازت
بھائی دیان سنگھ کتب فروش کو اسکو چھاپنے یا کسی اور زبان میں
ترجمہ یا قصہ نہ فراویں جس کتاب پر بھائی دیان سنگھ کتب
فروش کی محصور نہ ہوگی وہ مال مسروقہ ہوگا۔ فقط
بھائی دیان سنگھ تاجر کتب لوہاری مر وازہ لاہور

شباش
شباش
شباش
شباش
شباش
شباش
شباش

ز
م
م
ک
فقط
ه
لا

۱۱۵

اطلاع

اس کتاب کے جملہ حقوق محفوظ ہیں

کوئی صاحب بلا اجازت بھائی
ویسنگھ کتب فروش کے ہکو چھاپنے

یا کسی اور زبان میں ترجمہ کر نیکا قصد

نہ فرماویں جس کتاب پر بھائی ویسنگھ

کتب فروش کی مہر ہوگی وہ مال و حق
ہوگا فقط

بھائی ویسنگھ تاجر کتب لاہور لاہور بازار

مستیز آف لاپور چہرہ دوم



مصطفیٰ دلیوی
خوشباش



حسب فرمائش بھائی دیانند سنگھ انڈین
بنک ڈپو لوہاری گیت لاہور

دستخط می شد ہے

الحبيب ناول

ناول جاو وکر۔ عرف شیطان مصنفہ جادو نگار مسٹر نیلہ صاحب جہیں ایک عجیب

غریب طلسم اور جادو کے سین قلبہز کئے ہوئے ہیں قیمت ۱۰

جنک مرسلہ ناول کی حیرت انگیز لڑائیاں شوہر اور بیوی کے بچے عشق و بوروں
کی جالیں میں ہیں مصنفہ مسٹر شفق قیمت ۱۲

نیرنگے زمانہ۔ عرف نگال کے راجہ ہرش چندر کے دھرم پرستے واقعات قیمت ۸

مسٹر نیرنگ لاہور مصنفہ خوشباش امیں لاہور کے خفیہ سارا علی خاندان کے
نور جہاں کی حیرت انگیز سچے دلچسپ واقعات نظر آئینگے قیمت ہر سہ حصہ ۱۰

مسٹر نیرنگ امیرتھر۔ یعنی شہر امیرتھر کے حیرت انگیز قطارے قیمت ۸

ناول وکھا۔ عرف لالہ عشق یعنی ایک دلچسپ اور دل فریب اور دلکش عجیب غریب
واقعات اور ایک پروردگار کی قیمت ۸

وہمیت۔ خفیہ پولیس اور سر اغسانی کی دلچسپ راز۔ قیمت ۸

ارمان دل۔ دو لہیڑیوں کی حالت قیمتی اور جادو کے قریب۔ قیمت ۸

گلر وڑیہ۔ عرف الفت کانگینہ مصنفہ یہ عباس علی چیت ایٹر۔ قیمت ۸

نیرنگ۔ یعنی نور جہاں اور جہانگیر کے سچے عشقہ واقعات اور مذاق قیمت ۸

کوہ شملہ۔ یعنی خفیہ پولیس کے راز یا مسٹر نیرنگ شملہ قیمت ۸

خوشحال و سنجی عجیب ناول۔

پتہ پتہ کے خادم بھائی واسکھ اشیش سنگھ مالک

पुस्तक सं०.....

आगत सं०.....

तिथि०.....

गुरुकुल ग्रन्थालय काँगड़ी.

دوسری جلد کا دیباچہ

کتاب شروع کرنے سے پہلے دیباچہ پڑھ لینا چاہئے

ناظرین
 بیچئے۔ مسٹر بز آف لاہور کی دوسری جلد بھی تیار ہو گئی۔ آپ نے پہلی
 جلد کے دیباچہ سے معلوم کر لیا ہو گا کہ اس کتاب کے لکھنے سے میرا اصل مدعا کیا
 ہے۔ اس لئے ضرورت نہیں کہ اس وقت کوئی لمبا چڑا دیباچہ لکھا جائے۔ البتہ یہی
 اُس مہربانی اور قدردانی کا کہ جو آپ نے میرے ناقص کام کے ملاحظہ کرنے پر ظاہر کی۔
 شکریہ ادا کرنا میرے فرائض ہے۔ یہ وہی ہر طرح آپ کا مشکور و ممنون ہوں۔ آپ نے تھوڑے
 ہی عرصے میں اس ناچیز کتاب کی پہلی جلد کو دوبارہ چھپوانے کے لئے مجبور کر دیا
 اور آج تک جتنی کاپیاں چھپیں۔ انہیں ہاتھوں ہاتھ خرید لیا آپ نے مختلف اخبارات
 اور سالوں میں میرے کام کی تعریف کی۔ دلاوی۔ میں آپ سے ملا تو آپ نے میری عزت کی
 میرا حوصلہ بڑھایا۔ اپنے احباب سے مجھے ملا لیا۔ غرض اگر میں نے آپ کے دل کو
 خوش کیا تو آپ نے بھی مجھے خوش کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ یہ بھی آپ ہی
 کی مہربانی اور قدردانی کا نتیجہ ہے کہ گورنمنٹ پنجاب کے سرشتہ تعلیم کے رجسٹرار
 صاحب بہاؤ نے بھی ”مسٹر بز آف لاہور“ کی پہلی جلد پر گورنمنٹ پنجاب
 میں ایک نہایت ہی عمدہ حاشیہ چڑھایا۔ قصہ کوتاہ یہ ہے احباب یعنی قدر دانان
 ”مسٹر بز آف لاہور“ کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ اور امید رکھتا ہوں کہ دوسری
 جلد بھی انتشار و خدو نہ کرے۔ ناظرین کی خوشنودی کا مجھے ضروری جلد سے معلوم ہوتا ہے

آپ جانتے ہیں کہ میں کون سے تیرا نہیں ہیں ہوں جو مصنف نے کام کر کے
 میں تو صرف آپ کے آگے ان بواعث کو پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جو ہمارے
 ہاں کی مختلف سوسائٹیوں کی کامیابی کے سبب راہ ہوتے ہیں۔ اور مستند خی ہوں
 کہ آپ ان بواعث کے دور کرنے میں سعی اور کوشش کو ہاتھ سے نہ دیں میری رائے
 میں سوسائٹی کے لیڈر ہی سوسائٹی کو خراب کر ڈالتے ہیں۔ اور باعث یہ ہے کہ
 وہ لوگ بجائے اس کے کہ ایک ایک اینٹ کو بڑی جانچ پڑتال کے بعد آہستہ
 آہستہ رکھتے ہوتے اپنی امیدوں کے محل کو تیار کریں۔ یہ چاہتے ہیں کہ وہ محل
 بس آنکھ کے پلکائے میں ہی تیار ہو جاوے۔ لیکن ہمارے ملک کا پانی اور یہاں
 کی مٹی اس قابل نہیں۔ کہ اتنی جلدی جم کر مضبوط ہو جائیں۔ انہیں اس اتفاق
 کے لئے ایک کافی وقت چاہئے۔ اور ریفرمیشن کا قصر عالی شان تیار کر نیوالے
 لیڈر معارف کو اچھے بُرے سے کام لینا چاہئے۔ نہ کہ اقول ہی سے لائق
 فائق اشخاص کے ملنے کی امید باندھ لینا چاہئے۔ میری رائے میں تو ہماری
 فاتح قوم سے بڑھ کر شاید ہی کوئی سیانا ہو گا غور کی جگہ ہے۔ کہ وہ لوگ ہر ایک
 کام کو کیا پارسائی اور کیا عیاشی ایسے باقرینہ طور پر نبھائے چلے جاتے ہیں
 کہ ان کی مجموعی بہتری کے راہ میں ایک تنہا بھی پاپا یا نہیں جاتا۔ تو پھر کیوں
 نہ ہم بھی ان کی طرح دنیا کے ہر ایک صیغہ کے انتظام کو ایسا جکڑیں کہ ہماری
 بھی ترقی کی رفتار میں سرسورق نہ آوے۔ ہم میں تو ایک نرالا وصف ہے۔ جو
 ہمیں کہیں کا بھی نہیں رکھتا اور وہ یہ ہے کہ ہم ایک ہی طرف ہانکے چلے جاتے
 ہیں۔ پارسی کا خیال آیا تو میں خدا سے بغیر بن نہیں پڑتی۔ عیاشی کا خیال
 آیا تو بس تن بدن بھی یکساں تو بلا ہے۔ ٹھیک نہیں بلکہ خطرناک ہے اور اسکا
 جلد تدارک مناسب ہے۔ چند حرفتیں کہتے ہوئے میں یہ لائق

نوجوان عزیز دوست لالہ امر ناتھ صاحب نصیب (تمیز جناب ملک الشعرا
منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی استاد نواب صاحب مرحوم دلی
ریاست رامپور کی طبع آزمائی پیش کر کے خدائے دعا مانگتا ہوں۔ کہ جو کچھ
میں نے دوست کا اس کتاب کی بابت خیال ہے۔ وہ پبلک کا خیال ثابت ہو
لالہ امر ناتھ صاحب نصیب دفتر پوسٹما سٹر جنرل پنجاب لاہور میں
ایک جو غبار بالو صاحب ہیں۔

سایچ من نصیف امر ناتھ نصیب کلرک دفتر پوسٹما سٹر جنرل تمیز حضرت مینائی لکھنوی از

لاہور

دوسری جلد کی توصیف کا سامان ہو جائے
شہر لاہور کا آئینہ ہے بیشک یہ کتاب
پسندیدہ ہے ہر مرنجناب خوشباش
آدمی آدمی بھجائے جو پڑھ لے یہ کتاب
عبرت آئینہ ہے جو بات ہے اس میں بخدا
پڑھنے کے عیاش نیکوں شرم ہے کٹ کٹ جائے
تو تو بے لے پڑھ لیں جو کبھی سامنے سے
خاطر گرا ہاں اک رہتا ہے جو یہ میں
زود اثر وہ ہے یہ آک پل میں پلے دے گا

پھر نصیب آج طبیعت تیری جولان ہو جائے
عینے ہے جو دیکھے کوئی تو حیراں ہو جائے
دل ہی دل میں جو سمجھ جائے وہ انسان ہو جائے
ترک ٹڈی کا دل مرویدل ہیماں ہو جائے
بندہ کفر جو ہو صاحب ایماں ہو جائے
اس میں حرف ہو وہ خجہ نیراں ہو جائے
کاسخ ہر پردہ پرستار ہو جائے
مایل زہر دہیں محض زنداں ہو جائے
روینگی نہ بدی قصب محباں ہو جائے

منزلت اہل جہاں اسکی خدایا سمجھیں
 قدسے گو میں لے لیں جو کسے دل روشن
 جسم ہر فرد بشر کو صفت جاں ہو جائے
 آسمان اہل زمیں پہ ماہ تاباں ہو جائے
 شاخ ہوا اسکی سطر پھول ہو ہر لفظ اسکا
 دل جو ہر دہریں گلچیں کا وہ داماں ہو جائے
 ملک کی اس سے ملز سر ہے امید صلاح
 دل ناشادہ کسطح سے شاداں ہو جائے
 مصلحت سے نہیں خالی ہے کوئی باب اسکا
 کیوں محفوظ بھلا کوئی کہو ماں ہو جائے

اُس کی تار سچ کہا دل نہ کہ لکھدے یہ نصیب

سعا ہر باب کو دیکھے تو خوش انسان ہو جائے

۱۹۹۹ء

آمین ثم آمین۔

الراقم آثم

بندہ وزیر چند خوشباش

ہیڈ کلرک سوات سارٹنگ آفس۔ نوشہرہ



مسٹر نر آف لاہور

یعنی
راسرار۔ عجائبات و خرابات لاہور
کی

دوسری جلد

”پہلی جلد کے چھٹے باب کا باقی حصہ (عبرت)“

ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے بنگلہ کے باہر ایک کئی ایک گلی درویوں والے
مردم آزار فرشتے تیوڑھیاں چٹائے ادھر ادھر پھرتے تھے۔ دیوان صاحب نے دریافت
کیا کہ ”کیا کپتان صاحب اندر تشریف رکھتے ہیں؟“

جواب ملا ”ہاں اندر ہیں۔ کیوں کیا ہے؟“

دیوان صاحب ”کچھ کام ہے۔“

سپاہی ”کیا کام ہے؟ کچھ کھو بھی؟“

دیوان صاحب ”صاحب سے ملنا ہے۔“

سپاہی ”صاحب ابھی ابھی دفتر سے آیا ہے وہ اب نہیں ملیگا۔“

دیوان صاحب ”آپ ان کو اطلاع تو کر دیں کہ ہم سلام کے لئے آئے ہیں۔“

سپاہی ”اطلاع کر نیکا حکم نہیں ہے۔“

دیوان صاحب ”تو پھر جسے ملنا ہو وہ کیا کرے؟“

سپاہی ”جناب۔ ملاقات کر موالے اس طرح نہیں آتے جیسے آپ۔“

دیوان صاحب نے تو کچھ وہ طرح آتے ہیں۔

سیاہی ”ذرا ٹھیر جائے کوئی آجاتا ہے تو بتلا دینگے۔“

دیوان صاحب ”لیکن میں تو ضروری کام ہے ہم کہ طرح ٹھیر سکتے ہیں۔“

لارنگنگارام نے دیوان صاحب سے انگریزی زبان میں کہا ”کہ دیوان جی بتلاؤ کرتے

سے کیا فائدہ ہم اپنا کام مکمل نہیں آتے ہیں۔ اس کو ایک روپیہ دیدیتے ہیں۔“ دیوان جی

نے فرمایا ”میں تو نہیں چاہتا کہ ایسا کیا جائے میں نے تو بلکہ ڈالی لانے کی تجویز کو

بھی اس لئے دوبارہ غور کر کے ملتی رکھا کہ اسی طرح نہ واجب طور پر کیوں کسی کو کچھ

دیا جائے۔“

لارنگنگارام ”لیکن امر مجبوری ہے۔ صاحب سے ہمیں ملنا ہے اس لئے اس

سیاہی کو کچھ دینا ہوگا۔“

دیوان صاحب ”بہتر۔ دیدو۔“

لارنگنگارام نے جیب سے ایک روپیہ نکال کر سیاہی ہماراج کے ہاتھ میں دیدیا۔ سفید

نقہ نے کپتان صاحب کی اردل کے کالے کتے کو بائے بھونکنے سے بند کیا۔ اور اسے

نذر جا کر صاحب بہادر کی خدمت میں اطلاع دی کہ کوئی دو معزز آدمی حضور کو سلام کرنے

کے لئے دیر سے باہر کھڑے ہیں۔“

غرض دیوان صاحب اور لارنگنگارام حضور کی بعد کپتان صاحب کی حضور میں

حاضر کئے گئے۔“

دیوان دینا نا تھ نے کپتان صاحب کے آگے لارنگنگارام کی جود کے گم ہونیکا سارا حال

نہایت ہی فصاحت کے ساتھ انگریزی میں بیان کر دیا۔ جسکو سن کر کپتان صاحب نے بعد اظہار

ہمدردی اور دریافت حال حسب نسب ان دونوں دوستوں کے فرمایا کہ ہمیں آپد کی

بر شرح پر مدد کرنے کو تیار ہوں۔ مگر جب تک اس شخص کا جس کے ساتھ وہ جھاگ لگی

ہے۔ نام اور پورا پتہ نہ مل سکیگا۔ اس کو گرفتار کرنا مشکل ہو جائیگا۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ آپ میسٹر ایک دو سفید روئی والے سپاہیوں کو اپنے ساتھ بھرت چاہیں لیجاویں۔ اور پہلے اس شخص کا نام اور پتہ دریافت کریں اس کے بعد جو کچھ مناسب ہو گا کیا جائیگا۔

صاحب بہادر کی تقریر سن کر دیوان صاحب کے دل میں کوئی خیال جو آیا، انہوں نے صاحب کی رائے سے اتفاق کر لیا اور کہا کہ ہم اس معاملہ پر کچھ غور کر کے کل یا پھر کسی وقت حضور سے زیادہ عرض کریں گے۔ جس کے جواب میں کپتان صاحب نے فرمایا کہ ”آپ اس موقع کی اطلاع جب ضابطہ کو تو ان کے روزنامہ میں درج کرادیں۔“

یہ دو دوست بہتر حکم کر رہے تھے صاحب بہادر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے باہر نکل آئے مصیبت اور پریشانی کے غلیہ میں پھنسے ہوئے لارنگٹھ رام اپنے غمگین دوست کے ساتھ بڑھکے پھاٹک تک چھاں انکی گاڑی کھڑی تھی پہنچا جب سوار ہوئے تو ان کی نظر ڈاکٹر شرف الدین پر پڑ گئی۔

قاعدہ ہے کہ جو غم و اندوہ میں مبتلا ہوتا ہے وہ اور دن کو جب اپنی سی حالت میں دیکھتا ہے تو ایک گونا گویا حالت کو بھول جاتا ہے۔ اسی طرح لار صاحب نے دیوان جی سے کہا کہ ”دیوان جی۔ ڈاکٹر شرف الدین یہاں اس طرح کیوں بیٹھا ہے۔ اس سے کچھ دریافت تو کرنا چاہئے۔“

دیوان صاحب کچھ کہنے کو تھے کہ ڈاکٹر شرف الدین اپنے محافظ سپاہی سے کچھ کہہ کر تیز قدم دیوان جی کی گاڑی کے پاس چلا گیا۔ لارنگٹھ رام سے ہاتھ ملا کر انگریزی زبان میں وہ بولا کہ ”یہ تم جو کو یہاں دیکھ کر حیران ہو گئے ہو گے مگر میں کیا کہوں مجھ پر ایک سخت مصیبت ہو گئی ہے۔ اگر تم میری کچھ مدد کر سکو تو میں مری مرنے والا غلام بن رہا ہوں گا۔“

نے کہا ” فرمائیے ہم ہر طرح حاضر ہیں۔ آخر معاملہ کیا ہے؟ “ ڈاکٹر شرف الدین کے آنسو نکل آئے اور اُس نے کہا ” دیوان جی میں جو کچھ میں آپ کے عرض کروں گا اپنے خداوند تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر سچ عرض کروں گا۔ لیکن آپ سکر مجھے شرمندہ نہ کریں کہ میں اگر اس مصیبت سے بچ گیا تو پھر میں عمر بھر اس شخص کا اشارہ اپنے سائے حسین خٹڑ کی طرف کر کے (کبھی سنا تھ بھی نہ کروں گا۔ اگر آپ مجھے یہاں سے بچا کر اپنے ساتھ لے چلیں تو میں آپ کو اپنی مصیبت کا سارا حال الف سے ی تک سنا دوں گا۔ لیکن اس وقت آپ میری دستگیری کریں۔ “

بات یہ ہے کہ دو گھنٹے کا عرصہ گزرا کہ میں اور حسین بخش چڑیا گھر کے اس طرف جمال وہ ٹیلا سہے سیر کر رہے تھے۔ اچانک میں حسین بخش کے ساتھ کفر رجبت اور پیار کرتا ہوں۔ ہم ہنس کھیل رہے تھے۔ کبھی میں دوڑ کر ٹیلے پر چڑھ جاتا اور وہ مجھے کھیلنے کے لئے دوڑتا۔ کبھی وہ چڑھتا تو میں اس کے پیچھے دوڑ پڑتا۔ عرض کتنی دیر تک ہم اس طرح پر دوڑتے کودتے رہے۔ اور جب تھک گئے تو ٹیلے کے نیچے سڑک کی ایک جانب سبز گھاس پر جم دونوں بیٹھ گئے۔ حسین بخش نے کہا کہ میں اب تھوڑا آرام کرنا چاہتا ہوں میں نے کہا تو پھر تم میرے زانو پر سڑک کر سو جاؤ۔ چنانچہ وہ چند لمحہ تک بیٹھا رہا میں آپے جھوٹ ہرگز نہیں کہوں گا۔ میں نے فطرتاً ہی اس کو کئی مرتبہ چوما اور چھاتی سے لگایا۔ کہ اس اثنا میں وہ سپاہی (ایک طرف اشارہ کر کے) کہیں سے وہاں آ موجود ہوا۔ حسین بخش کی شاید اُس سے پہلے کی جان پہچان ہو گئی۔ اُس نے اس سے ہندوئی سلام کی۔ اور پوچھا کہ ” کیوں جی یہ تمہارے ساتھ کون ہے اور یہاں کیا کئے ہوئے ہیں؟ “ میں نے کہا ” ہم آپس میں ہنس کھیل رہے ہیں۔ تم کو کیا؟ “ وہ بولا کہ ” نہیں جی تم یہاں..... کر رہے تھے؟ “ اتنا کہہ کر اُس نے مجھ کو بچھڑا لیا۔ مجھ کو سپاہی کے تالاب میں ایک حسین بخش ڈکھایا جس سے میں چاہتا تھا کہ وہ بھی بڑھ گیا

حسین بخش دوڑتا ہوا منگمری مال کی طرف چلا گیا۔ لیکن بد قسمتی سے اس طرف سے بھی ایک اور سپاہی آ رہا تھا۔ جسکو دیکھ کر اس سپاہی نے آواز دی کہ ”اس اڑکے پکڑ لینا جانے پنا سے“ غرض یہ دونوں سپاہی ہم کو پکڑ کر یہاں لے آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم کو کپتان صاحب کے سامنے پیش کر کے عدالت میں چالان کیا جائیگا۔ کہ تم سرکاری باغ میں ایسا غلط کام کر رہے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔“

ڈاکٹر شرف الدین کی ساری تقریر کو سن کر دیوان جی کو یقین نہ آیا جو کچھ اس نے کہا تھا سچ تھا۔ سن کر چپ ہو رہے۔ لالہ گنگا رام نے پوچھا ”کوئی شہادت بھی اس کے پاس ہے یا یوں ہی دھمکی دے رہے ہیں“

ڈاکٹر شہادت تو کوئی نہیں مگر یہ سپاہی آپس میں کچھ بات چیت کر رہے ہیں اور مجھ کو دھمکاتے ہیں کہ باغ کے ایک جاوہر کش اور ایک مالی کی شہادت پیش کی جائیگی۔ گنگا رام ”تو پھر ہم کو جو حکم آپ کریں ہم حاضر ہیں“

ڈاکٹر تو بس خدا کے لئے میری خلاصی کرا بیٹھے ان سپاہیوں نے زتو ابھی تک کپتان صاحب کے آگے پیش کیا ہے اور کسی سے تذکرہ کیا ہے اور ان کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان کو کچھ دیا جائے تو وہ ہماری خلاصی کر دیں گے۔“

دیوان دینا ناتھ کو ڈاکٹر کی حالت پر ذرا بھی رحم آتا معلوم نہ ہوتا تھا اس لئے وہ تو گاڑی میں بیٹھ گئے اور لالہ گنگا رام ڈاکٹر صاحب باتیں کرتے رہے۔

ڈاکٹر تو کی میں اس سپاہی سے پوچھ لوں کہ وہ کتنے پر راضی ہو جائیں گے۔“

گنگا رام ”ہاں مگر جلدی کیجئے ہمیں بھی ایک نہایت ضروری کام ہے۔“

ڈاکٹر کے دماغ سے الگ ہونے پر لالہ گنگا رام نے دیوان صاحب سے کہا ”میں بھی اس بیچارے کی حالت پر مجھے تو رحم آ رہا ہے۔“

دیوان صاحب ”بھائی“

گنگا رام ” وجہ “

دینا نا تھ ” مکان پر چکر تباؤں گا “

گنگا رام ” کیا آپ کو اس کے بیان پر یقین نہیں آیا “

دینا نا تھ ” نہیں “

گنگا رام ” یقین تو مجھ کو بھی نہیں آیا مگر آخر ہمارا دوست اسکی مدد کرنا چاہئے “

دینا نا تھ ” میں کب کہتا ہوں کہ اس کی مدد نہیں کرنی چاہئے “

گنگا رام ” میکے پاس ایک سوروپیہ کا نوٹ ہے وہ اس کو دیدیں اور

پھر چلے چلیں “

دینا نا تھ ” جو بھی چاہئے مگر آپ فیاضی سے بی طرح کام لیتے ہیں “

گنگا رام ” میں جانتا ہوں مگر کیا کروں ۔ آخر میرا دوست ہے “

ڈاکٹر صاحب سپاہیوں سے بات چیت کر کے واپس آگئے اور بولے ” کوہ تو

دونوں روپیہ مانگتے ہیں “

گنگا رام ” ڈاکٹر جی میکے پاس اس وقت یہ (جیسے نکال کر) ایک سوروپیہ کا

نوٹ ہے یہ آپ کی نذر ہے آپ جس طرح چاہیں اسے خرچ کریں ۔ لیکن مجھے اب زیادہ

ٹھہرنے کی فوجت نہیں ۔ اس لئے مجھے اجازت بخشیں میں اگر اس وقت خود نصیبت

میں مبتلا نہ ہوتا تو آپ کے پاس سے آپ کی اجازت کے بغیر نہ جاتا ۔ تاہم آپ اب بھی

خطرہ نہ کریں اگر کوئی ایسا ویسا موقع پیش آگیا تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں “

ڈاکٹر صاحب نے ہاتھ میں ایک سوروپیہ کا نوٹ دیکر لا صاحب اپنے رفیق گنگا

کے ساتھ سوروپیہ کو اپنے مکان کو چلے گئے ۔

سوال باب

لاہور کے لالہ لعل جی داس صاحب

ہمارے مہربان ناظرین ہمیں معاف کرینگے اگر ہم ان کے اس مزہ کو نہیں
اس ٹاپیز کتاب کے مضامین کو سلسلہ وار پڑھتے چلے جانے سے حاصل ہوتا ہوگا کہیں
کہیں بگاڑ دیتے ہیں۔ مگر ہم کیا کریں ہمیں ابھی بہت سے مضمون کو درج کرنا ہے اور
جب تک ہم اسی طرح حسب گنجائش ساتھ ساتھ سلسلہ سے علحدہ نہ ہونگے ہم اپنا
مدعا ظاہر نہیں کر سکتے +

بیچے ایک اور سین پیش کیا جاتا ہے۔

آگست ۱۸۵۷ء کے پہلے ایتھار کے دن جبکہ ساون کی دھندلی گھٹائیں بچا کے
دارالخلافہ کو سائبان کی طرح ڈھانک ہی تھی اور شہنشاہ آتش مآب کے آگنی باؤں کی
ہستی کو گویا لوگوں کی نظروں سے قطعی فریت و نابود کئے ہوئے ننھی ننھی بوند باندی
کی پھوہار کی اسیدیں لار ہی تھیں۔ یہاں کہو کہ جب حضرت خورشید عالم کے حکمران
آتش تیزوں کو راجا اندر کے گرجنے والے بادلوں کی فوج نے توڑ مار کر آفتاب کے آسمان
گرنے شروع کئے ہوئے تھے۔ اور خلق خدا کی آنکھیں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں
اسوقت لاہور شہر کے چوک متی کے متصل ایک بڑے عالی شان مکان کے ایک
ہوادار کمرہ میں کہ جسکی آٹھ دہلی کھڑکیاں بازار کی طرف کھلی تھیں۔ ایک شخص پلنگ
پر لیٹا ہوا ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ گنگنا رہا تھا۔ اس کو ابرار رحمت کے

نزول سے کچھ خوشی نہ تھی۔ اس کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کا کچھ لطف نہ تھا بلکہ وہ تنہا ہی تنگیں حالت میں مبتلا پلنگ پر پڑا بیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس کے گوسے چہرہ پر ایک نگ آتا اور ایک جاتا تھا۔ اسکی ایک ایک آہ برسات کی ٹھنڈی ہوا سے کچھ کم سرد نہ تھی۔ زیادہ جوش میں آتا تو تپوڑ ہی چڑھا کر دانت پیستے ہوئے رہ جاتا۔ کوئی اور خیال آتا تو موچھوں کو مڑوڑ کر آہ بھرتا اٹھ کر بیٹھ جاتا۔ غرض قدرتی پُر زاموسم کے لطف سے اسوقت اگر لاہور میں کوئی بیزار تھا تو وہ یہ شخص تھا وہ ایسا ویسا شخص نہ تھا۔ بلکہ لاہور کے چیدہ ارکان میں سے ایک تھا۔ گولاہور کا اصلی باشندہ نہ تھا۔ مگر مدت سے یہاں یو دو باش رکھنے اور ایک سرکاری دفتر کا معزز عہدہ دار ہونے کی وجہ سے وہ لاہوریوں میں لاہوری اور دی والوں میں دی وال شمار کیا جاتا تھا۔ اس کا نام لالہ لعلجی داس تھا۔ لالہ صاحب اپنی حالت بیزار سے نہایت ہی تنگ تھے کہ ایک نوکر حاضر ہوا۔

نوکر: ”مہاراجہ کہتی ہے میں نہیں آسکتی“

لالہ صاحب: ”تو قدر ہی چڑھا کر“ ”کیوں؟“

نوکر: ”جی وہ کہتی ہے۔ میرے سب گھر والوں کو معلوم ہو گیا ہے۔“

لالہ صاحب: ”تو پھر کیا کریں؟ ہمارے تو بڑی حالت ہو رہی ہے۔“

نوکر: ”تو جناب کیا کیا جائے۔ مجھے تو اس نے یہاں تک کہ دیا ہے کہ تم میرے

مکان پر بھی نہ آیا کرو۔“

لالہ صاحب: ”اے تو! لیکن تم نے کتنا تھا کہ میں تو تمہارے خاوند کی پرہیزی

کے لئے آتا ہوں۔ کیسے کوئی شک نہیں گذر سکتا۔“

نوکر: ”مہاراجہ میں نے سب کچھ کہہ دیا۔ اگر وہ بھی کہتی رہی کہ تم میرے مکان پر نہ آیا

کر۔“

لالہ صاحب ”مگر میں تو اس اضطراب میں مر جاؤں گا۔“

نوکر ”پھر مجھے بتائیے جو کچھ حکم ہو ویسا کیا جائے۔“

لالہ صاحب ایک آہ بھر کر چپ ہو گئے۔ اور پہلے کی طرح پیچ و تاب کھانے لگے۔ نوکر پاس کھڑا رہا۔ دس پندرہ منٹ کی خاموشی کے بعد لالہ صاحب اپنے نوکر سے کچھ کہنے لگے۔ کہ ان کے ایک معزز دوست جو لاہور کے ایک نامی گرامی خاندان کے رکن تھے۔ آموچہ ہوئے۔ بندگی سلام کے بعد لالہ صاحب کی اپنے دوست سے ذیل کی گفتگو ہوئی۔

دوست (مسکرا کر) ”کہئے مزاج شریف؟“

لالہ صاحب ”کچھ نہ بوجھو راے صاحب بڑا حال ہے“

دوست ”سنا ہے آپ دو تین دن سے دفتر بھی نہیں گئے؟“

لالہ صاحب ”آپ فرماتے ہیں میں نے ہفتہ بھر سے کھانا نہیں کھایا“

دوست ”لیکن اب تنازعہ کس بات کا ہے۔ وہ تو آپ پر جان نثار کوئی تھی۔“

لالہ صاحب (آہ بھر کر) ”خدا جانے اسکو کیا ہو گیا“

دوست ”کسی کی شرارت معلوم ہوتی ہے کسی نے اس کے دل کو آپ کی طرف

بدظن کر دیا“

لالہ صاحب ”اچھا اے صاحب میری بد قسمتی“

دوست ”بھئی سچ بوجھو تو ایسی خوبصورت نازنین ہم نے تو لاہور بھری

نہیں دیکھی“

لالہ صاحب ”خوب رہو کے با وفا ہووے میں نہ مانوں اگر خدا ہووے“

دوست ”لیکن آپ نے اس کی طرف کسی کو آج بھیجا تھا یا نہ؟“

لالہ صاحب ”میرے دیکھنے آپ کے پاس کھڑا ہے۔ (نوکر کی طرف اشارہ کر کے) اس

سے پوچھئے وہ کیا کہتی ہے۔

دوست رونوکر سے مخاطب ہو کر ”کیوں بھٹی“

تو کہ ”جی میں گیا تھا۔ اس نے صاف جواب دیا کہ میں نہیں آسکتی۔ میرے
گھر والوں کو خبر ہو گئی ہے۔ پھر یہاں تک کہ دیا کرتی آج سے سیکرکان پر بھی نہ آیا کروگا
دوست (لالہ صاحب سے) ”بڑی بے وقافتگی“

لالہ لعل جی داس کے دوست بہت دیر تک لالہ صاحب کو سمجھاتے رہے۔
لیکن ان کے سمجھانے سے لالہ صاحب کے دل پر کچھ بھی اثر نہ پڑا۔ اس لئے وہ ٹھوڑی
دیر اور بیٹھ کر رخصت ہوئے۔

ناظرین

معشوق سے ان بن ہو جانی عشق کی علامت ہے۔ فراق کا زمانہ بڑی مشکل سے
گزرتا ہے۔ دنیا میں اگر کوئی سیکے زیادہ بد بخت۔ بد نصیب بڑے حال والا اور
رات دن بیقرار رہنے والا شخص دیکھنا چاہو۔ تو اُس عاشق کو دیکھ لو جو اپنے
معشوق کی جدائی کے صدمے اٹھا رہا ہو۔ غضب الہی تو پتھر بھی مروشت ہو سکتا
ہے مگر غضب معشوق نہیں سہا جاتا۔

کسی مشرقی شاعر کا قول ہے۔

جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو
یہ دلغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

کسی انگریزی شاعر کا قول ہے۔ اگر

عشق کے ساتھ
غم نہ ہوتا تو انسان صرف وصال کی ہی خوشی میں کھانے پینے کے بغیر نہ رہ سکتا۔

جو لوگ عشق کے پھندے میں کبھی نہیں کھنٹے۔ جو لوگ عشق کی رشتہ سے

فہر معشوق میں نالائیں وگیاں تھیں ہے وہ تو شاید ہماری چند سطور کو مٹھائے
 ہی اوڑا ڈالیں۔ مگر جن پر عتیق ہے وہ ضرور ہی ہمارے ساتھ عشق الہی ہو گئے
 کو دنیا میں سب سے زیادہ کج بخت شخص اگر کوئی ہے تو وہ ایسا عاشق ہے جو معشوق
 کی نظروں سے گر گیا ہو۔ اور اس کے فراق میں لاچار ہو۔ لالہ لعل جی دس کو حالت
 خرق یار میں یہ کہنا کہ ”جانیے دوجی بات ہی کیا ہے“ زخموں پر نمک پر چھڑکنے کے برابر
 تھا۔ لالہ صاحب کے دل پہ تلوار چل ہی تھی۔ کہانی میں تو اس حرامزادی کی کئی کئی باتوں
 پر جان قربان کرتے کرتے تیار اور وہ مجھے اس طرح پیش آئے !!

لو کہ کو جو ابھی ابھی دوسرے کمرہ میں گیا تھا۔ پھر بلایا۔ اور فرمایا ”دیکھو میرا لڑکے
 کا نام ہیرا تھا تو ایک دفعہ پھر اسکے پاس جا۔ اور اسے کہہ دے کہ لالہ کا بڑا حال ہو رہا ہے
 تو اتنی مزاج نہ کر بھلا انہوں نے تیرا بگاڑا ہی کیا ہے۔“ جو تو اس طرح پیش آتی ہے۔
 انسی مذاق میں اگر انہوں نے کہا تھا کہ ”تجھ کو بہت یار ملتے ہیں تو ہم کو بھی تجھ سی
 ہزار ملتی ہیں“ تو اس سے ہوا کیا۔ آپس میں جہاں پیار محبت ہوتا ہے۔ وہاں ایسی
 ایسی لاکھوں باتیں ہوا کرتی ہیں۔ غرض ہیرا۔ اگر اس بگڑی کو بناوے تو جو منہ سے
 مانگے۔ ہم دینگے۔

ہیرا پچارہ نہایت فریاد وار تو کرتا تھا وہ باوجود اسکے کہ ایسی ایسی کئی باتیں آج
 دور سے لالہ صاحب کی روٹھی ہوئی معشوقہ سے کہہ رہا تھا۔ پھر ایک دفعہ اپنے آقا
 کا پیغام لیکر پڑا جب چلا گیا تو لالہ لعل جی دس صاحب از سر نو انتظار دلداریں اٹھ کر
 بیٹھ گئے۔ یہیں غمزدہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں یہ بھی درج کر دیں کہ لالہ صاحب بفضل
 خدایعال اطفال و اطفالین تھیں کوئی بچے لٹکے نہیں تھے۔ بلکہ ان کی مقطع
 وضع اور شبیہ شکل سے کسی کے دل میں وہم تک بھی نہیں آ سکتا تھا۔ کہ وہ
 اپنی بیورہ کو چھوڑ کر غیر عورت کے فرائض میں کبھی بزارا ہوتے ہوں لڑکے دس

آنے کے وقت کو گذارنے کی خاطر لالہ صاحب نے پاندان کھول کر پان لگانا شروع کیا۔
 ہاے یہی ظالم محبت۔ ہاے ہی الفت معشوق واہری چاہت و لہر ہاے ہاے۔
 معشوق تو اس طرح کے دشمن اور روکھے جواب بھیجے۔ کہ میرا آنا ناممکن ہے وغیرہ وغیرہ
 اور عاشق اپنی امیدوں کے منگ میں اس کے لئے پان کی گلوڑی لگا کر ایک
 طشتری میں بڑی صفائی سے رکھ رہا ہے۔ کہ یہ گلوڑی اچھی ہے۔ اس کے لئے
 پڑی ہے۔ لالہ لعلی داس کی یہ حالت دیکھ کر فکرتے مہر کے دل میں بھی جوش بھرا یا
 اور لگے دم وہ موسلا دھار بارش ٹھنے لگ پڑی۔ کہ الامان! لالہ صاحب نے چاہے تھے
 کہ انکے ایک اور دوست جو پہلے ناظرین کے آگے پہلی جلد میں پیش ہو چکے ہیں +
 پنڈت برج موہن ناتھ صاحب تشریف لے آئے۔ پنڈت صاحب کے کپڑے بھیگ
 رہے تھے آتے ہی انہوں نے کوٹ پتلون اتار کر ایک کھوٹی پر لٹکادیا اور بولے۔
 ”کیوں جناب۔ یہ فتر جانا کب بند ہے۔ ہم نے تو سنا ہے کہ آپ تین دن
 دفتر ہی نہیں گئے۔ اسکے کیا معنی“

لالہ صاحب ”کیا کموں یا تم کچھ بیمار سا رہتا ہوں“
 پنڈت صاحب بڑے ہی ظریف الطبع شخص تھے۔ کہہ کھلاتے ہوئے بولے۔
 ”یار تم نرے پڑے۔۔۔۔۔ ہی نکلیے

لالہ صاحب ”جس تن لاگے سوئی تن جانے“
 پنڈت صاحب ”اجی رہتے بھی دو چلے گھر سے۔ تم اپنی عزت کا تو
 خیال کرو۔ دور کرو سسری کو“

لالہ صاحب ”واہ کیا عمدہ جھڑوی ہے۔“
 پنڈت صاحب ”کھلکھلا کر“ والدہ۔ جیسا کہ میرا نے مجھ سے کہا ہے۔
 کہ آپ کے کئی بار لانے روکھے بھی نہیں آئی۔ آگ میں نہ تھکتے۔ نہ سوتے۔ نہ کھاتے۔ نہ پیتے۔ نہ

ڈالنا

لالہ صاحب: بھلا تم ہی بتلاؤ۔ پنڈت جی۔ میں نے اُسکی ناز برداری میں
کونسی کسر باقی رکھی ہے؟

پنڈت صاحب (دیپج کتاب میں): ”استاد ہاتھ ملاؤ۔“

لالہ صاحب: ”کیوں؟“

پنڈت صاحب: ”تم ہاتھ تو ملاؤ۔“

دونوں دوستوں نے ہاتھ ملایا۔

پنڈت صاحب تیوری چڑھاتے آنکھیں دکھاتے اور موچھوں پر تاؤ دیتے بولے۔

”اوستا تمہارا بدلا اُس سے ہم لینگے۔“

لالہ صاحب: ”وہ کس طرح؟“

پنڈت صاحب: ”بس اُسکی ناک کٹواؤ لی تو ہمیں کشمیری پنڈت ہی دگمتا۔“

لالہ صاحب (دھڑکتے ہوئے دل سے): ”نہیں نہیں“ ایسا کرنے سے کیا فائدہ؟

پنڈت صاحب (دسکتے ہوئے): ”واہ مشفق۔ اس میں بڑا فائدہ ہے۔ سنئے اول

تو اُس کا وہ سارا تکبر اور غرور جو اسوقت اُس میں ہے ٹوٹ جائیگا۔ دوم۔ تم اس دکھ

اور عذاب سے چھوٹ جاؤ گے۔ کیونکہ اُس کی شکل دیکھنے کو ہی جب جی نہ چاہیگا

تو پھر جھگڑا کھڑا کاہیگا رہا۔ سوم۔ اُس نے جو جو رنج اور صدمے تم کو بارہود

تمہاری اس قدر فرمان برداری کے کہ تم اُس کی معمولی اور ادا سے اپنے

بات پر جان قربان کرنے کو تیار رہے۔ ویسے ہیں۔ اُن سب کا بدلا اُس کو بجائیگا

غرض اس میں فائدہ ہی فائدے ہیں۔

لالہ صاحب: ”اور جو قید ہو گئے تو؟“

پنڈت صاحب: ”وہ میرا ذمہ۔“

لالہ صاحب ” کیونکر “

پنڈت صاحب ” آپ خاطر جمع رکھیں یہ تو کچھ بُری بات ہی نہیں
جناب من - خون ہو جائے اور سُراغ تک نہ لگے یہاں وہ رستے یاد ہیں
آٹھ میں دس جمع کر لینے اور پانچ کو چھ سے ضرب دے لینا تو ایک پانچ سال کا
لڑکا کا بھی جانتا ہے “

لالہ صاحب ” اچھا پنڈت جی ہم ایسے ہی سی “

پنڈت صاحب ” تو پھر آپ کی یہ صلاح ٹھیک گئی نہ “

لالہ صاحب ” نہیں بابہ - میں تو چاہتا ہوں کہ کسی طرح کوئی جا کر اُس کے
دل کو میری طرف سے صاف کر دے “

پنڈت برہمچوہن ناتھ پھر غصہ میں آ گئے اور اُنہوں نے لالہعلبی داس کو
ایک بڑا لمبا چوڑا لکچر دینا شروع کیا -

پنڈت صاحب انگریزی اور اردو نہایت ہی فصاحت سے بولتے تھے معمولی الفاظ
کو زور دیکر موثر بنا لینا تو ان کا محاورہ ہو گیا تھا - علم اور عقل رکھنے کے ساتھ ہی
آپ تماشین اور پچکار بھی پرلے درجہ کے تھے - آپ میں ایک نہایت ہی قابل تعریف
صفت یہ تھی کہ اپنے دوستوں کی غمگساری میں دل و جان سے مستور رہتے تھے
موجی دروازہ والی چھلا کوٹھی کے ممبران سے آجکل آپ کا بڑا گاہڑا یاد آ رہا تھا اور
اسی شبنی پر آپ لالہعلبی داس سے کہہ رہے تھے ” اہہ! ہم اُسکی ناک نہ کٹوا
ڈالیں تو ہم شہمیری پنڈت ہی پھر کیوں ہوتے “ بہ زبان کے جادو سے وہ کام لیا کہ
ایک دفعہ لالہعلبی داس ایسے ڈوبے ہوئے عاشق سے جو ایک معمولی (گو خوبصورت تھی)
عورت کے لئے اپنی دین و دنیا کی قربانی پر کھ رہا تھا سدا قرار کر دیا کہ
” ابھی بات آئی ہے اُنکا انا خانہ کھنگال دے “ اگر وہ سارے ساتھ نہ آتا تو مجھ

سری کی ناک کٹوا دی گئی۔

ایسی ایسی باتوں میں کمرہ کی کلاک نے شام کے چار بجائے بارش برپا کر دی تھی میرا کو گئے ہوئے ایک گھنٹہ کے قریب ہو گیا تھا۔ لالہ علی صاحب قاصد او مشوق کی انتظار میں بت بنے بیٹھے تھے۔ گلی میں ایک ذرا سا کھٹکا ہوتا۔ تو یہ جھٹ کھڑکی سے سر نکال کر جھانک لیتے کہ شاید میرا ہوگا۔ نوکر کے دیرنگانے کہ لالہ صاحب مبارک، شاگون خیال کر رہے تھے۔ اپنی مشوق کے آنے کی پکی امید میں طرح طرح کے خیالی پلاؤ پکاسے تھے۔ پنڈت جیمہن ناتھ بھی ان کے پاس بیٹھے ہوئے کھڑکیوں میں سے گلی کی طرف جھانک رہے تھے۔ کہ اتنے میں میرا تو نہیں نکر دوں گا۔ نوکر گول کہیں سے بھینکٹا ہوا بغل میں کچھ دبائے ہوئے ڈیوڑھی میں دوڑتے دوڑتے گھٹا دکھائی دیا۔ لالہ صاحب سمجھے کہ بازار سے سبزی ترکاری لایا ہوگا۔ پھر اپنے دہن میں محو ہو گئے کہ میرا کیا ہو گیا۔ وہ کہاں بیٹھ رہا۔ اگر وہ آنے سے انکار کرتی ہے۔ تو خود تو چلا آوے۔ کچھ جواب دے۔ سچ مج بڑا ہی ست ہے۔ کوئی نرم گرم بات کہہ دے گا۔ تو وہ بالکل ہی بگڑ جائیگی یہ اس صبح میں تھے۔ کہ گول آ حاضر ہوا۔

لالہ صاحب: ”کیوں گول؟ کہاں گیا تھا؟“

گول: ”جی سبزی بیٹے گیا تھا۔“

لالہ صاحب: ”نظر اور خیال گلی کی طرف؟“ لے لیا۔“

گول: ”جی ہاں (ہنس کر) ہمارا جاک بات آپ نونوں کہنی ہے پر جیکر

کن وچ سن لو تاں۔“

لالہ صاحب: ”نوکر کے منہ سے یہ الفاظ سن کر چونک پڑے۔ دل نے گواہی دیدی

کہ ضرور اسی کا کوئی پیغام لایا ہے۔ کھڑکی میں سے اٹھ کر گول سے ملنے

دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ گوکل ایک نہایت ہی چالاک اور تیز طبع لڑکا تھا وہ سیالکوٹ کا رہنے والا تھا اور کسی زمانہ میں راس دھاریوں کے ایک لٹف کا مشہور اور خوبصورت ایکٹر تھا۔ شکل صورت سے تو کوئی بھی اسکو نہ پہچان سکتا تھا کہ پنجابی ہے البتہ بات چیت کے لہجہ سے جھٹ معلوم ہو جاتا تھا کہ ہندوستانی نہیں لالہ صاحب کے ساتھ دوسرے کمرے میں جا کر کھنے لگا۔

(مسکرا کر) ”مہاراج۔ میں ترکاری لینے ابھی گیا تھا۔ اور اُسجگہ چوک میں ایک ”کان اوپر کھڑا تھا۔ اتنے میں لوہاری دروازہ کی طرفوں ایک بند بھی آئی۔ جدا وہ بھی لوہاری منڈی نو جان لگی تو اُس طرفوں اک ہور بھی آگئی مینہ نے سب کر کے دونوں گڈی والے سیدھے سامنے چلے آئے۔ اور آپس میں ایک کا پیٹہ دوسرے کے پیٹہ سے ٹکرایا۔ خوب ٹکرایا۔ کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ گیا اور جو گڈی لوہاری دروازہ کی طرف سے آئی سی۔ اُس میں آپ دی یا ر پیٹھی ہوئی سی۔ اب وہ لوہاری منڈی کی طرف سیدھی چلی گئی ہے۔ گڈیوں کے ٹکرنے اور رگڑنے سے دروازہ اُس گڈی کا کھل گیا۔ اور آپ دی یا ر گریا ہر نکل آنے لگی سی۔ پھر اُس کے نوکرنے دروازہ بند کر لیا یہ کاغذ ایک بھیجا گیا ہوا کاغذ لالہ صاحب کے ہاتھ میں دیکر، بازو میں گر پڑا تھا۔ معلوم نہیں شاید اُس نے مجھ کو دیکھ کر پھینک دیا وہ میں اٹھا لیا ہوں اور وہ اُدھر کسی کے مکان پر گئی ہے۔“

گوکل ٹوٹی پھوٹی ہندوستانی زبان میں لالہ صاحب کو یہ پیغام دے رہا تھا کہ کہ میرا بھی آگیا۔ لالہ صاحب میرا کی طرف دیکھ کر پوچھے ”میرا کیا ہوا؟“ میرا ”مہاراج۔ وہ تو رائے صاحب کی نوکر ہو چکی ہے اور ابھی اُن کا ذکر اُسے بکھی میں بٹھا کر وہاں لے گیا ہے۔“

لالہ صاحب کا رنگ فتنہ آلودہ تھا۔ وہ ایک بڑے بڑے گلاب جیسے لہجے سے

دل کی رفتار میں زمین آسمان کا فرق آگیا۔ زبان سوکھ گئی۔ آنکھیں فیض میں گڑ گئیں۔ لاکھ جتن کئے اور بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سمجھا لا۔ پنڈت صاحب سے مخاطب ہو کر کہا (ٹھنڈی سانس لیکر) ”سنا پنڈت جی۔ کیا پیغام آیا ہے۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے لالہ صاحب پھر اُسی بیٹھنے والے کمرہ میں آگئے۔“

پنڈت جی بولے ”نہیں شفق مجھے کیا خبر؟ کیا پیغام آیا۔ ہاں بتلائیے تو سہی کہ کیا خبر آئی۔“

لالہ صاحب دیکھ اپنی جگہ کھڑکی میں بیٹھ کر نائے۔

سے نہ ہٹوا جان کے مینے پہ بھی جاوا اپنا۔

پنڈت صاحب نے انگریزی زبان میں لالہ صاحب سے پوچھا کہ ”کیوں ماسٹر یہ تمہارے نوکر چاکر۔ تمہاری یہ حالت دیکھ کر کیا کہتے ہوں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو یہ تمہیں بدھو سمجھا کر اپنا اُتو سیدھا کر کہیں کو پدار جائیں۔“

لالہ صاحب برائے نام مسکراتے ہوئے بولے ”نہیں پنڈت جی۔ یہ بڑے ہی نمک حلال اور وفادار ہیں۔ تم تو یہ کہتے ہو۔ میں کہتا ہوں۔ مجھے اُس کبخت نے کئی دفعہ ان کے سامنے چوتیاں ماریں۔ مگر مجال ہے کہ انہوں نے دوسرے کاں کسی کو خبر بھی کی ہو۔“

پنڈت جی ”خیر میں آپ سے اس معاملہ پر بحث نہیں کرتا۔ اب آپ یہ بتلائیں کہ اُس نے کیا کہا بھیجا ہے۔“

لالہ صاحب ”بس مجھ سے وہ کنارہ کر گئی۔“

پنڈت صاحب ”کس طرح۔ تم ہیرا کو یہاں تو بلاؤ۔“

ہیرا۔ جانے نہ پاتا۔

پنڈت صاحب نے کیوں بھٹی۔ کیا ہوا۔ سارا حال سناؤ۔

میرا لالہ لعلی داس کا نہایت ہی معتبر نوکر تھا۔ وہ لالہ صاحب کے اپنے دیں کا آدمی تھا۔ لالہ صاحب کا رویہ پیسہ۔ کپڑا۔ بھانڈا۔ کونڈا۔ غرض سب مال و متاع میرا کے ہی سپرد ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ دفتر کی کاریوں اور صندوقوں کی چابیاں بھی اسی کے ہی پاس رہتی تھیں۔ لالہ صاحب کو استان کرنا۔ کپڑے پہنانا وغیرہ یہ کام تھے جن پر یہ مامور تھا۔ البتہ لالہ صاحب آئی میوی اس شخص سے ہر وقت ناراض رہتی تھی۔ کیونکہ اس کو یقین ہو گیا تھا کہ لالہ صاحب کے زیادہ عیش ہونے جانے کا اگر کوئی کمرن کارن ہے تو وہ میرا ہے۔ چنانچہ وہ بیچاری اس پر ہی کے ہاتھوں سے تنگ آکر لڑکوں بالوں کو لیکر آجکل وطن میں گئی ہوئی تھی جو سو سو ہو۔ میرا لالہ لعلی داس کے لئے سچ مچ میرا تھا۔

پنڈت صاحب کے دریافت کرنے پر وہ بولا۔ مہاراج۔ بس میں جیٹاں گیا۔ تو آگے لے صاحب کا نوکر گلی میں کھڑا تھا۔ میں نے پوچھا۔ کیوں یار۔ تو اوپر کہاں وہ بولا۔ کچھ کام تھا۔ ابھی وہ کچھ اور کہنے کو ہی تھا کہ (مسکرا کر) ہر کار برقعہ پہنتے ہوئے مکان سے باہر نکلیں۔ مجھے کھڑا دیکھ کر لو لیں۔ کیوں۔ میرا خیر تو ہے۔ میں نے کہا۔ ہاں جی خیر ہے۔ میں پھر تمہارے پاس آیا تھا تم کہاں جاتی ہو۔

اس کے جواب میں وہ بڑے انداز سے سر ہلا کر بولیں۔ بس اُن کو اب ہمارا سلام کہہ دینا۔

میں نے پوچھا۔ مگر اس وقت بارش میں تیاری کدھر کی ہے۔ جلدی جلدی گلی سے گذر کر دس بازار کے سکہ پر جہاں ایک گاڑی کھڑی تھی۔ پنچک میرا کرنے فرمایا اُس تو ہمارا سلام کہہ دینا۔ ہم وہاں جاتے ہیں۔ جہاں سے ہم کو رزق ملتا ہے

میں نوکر ہو چکی ہوں۔ اتنا کمزورہ گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ اور لوہاری دروازہ کی طرف سڑک سڑک چلی گئیں۔ میں یہ سارا حال ہے۔ جنابہ راسے صاحب کی نوکر ہو چکی ہے۔ میرا کے بیان نے گوگل کے بیان کی تصدیق کر دی۔ پینڈت برجن ناتھ صاحب جو شہ میں آکر لوئے۔ آؤ استاد ہم بھی رائے صاحب کے ہاں چلتے ہیں۔ لالہ علی داس سر نیچے کئے اس کا غم کو جو گوگل نے دیا تھا۔ پڑھ رہے تھے اب پینڈت صاحب کو دیکر لوئے۔ یہ بھی ذرا پڑھئے۔ ہائے ری ہو فادینا۔ یہ دوستوں کا حال ہے۔ ہائے پینڈت جی نے پڑھا تو اس میں صرف ایک مصرع لکھا پایا۔ لکھا تھا

”پیارے منتاب“

سے ”منتاب“ اگر نہیں منتاب اب جدائی کی

”آپ کا“

لکھنے والے کا نام شکستہ میں تھا۔ پڑھا نہیں جاسکتا تھا۔ لیکن طرز تحریر سے پہچانا جاتا تھا۔ کہ اس کا لکھنے والا کون ہے؟ پینڈت جی بوئے ”چلو استاد کپڑے پہنو۔ جلدی کرو۔ اور رائے صاحب کے ہاں چلیں اب بارش بھی تھم گئی ہے۔“

لالہ صاحب ”لیکن پینڈت جی۔ کیا رائے صاحب کو یہ مناسب تھا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ وہ میرا نہایت ہی ہمدرد دوست ہے۔“

پینڈت صاحب۔ اچی جناب تما شبینی میں۔ سب کچھ ہوا ہی کرتا ہے۔“

لالہ صاحب (ایک ٹھنڈی آہ بھر کر) ”انوس۔“

پینڈت صاحب ”لو پھر چلو۔ اٹھو۔“

لالہ صاحب کپڑے پہنکر پینڈت صاحب کے ساتھ رائے صاحب کے مکان کو چل پڑے۔

مگر یہ ابھی لوہاری منڈی میں ہی پہنچے تھے کہ لالہ علی داس کے غم نے انکے

دور سے کچھ دیکھ کر لالہ صاحب کے ایک ایک بال کو ہلادیا۔ وہ اپنے دوست سے
انگریزی زبان میں بولے ”پنڈت جی۔ وہ تو سامنے سے آرہی ہے۔“

پنڈت جی دمیخڑ ہو کر ”ہیں“

لالہ صاحب ”ہاں ہاں۔ وہ دیکھو۔ برقعہ پوش۔“

یہ کہہ کر لالہ صاحبی داس پنڈت جی کا شانہ پکڑ کر انہیں بازار سے ہٹا کر ایک گلی
میں لے گیا۔ جہاں آٹ میں یہ دونوں چھپ کر کھڑے ہو گئے۔ لالہ صاحب کی برقعہ پوش
مشتوقہ آن کی آن میں ہاں سے گزر کر لوہاری دروازہ کی طرف چلی گئی اُس کے ساتھ
اپنے نوکر کے علاوہ در کوئی نہ تھا۔ یہ دونوں بھی اُس کے پیچھے پیچھے چلے گئے۔ دروازہ
کے باہر نکل کر لالہ صاحب کی مشتوقہ باغ کے راستے شاہ عالمی دروازہ کی طرف چل پڑی یہ
بھی پیچھے پیچھے تھے۔ جب میں قدم کا فاصلہ رہ گیا تو لالہ صاحبی داس نے کانپتے ہوئے
زبان سے اپنی مشتوقہ کے نوکر کو آواز دی ”پیر بخش۔ پیر بخش۔“
بولے ”سلام حضور آئیے۔“

لالہ صاحب ”ٹھیکہ تو سہی۔“

مشتوقہ نے بھی دیکھ لیا۔ وہ بھی ٹھیکہ گئی۔ اور یہ چاروں باغ کی روش میں رہتے
سے الگ ہو کر کھڑے ہو گئے۔

لالہ صاحب بولے ”کیوں متا ب؟ ہم تو اب آگے گزر رہے ہیں۔“

وہ برقعہ میں سے ہی بولی ”کیوں جی۔“

لالہ صاحب ”کیوں جی! خوب کہی۔ آج میرا کو تین دن سے آپ کی خدمت میں

بجج بھیج کر شک کیا ہوں۔ اور تم بات نہیں سنتی۔“

مشتوقہ ”جو میرا قصور ہے۔ میں جانتی ہوں۔ جو آپ کا ہے۔ آپ کو معلوم ہے اب

اس جگہ شائع عام میں اس طرح بحث سے کیا فائدہ۔“

لالہ صاحب دہڑی آرزو سے تو پھر چلو ہمارے مکان پر۔ وہاں بتانا کہ کس کا
نقص ہے۔“

مشتوقہؒ میں آپ کے مکان پر تو نہیں چلوں گی۔“

لالہ صاحبؒ اچھا تو چلو تمہارے مکان پر چلتے ہیں۔“

مشتوقہؒ ہاں مگر وہاں تو آپ کو معلوم ہے۔ میرا گھر والا بیمار ہے۔ اور اس کے
پاس شاید کوئی بیٹھا ہو۔“

لالہ صاحبؒ تو تم کو اس سے کب۔ وہ تو ہم اپنی عزت کے لحاظ سے کہہ سکتے
تھے۔ کہ تمہارے مکان پر اس لحاظ سے نہیں آسکتے۔ لیکن اب جب ہم طیارہ میں سوار ہو
کیا مضائقہ ہے۔“

مشتوقہؒ نہیں۔ آپ اس وقت مجھے معاف کریں۔“

لالہ صاحبؒ باتیں بھی کرتے جاتے تھے اور دل میں چپے بھی جاتے تھے کہ کہیں
ایسے موثر الفاظ نکالیں۔ جو اسکے دل پر خوراک کا سا اثر ڈال دیں۔ دل میں بچاتے تھے
کہ اٹھے اس کو کیسے معلوم ہو کہ ہم نے اسکی انتظار میں کئی دن سے فاکر کر رکھا ہے۔
اور یہ اس طرح ٹال مٹولا کر رہی ہے۔ غرض یہ بڑے بیچ و تاب میں مبتلا تھے۔ لہذا
مہتاب۔ اتنا سنا تجھے لازم نہیں۔“ وہ بولی۔ آپ پھر وہی باتیں کرنے
لگے۔“

پنڈت برج موہن صاحب سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے لالہ علی داس کا ہاتھ
پکڑ کر کہا۔“ اچھی جانے بھی دو۔ وہ اب راس صاحب کی رانی صاحبہ ہیں۔ وہ
اب آپ کو سمجھتی ہی کیوں ہیں؟“

یہ باتیں بہرہی نہیں کہ بلغ میں سے شاہ عالمی دروازہ کی طرف سے لالہ علی داس
صاحب کے عمار کے چار پانچ یا دو صاحبان جو لالہ صاحب کے ماتحت لازم تھے

آٹکھے۔ سب نے لالہ صاحب کو بڑے ادب سے ”بندگی جناب“ کہا۔ لالہ صاحب بھی بڑی خندہ پیشانی سے بندگی کا جواب دیا۔ جب وہ لوگ گز رہے تھے۔ لالہ صاحب کی مشورتہ بولی ”یہ لوگ کیا کہتے ہونگے؟“ لالہ صاحب نے جوش محبت میں اپنی سیاست بٹھانے کی خاطر فرمایا ”اوہ یہ سب ہمارے ماتحت ہیں۔ یہ ہم کو کیا کر سکتے ہیں۔“

وہ لوگ گو تھوڑی دور نکل گئے تھے۔ مگر انہوں نے یہ کلمہ سن لیا۔ اور ان میں سے ایک جو بڑا دل چلا تھا۔ چلتا چلتا آواز بلند کر گیا ”لیکچر صاحب ہم نڈی کے ماتحت نہیں“ پنڈت برجموہن ناٹھ کو یہ فقرہ بڑا ہی ناگوار گذرا۔ انہوں نے پھر لالہ صاحب کا ہاتھ پکڑ کر کہا ”یارو دفع بھی کرو۔ تمہیں اپنی عزت کا کچھ بھی خیال نہیں۔ تم تو سسری کی ناحق بید بھٹلا رہے ہو۔“

یہ فقرہ پیر بخش کو ناپسند آیا۔ وہ بولا ”زنا ب۔ زبان سمھال کر بولو۔“ پنڈت صاحب کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی چھڑی تھی۔ وہ دکھا کر پیر بخش سے بولے ”سن بے دامزائے۔ اگر مجھ سے چوں چرائی تو ابھی سیدھا کر دوں گا۔ میں نے تجھے کیا کہا۔ جو تو بول پڑا۔“

لالہ صاحب کی مشورتہ اس کشمکش کو دیکھ کر گھبرا گئی۔ وہ پیر بخش کا دامن پکڑ کر بولی۔ ”آ۔ آ۔ پیر بخش۔ چپ ہو جا۔ دیکھا جا بیگا۔“ مگر پیر بخش کب چپ ہونے والا تھا۔ وہ چھڑا کر اور پنڈت صاحب کی طرف بڑھ کر آنکھیں دکھاتا بولا ”سن او۔ حرامزادہ۔ طمزنوہ۔ تیرا لپٹا۔ حرامزادہ تیرا دادا۔“

شور و دھول جو ہوا۔ دس پنڈتوں کی بھڑ بھڑ بھی جمع ہو گئی۔ ”کیا ہوا بیکار ہے بیٹا؟“ بابو صاحب کون ہیں؟“ ایسے سوالات ایک دوسرے سے پوچھنے لگا۔ پیر بخش اپنی ہانکا جاتا تھا کہ بھلے انسان دیاں عورتاں تو اس طرح شارع عام وچ چھڑتا کھڑی

اشرافت بیگی۔

تماشا شیوں کی مختلف رائیں تھیں۔ کوئی کہتا تھا "دیکھو جی یہ شکل مومنوں پر تو
کا زوال۔ کوئی کہتا تھا "میں یار سایہ پرستے والی اینہال بابواں دی یار بیگی کوئی
کہتا تھا "میں جی۔ میں یس بالوں جاننا ہاں یار دفتر داوڑا ہیکلے" کوئی
کہتا تھا "تینوں کی۔ سوچ کر دیکھو۔ تیس تماشا دیکھو" غرض پانچ دس منٹ ہاں
ایک تماشا لگا رہا۔ اور شاید یہ تماشا عدالت تک پہنچ جاتا۔ مگر لالہ علی داس نے ہر پہلو
حلیسی جو اختیار کر لی۔ معاملہ جلدی طے ہو گیا۔ اور اتنے پر ہی غیر سنا کر لالہ صاحب تو
اپنے غمگسار دوست کو لیکر واپس لوہاری دھواڑہ کو چلے آئے اور ان کی برقعہ پوش
مشوفا اپنے جان نثار نوکر کو ساتھ لئے ہوئے باغ کے راستے شاہ عالمی کی طرف چلی گئی
ناظرین۔

اس باب کو ہم ختم کرتے ہیں۔ ہمارا ارادہ تھا کہ متذکرہ بالا واقعات کا مارل یعنی
اخلاقی نتیجہ نکال کر آپ کے سامنے رکھتے۔ مگر چونکہ ہمارے کئی ایک معزز اور لائق دوستوں
کی رائے ہے کہ کریکٹر کا ڈسکریپشن۔ یعنی ایک شخص کا حال بلا کم و کاست بیان
کر دینا ہی مارل نکالنے کے برابر ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہم لالہ علی داس صاحب
کی عزت اور حیثیت اور پھر انکی ہر حالت کا جو آپ اوپر پڑھ آئے ہیں۔ اندازہ کر نیکی لئے
آپ ہی کو نصف ٹھیکرتے ہیں کہ ایسے ایسے ذہنی عزت و اصحاب جنوں عیاشی اور جوش
تماشا بینی میں جو کچھ سلوک اپنے ساتھ کرتے ہیں۔ وہ انکو لوگوں کی نظروں میں یا حقیر
بناتا ہے یا عزیز ہر مال انکی بابت آپ کے چنگر بہت کچھ پڑھینگے۔ اور پھر ہم آپ سے دنیا
کرینگے کہ کیوں جی ایسے دل چلے اشخاص کی زندگی دنیا میں مبارک نہ ہو؟
فہ الحال اگلے باب میں بک اور سیرین کا ملاحظہ فرمائیے۔ تاکہ آپ داستان کے

آٹھواں باب

لال گنگارام کی جو رو

ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے دیوان دینا ناتھ صاحب نے
 دل میں سوچا کہ صاحب بہادر تو بجز اسکے کہ وہ مقدمہ کی تحقیقات کو خفیہ پولیس کی طرف
 کرینگے اور کچھ کرتے دکھائی نہیں دیتے۔ اور اس قسم کی تحقیقات کو خفیہ پولیس کی طرف
 ہوگی مگر پھر بھی لال گنگارام کی عزت کو ضرور عالمگیر داغ لگائے گی۔ اس لئے پیشتر اسکے
 کہ معاملہ کھلے طور پر پولیس کے ہاتھوں میں دیا جائے۔ کیوں نہ اپنے طور پر پہلے دل کھول کر
 اسکی تحقیقات کر لیا جائے۔ ممکن ہے کہ سیدہ لاکے مندر کے پوجاری سے اس بڑھیا کا
 کوئی سراغ مل جائے۔ اگر وہاں سے نہیں تو پھر شاید ریلوے اسٹیشن سے کچھ پتا لگ جائے
 علاوہ اس کے اس سمجھنے لے کی شکل مہر ت کچھ کچھ تو یاد ہے۔ اسی کی تلاش کریں
 اگر وہ مل سکے تو ممکن ہے کہ وہ ہی کچھ بتا سکے کہ وہ آدمی کون تھا۔ اور چونکہ پولیس
 کو بھی اس طرح سبب معلوم ہوگا اس لئے پہلے آپ ہی کیوں نہ کوشش کریں۔
 یہ باتیں سوچ کر دیوان صاحب نے کہتاں صاحب کہہ دیا کہ ”ہم اس معاملہ پر کچھ غور
 کر کے کل یا کچھ دنوں کے وقت حضور سے زیادہ عرض کرینگے“

لالہ گنگارام کو ساتھ لئے جب یہ مکان پر پہنچے تو انہوں نے اپنا نشان سے
ظاہر کیا۔ اس بیچاڑے نے جواب دیا کہ ”دیوان جی مجھ سے آپ کیا دریافت کرتے
ہیں۔ آپ جس طرح چاہیں کریں۔ جب آپ کو میری عزت کا خود ہی اتنا خیال ہے
تو میں کیا کہوں کہ یہ نہیں وہ کرو۔ وہ نہیں یہ کرو۔“

شام ہو گئی تھی۔ دیوان جی نے کہا۔ چلو تم اپنی سیٹلے مندروں چلو۔“

بیچارہ گنگارام۔ ایک ٹھنڈی آہ پھر کر بولا۔ چلو جتنے تو ہاڈی مرضی۔ مگر

دیوان جی مینوں تا خوب سبق مل گیا اے۔“

دیوان جی اٹھ کھڑے ہوئے اور چپ چاپ اپنے دوست کو ساتھ لئے اپنی ٹیم
پر روانہ ہو پڑے اور آپس میں باتیں کرتے ہوئے یہ مندر میں پہنچ گئے اندر جا کر دیوان صاحب نے
پوچھا اسی مہاراج کو ڈنڈوت کی ڈنڈوت کر کے یہ دونو دوست اس کے پاس ایک نہایت
ہی مصفا چوتھڑے پر بیٹھ گئے۔ دیوان جی نے کہا +

”مہاراج کچھ پرارتھا ہے۔ اگر علیحدہ ہو کر آپ سُن لیں۔“ پوچھا اسی ایک
رہیدہ شخص تھا۔ وہ مسکراتا ہوا بولا۔ ”کو مہاراج۔ کوئی ڈر نہیں۔ یہ دونو بھی
دودار آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے۔ جو وہاں موجود تھے، مانکے بھگت ہیں
کوئی ایسے بیگانے نہیں۔“

دیوان صاحب نے پُرے ادب سے پھر کہا۔ ”یہ تو ہم چاہتے ہیں۔ ہماری
بات یہ بھی نہ سُنیں۔“

پوچھا اسی جی بولے ”دست بچن۔ بھگت جی تمہیں مہاراج جڑنی اس تھڑے
اوپر چٹھا جاؤ۔“

جب تکلیف ہو گیا۔ تو دیوان جی نے کہا۔ ”مہاراج۔ کل شام کو جب دست بچنے کی

یہاں دھرم دھرم تھے۔ تو آپ کو یاد ہو گا۔ دو عورتیں ایک نوجوان تھی اور دوسری

ذری بڑھیا یہاں آئی تھیں۔ وہ دوسری عورتوں سے بالکل علیحدہ سرگنے
میں دایک طرف اشارہ کر کے جا کر بیٹھی رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بڑھیا
وہاں سے اٹھ کر دروازہ میں دیر تک کھڑی رہی تھی۔ اب ہم دریافت کرنا چاہتے
ہیں کہ وہ کون تھیں۔ آپ نے ضرور دریافت تو کیا ہو گا۔ کہ وہ کون تھیں۔

پوچھا جا رہی ہے ہرے ہرے۔ بابا ہیکو کیا مطلب (مطلب) اینہما سینکڑوں ماکی
بھگتیاں اور بھگت اتے ہیں ہمارے سبائی بہن ہیں۔ ہیکو کیا واسطہ جو ہم پوچھتے ہیں
کہ کون آیا اور کون گیا۔ دیوی کا مندر ہے جس کا من چاہے آئے۔ جس کا نہ چاہے نہ آئے۔
دینا نا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "ہمارا ج ہم بھی تو دیوی کے ہی آپا سک ہیں۔ ہم کو
تو ایک بڑا ضروری کام ہے۔ جو دیوی مانا اور آپ کی کرپا سے سدھ ہو گیا۔ تو ہم ماتا رانی
کی پوری پوری سیوا کریں گے۔" سیوا خدمت کا لفظ سن کر پوجاری جی ہمارا ج چوکنے
ہو گئے اور فرمانے لگے۔ "وہ تو سچ ہے۔ بابا تمہاری بھاون کا تم کو پھل ملیگا پھر
خیر نہیں۔ تم کو پوچھتے ہو۔ پھر جاؤں بالک سے پوچھتا ہوں۔ اس کو خبر ہو تو ہو۔"
بالک ایک تیرہ چودہ سال کا خوبصورت لڑکا تھا۔ جو پوجاری جی کی خدمت کرتا
تھا۔ وہ پوجاری جی کا چیلہ تھا۔ اور بڑا چھل مزاج کا چھوڑا تھا۔ پوجاری جی کے
ہر ایک راز و نیاز سے واقف تھا۔ جب وہ حاضر ہوا تو گورو جی نے فرمایا۔ "کیوں بالک
یہ بابو کہتے ہیں کہ کل ات جگے میں کوئی دو بھگتیاں اینہما آئی تھیں۔ اور وہاں اس
درخت کے نیچے کتنی دیر تک بیٹھی رہی تھیں۔ اور پھر وہ چلی گئیں۔ تم نے کیوں
بیٹھے دیکھا تھا۔"

بالک جواب میں کچھ نہ بولا۔ اور چپ چاپ دیر تک اپنے گورو جی اور بابو صاحبان
کے منہ کی طرف دیکھتا رہا۔

گورو جی نے اسے طلب کیا۔ بالک یہاں کے بھگت ہیں۔ ہیکو معلوم کرنا چاہتا تھا۔

بالک۔ مسکراتا ہوا اس انداز سے کہ گویا اسکو سب کچھ معلوم تھا۔ لیکن بتلانا نہیں
 چاہتا تھا۔ بولا "مہاراج۔ ہکو کچھ خبر نہیں۔ ہم کسی کی گفتی تھوڑی رکھتے ہیں؟"
 دیوان صاحب اس چھوکرے کے خط و خالی اور انداز گفتگو سے تار گئے کہ اسکو
 خبر ہے۔ مگر یہ جان بوجھ کر نہیں بتلانا۔ انہوں نے اس سے کہا کہ "دیکھو مہاراج
 تم کو معلوم ہے۔ تو بتلا دو ہمارا کارج سدھ ہو گیا۔ تو ہم تمہاری سیوا کرینگے۔"
 بالک پھر مسکراتا ہوا بولا "اچھا ہکو معلوم ہے۔ ہاں ہاں ڈو مایاں یہاں آئی
 تھیں۔ وہ اس رخت کے نیچے بیٹھی رہیں۔ پھر چلی گئیں۔ جب وہ باہر گئیں تو ایک
 بگھی پر چڑھ کر کہیں چلی گئیں۔" اتنی تقریر نے دیوان صاحب کے دل میں یقین پیدا
 کر دیا کہ بالک کو ساری خبر ہے۔ مگر یہ لو بہہ اور لالچ کے بغیر کچھ نہیں بتلا دیکھا۔ اسلئے
 انہوں نے کہا کہ "بس میں مہاراج۔ ہم کو اتنا ہی دریافت کرنا تھا۔ کہ وہ یہاں آئی
 تھیں۔ میں یہ کہہ دیوان صاحب نے جیب میں سے ایک وسیہ نکال کر دیوی جی کے آگے
 بھینٹ کیا اور ایک اور نکال کر بالک کے ہاتھ میں دیدیا۔ اور پھر کہا۔ کہ "واہ!
 مہاراج ہماری چنتا دور ہوئی۔"

اس کے بعد پوجاری جی کو متھٹا ٹیکنا کر کہا کہ "میں مہاراج اب آپ ہکو آگیا
 ہمارا اتنا ہی کام تھا۔ پوجاری جی نے شیر باد (دعا) کی۔ دیوان جی نے مسکراتے
 ہوئے بالک سے مخاطب ہو کر کہا "مہاراج۔ ہمارا فکر تو آپ نے دور کر دیا۔ لیکن
 ایک بات اور بھی ہمیں بتلاؤ۔ آؤ وہ ہم دریافت کریں گے۔"

بالک بولا "پرہمکو اور تو کچھ خبر ہی نہیں۔"
 دیوان صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا کہ "مہت اچھا اگر آپ کو معلوم ہوگا تو
 بتلانا۔ ہم کوئی بچے شہسے تو میں نہیں۔ جو ہم تم سے ایسی ایسی باتیں پوچھیں گے۔ ہم
 مٹارانی کے مندر میں بس ملنا کے بھر دے پڑتے ہیں۔ اور وہی ہمارا مہاراج رسوہ

کر بیگی۔ اتنا کہکچہ پوجا رہی جی سے مخاطب ہو کر دیوان جی نے کہا، "ہمارا راج وہ
عورتیں کوئی بیگانی نہ تھیں۔ وہ ہماری اپنی رشتہ دار ہیں۔ ہم کسی بُری نیت
کوئی بات چیت نہیں کر رہے۔"

پوجا رہی جی فرمانے لگے۔ ہاں بابا۔ سچ ہے۔ بُری نیت کرو گے تو مائرنی
سے پھل پاؤ گے ہمارا کیا ہم تو ہر وقت پرلہ تھنایں آتی ہیں یہ چھو کر ہے۔ بن ہی
سلے منہ کی خبر داری رکھتا ہے۔ ایسا ہوشیار ہے کہ منہ میں ایک پنکھی بھی
آجائے تو خبر رکھتا ہے۔ بالک جاؤ۔ جو کچھ بابو جی پوچھتے ہیں۔ اگر معلوم ہے تو بتلاؤ
تم مائے کوٹاٹے ہو یا بابو جی بستر بنوادینگے۔"

دیوان جی نے کہا، "ہمارا راج۔ ہمارا کالج سدھ ہو گیا۔ تو ہم اس کو بھی آپ
کو بھی۔ اور مائرنی کو سارے بستر بنوادینگے۔"

اتنا کہکچہ دیوان صاحب لارنگنگارام کو لیکر بالک کے ساتھ ڈھیسوڑی میں چلے
آئے یہاں آکر دیوان جی نے بالک سے کہا، "دیکھو ہمارا راج اگر تم ہکو بتلا دو۔ کہ وہ
دونو عورتیں کون تھیں۔ اور کہاں آتی ہیں۔ اور انکا نام کیا ہے تو ہم آپ کو اس وقت
جو کچھ کہو دینگے۔"

بالک نے کچھ سوچ کر معمولی چینچل مزاج سے کہا، "نہیں جی نہیں۔ ہکو کچھ
خبر نہیں۔"

دیوان جی نے بڑی بردباری اور حلیمی سے کہا، "خیر کیوں نہیں۔ ہکو سب کچھ معلوم ہے۔
بالک نے جواب دیا، "ہکو اس بڑھیا کا نام آتا ہے (پھوسکا) کہ پر ہم نہیں تھکتے
وہ بڑی کھرب (خراب) ہے۔"

دیوان جی نے کہا، "تو کیا ہوا۔ خراب ہے تو اپنے گھر میں۔ ہم تو صرف
پوچھنا چاہتے ہیں کہ وہ کون ہے اور اسکا کیا نام ہے اور کہاں رہتی ہے؟"

بالک : ”نہیں۔ نہیں۔ ہم نہیں بتاتے۔ ہکو گورو جی ماریجئے۔“

دیوان صاحب : ”لیکن گورو جی نے تو حکمو آگیا دیدی ہے پھر کسکا ٹہرہ؟“

بالک : ”ہاں ہاں پرانکو معلوم نہیں کہ تم کس کی بات چیت کر رہے۔ وہ تو گورو

جی کی بڑی بیوا کرتی ہے۔“

دیوان صاحب : ”لیکن ہم تو تم سے صرف اشاریات کر کے بس چلے جائیں گے۔“

ہکو اس سے اور گورو جی سے کیا واسطہ؟“

بالک : ”اچھا تو تم تارا جی کی سوگند کھاؤ۔ گورو جی سے کچھ نہ کہو گے۔“ ادا ہو جو

کچھ مانگتے ہیں ہم کو دیدو۔ ہم ہمارا مطلب (مطلب) سمجھ گئے ہیں۔ تم بیجا بی ہو۔ تو ہم

بھی ہندوستانی ہیں۔ ہم بھی پہلے اسکول میں پڑھتے تھے۔ ہم کو سب استاد ہی آتی

ہے۔ تم صاف صاف کیوں نہیں کہتے۔ کہ اس جوان عورت کو میں ملا دو۔ (سکرا کر)

کیوں یہی مطلب ہے نہ کچھ اور؟“

دیوان جی : ”بھائی! جواب دیا کہ وہ ہمارا ج۔ تم تو لوگوں کے دل کی بات

بورجستے ہو سچ تو یہ ہے کہ میرے دوست (لاگنگرام کی طرف اشارہ کر کے) اُس جوان

عورت سے ملنا چاہتے ہیں۔ اگر تم ملا دو۔ تو دشمنیں۔ پچاس۔ جتنے روپیہ تم کو

ہم تم کو دیدیں گے۔“

بالک : ”بس ایسا کیوں نہیں کہتے۔ ہماری عمر تو چھوٹی ہے۔ مگر اس مندریں

اگر ہم نے آپ ایسے سینکڑے بالوں کو دیکھے ہیں۔“

دیوان صاحب : ”سچ ہے۔ تو پھر کیا کیا جائے۔“

بالک : ”بس ہم کو ایک سونے کا کنڈہ بنوا دینا۔ ہم تمہارا کام پورا کر دیں

گئے۔“

دیوان صاحب : ”نہیں ہمارا ج۔ تم تو سمجھاؤ کہ ہمیں۔ ہم کو کیا کیا کرنا ہے۔“

ڈاکٹر (نوشتری) بنوا دیں گے۔“

بالک ”اچھا تو لاؤ۔ بہکو مندری کا دام دیدو۔ اور تم آدھے گھنٹے کے بعد پھر آجا۔ اس وقت ہم تم کو اس بڑھیا کے گھر میں لے جلیں گے۔ اس وقت ہم نہیں جاسکتے۔ اس وقت ہم گوردجی کے لئے دودھ لینے جائیں گے۔“

بالک کا یہ فقرہ سنکر دیوان جی نے لاگنگارام کی طرف دیکھا۔ لاگنگارام نے کہا۔
”جیسا مناسب سمجھیں دیا کریں۔“

دیوان صاحب نے کہا۔ ”اچھا تو ہمارا ج ہم باہر سڑک پر ٹھہرتے ہیں۔ آپ گوردجی کی آگیا لے لیں۔ ہم آدھ گھنٹہ تک آپ کی انتظاری کریں گے۔“

بالک ”اسی طرح سہی۔ پر گوردجی کو نہ کہنا۔“

دیوان صاحب ”بہکو کیا واسطہ۔“

دیوان صاحب۔ لاگنگارام۔ بالک سے رخصت ہو کر باہر چلے آئے۔ اور سڑک پر آدھ
آدھ ٹہلنے لگے۔ دیوان جی نے کہا۔ ”لاگنگارام جی پتہ تاں اس چھوکرے نے پورا پورا دتا
لے آؤں دیکھئے۔“

گنگارام یہ ایسہ بڑا چلاک ٹونڈا ہیگا جناب۔ میں سہوں جیسی طرح جاننا ہاں میرے
کئی ایک دوستاں نے اسدی بابت میرے آگے ذکر کیا ہے۔“

دینا ناتھ ”سانوں کی اسات تاں اپنا مطلب کرنا ہیگا ہے۔ جیکر اس نے پورا
پورا بتے دے تاں آدھ جانے سنوں کچھ بے دیاں گے۔“

گنگارام ”بیشک پولیس دی تحقیقات نالوں۔ قہ ایہہ تحقیقات لے تودرج
اچھی ہو جائیگی۔“

دینا ناتھ ”ہو پولیس امیاں نون شاید ایہہ اس طرح دے اوی تاں۔“

گنگارام ”بھئی۔ انکی تشکل دیکر کہہ ڈھاتا۔“

دینا تاکھو لیکن اک گل اے کر پولیس اے لوی یا بڑے بھیس بدکر اے
محاطات دی تحقیقات کر ہی لیندے نے

گنگا رام۔ پھر بھی جو کام ایک تعلیم یافتہ کر سکا اے۔ اوہ بے علم گنوار کو بول
نہیں ہو سکا

دینا تاکھو گنگا رام جی ولایت دی پولیس دے وچ غضب اے آفتے پھرتی
ہینگے جے میں اکنا ول وچ پڑھیا اے کہ اک خون دے مقدمہ وچ پولیس ہر چند تلاش
اور تحقیقات کر تھی۔ مگر قاتل دا کچھ پتہ نہ لگا۔ بڑی مشکل دے بعد اک ڈیٹیکٹو رخصت
پولیس کے سپاہی نے صرف اس قدر معلوم کر لیا کہ فلا نے فلا نے لارڈ دی سائنس ٹال
ایہ قتل ہو یا اے۔ مہنہ تیس خیال کرو کہ اوہ پولیس والا کتا بکری پورے ایک مہینہ تک
اس لارڈ دے محل وچ رہندارہیا۔ اور آخر تپانکال اسی بیا۔ معلوم ہوا کہ فلا نے
فلا نے محلہ دے وچ اک بالکل نامعلوم نابنائی ہیگا۔ اس دے رط کے نے اس لارڈ دے
کہنے اوپر بہت سارا روپیہ لیکے۔ ایہ خون کیتا اے۔ پھر لاکہ گنگا رام جی اوہ پولیس والا
اسجگہ پہنچا۔ اوتھوں معلوم ہوا کہ قاتل کدھرے فرانس دی طرف بھاگ گیا ہیگا۔
ابے راخیال دی گل ہیگی کہ ایہ پولیس والا اسٹان بائی دے بیٹے وایعنی قاتل اپورا
پورا روپ بنکے تین مہینے تک اسٹان بائی دے گھر رہندارہیا۔ اس نان بائی پہلاں
سیافت کیتا کہ توں ایسی طرح واپس کیوں آگیا ہیگا۔ اس تیکہ نام دے تے وارنٹ
جاری نے مگر اس فرضی بیٹے نے جواب یا کہیں سبب نظام کر لیا ہیگا۔ مینوں لارڈ دا
پیغام پہنچا سی کہ اب بیشک چلا اکوئی ڈر نہیں۔ اس اثنایچ اس اصلی قاتل دی طرف
تھیں دوچار خط بھی آئے۔ مگر چٹھی سٹان دی ہمیشہ ایہہ تاڑ وچ رہنداسی۔ جو خط
اسنوں دے ایہہ پڑھ لینداسی۔ آخر اس قاتل دا پتہ کہ جج فرانس وچ اوہ قید ہو گیا سی
لکھ لکھ فرانس وچ جا پہنچا۔ اور اس جگہ تھیں اس نوں گرفتار کر کے آگے بڑھیا

ہوئی اور انعام و اکرام ملیا۔ بن نہیں فرما خیال کرو کہ ایک مہینہ تک کتابنا مارا اور پھر
جا کر ایک شخص واپس آیا بن جانا اور اس کو پورا بھی شک نہ ہونا کتنا بھاری چالاکی و اک
ہیک۔ ایہ ساڈے ملک سے پولیس والیاں کولوں کدی ہو سکدے۔

لالہ گنگا رام نے کہا تو بھئی۔ آدمی سن کر نفین نہیں کر سکدے۔

غرض دیوان جی اور لالہ گنگا رام میں میں تک پولیس کی ایسی چالاکوں کی باتیں
ہوتی رہیں۔ شام کے نو بجے چاہتے تھے کہ بالک ہاتھ میں ٹوٹا لے مندر سے نکلا۔
یہ دونوں اس کی آمد کے منتظر تو کھڑے ہی۔ جھٹ اس کے ساتھ ہوئے اور وہ انکو
لوہاری دروازہ کی طرف لے چلا۔ آگے آگے وہ ننھا اور پیچھے پیچھے یہ دونوں غمزدہ
رفیق تھیں راستہ میں اور تو کچھ گفتگو نہ ہوئی۔ صرف لالہ گنگا رام نے اتنا دریافت کیا
کہ ”بالک جی ہمارا ج۔ یہ تو آپ کو کچھ گفتگو نہ ہوئی۔ صرف لالہ گنگا رام نے اتنا دریافت کیا
کہیں گئی ہوئی تو نہیں؟“

بالک نے جواب دیا ”اسی جگہ ہوگی۔ اور جو کہیں چلی گئی ہوگی تو کیا ہے کیا
وہ آ نہیں سکتی؟ وہ بڑھیا ایسی ہے کہ ساتویں اندر سے جس کو کہو پیدا کر دے؟“
دینا ناتھ ”اس کا نام کیا ہے ہمارا ج؟“

بالک ”موس کا اس بڑھیا کا؟“

دینا ناتھ ”ہاں اس بڑھیا کا؟“

بالک ”اس کا نام جوانی ہے؟“

دینا ناتھ ”کہاں رہتی ہے؟“

بالک ”بس ابھی آپ کو معلوم ہو جائیگا؟“

گنگا رام (بالک سے) ”اور اس جوان عورت کا کیا نام ہے؟“

بالک ”اس کا نام جوانی ہے؟“

گنگا رام یہ آگے بھی وہ آپکے مندر میں آتی جاتی ہوگی؟

بالک ”کون“

گنگا رام یہ وہ جوان عورت اس بڑھیا کے ساتھ؟

بالک ”نہیں ہمارا جہم چھوٹے نہیں کہینگے۔ وہ ہمارے ہاں پہنچے بھی نہیں

آئی۔ ہاں وہ بڑھیا جو دروازوں ہماری مائاں پر چل چڑھانے آیا کرتی ہے۔“

ایسی ایسی باتوں میں یہ لوہاری دروازہ کے اندر داخل ہو کر رہاں سے سوز بڑی

کی طرف چلے گئے۔ تھوڑی دور جا کر بالک نے ان سے کہا ”لو اب آپ لوگ یہاں ٹھہرو

ہم اس گلی میں جا کر اس بڑھیا کو لاتے ہیں۔“

بالک اتنا کھرا بیک تنگ سی گلی میں چلا گیا۔ دیوان دینا نا تھنے لاکہ گنگا رام سے

کہا ”یار مینوں اس مندر سے وہی بات راکھ لھین نہیں آؤ نہ آؤ اسیں بھی اسے

پچھے پیچھے چلے چلے۔“

چنانچہ جب بالک اس گلی میں جب قدم بڑھ گیا۔ تو یہ دونوں اس کے پیچھے پیچھے ہوئے۔

گلی کچھ بہت لمبی نہ تھی۔ تھوڑی ہی دور جا کر بالک نے ایک دروازہ پر دستک دی اور

سے آواز آئی ”کون۔“

بالک بولا ”اجی مائی جی ہم ہیں۔“

دیوان دینا نا تھ اور لاکہ گنگا رام چوروں کی طرح ایک مکان کے کھڑے کی آڑ میں

چھپے ہوئے کھڑے تھے۔ پندرہ بیس سکڑ کے بعد اس مکان کا جس کے کنگے بالک

کھڑا تھا دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والے سے بالک نے پوچھا ”مائی جی کہاں

ہیں۔“

ایک باریک اور سریلی آواز میں جواب ملا ”وہ ناں اک جگہ گم گئی ایسی اسے۔“

بالک نے آہستہ آہستہ آواز سے پوچھا ”تو کیا تم آج گھوہیں آگلی ہو۔“ بالک جس

سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ ایک نہایت ہی حسین اور بالک کی ہم عمر نوخیز چھو کری تھی۔ وہ بولی "نہیں۔ ماں ہنے آئی کرائی"

بالک "ہم نے سمجھا تھا کہ آج تم کیسی ہوگی"

چھو کری دسکر اک توں اسویلے کہہ آیا میں

بالک "بس تمہاری طرف"

چھو کری "آفیز اندر چلکے بیٹھ"

بالک "نہیں ہم کو دیر ہوتی ہے۔ گوروجی کے واسطے دودھ پیئے آئے تھے۔

ہم نے کہا اس طرف سے ہو چلیں"

چھو کری "سالوں وی کدی دودھ لیا دیا کہ۔ آپے آپ ہی روز پین را بہندا

میں"

بالک "اچھا۔ بہت اچھا۔ ابھی پیو۔ تو میں ابھی لانا ہوں"

اتنا کہہ کر بالک فوراً پچھلے پاؤں لوٹ پڑا وہ چھو کری آوازیں ہی دیتی رہی۔ مگر

یہ "نہیں۔ نہیں۔ میں ابھی آیا" کہتا ہوا چلا گیا۔ جب یہ وہاں سے گزرا۔ جہاں لالا

گنگا رام اور دیوان دینا ناتھ کھڑے تھے تو اسے سامنے سے دو عورتیں اور ایک مرد آتے

نظر آئے چونکہ کلی بالکل تنگ تھی۔ بالک ان کے لئے راستہ چھوڑ کر ایک طرف ہٹ کر

کھڑا ہو گیا۔ پشتر اس کے کہ یہ لالا گنگا رام اور دیوان صاحب کو دیکھ پامے۔ یا وہ آتے

ہاویں۔ وہ عورتیں اور ان کا ہمراہی مرد بھی اُسی جگہ پہنچ گئے۔ بالک نے ان میں

ایک عورت کو پہچان کر کہا "ارسی یہ تو مائی جی ہیں۔ اے جی۔ رام رام۔"

جواب ملا "رام رام۔ میں مے بالک تو اسویلے کہہ"

بالک "بس آپ کے ہی دشمن کو آیا تھا"

عورت "کیوں شکھ لے د"

بالک : ہاں جی۔ سب سکھ چین ہے۔“

بہنے والی عورت کی عقابی آنکھ نے لالہ گنگارام اور دیوان صاحب کو کونے میں چھپے کھڑے دیکھ کر بالک سے پوچھا : ”ابہ کون بیگے نے تیرے نال ؟“

بالک کو ابھی تک معلوم نہ تھا کہ یہ دونوں دوست بھی اُس کے پیچھے پیچھے چلے آئے تھے اور اگر یہاں کھڑے ہو رہے تھے۔ وہ اب ان کو دیکھ کر بولا : ”پریشکر کو معلوم ہو۔ یہ کون ہیں ؟“

پھر ان کی طرف مخاطب ہو کر ”کیوں مہاراج جی آپ کس کو دیکھتے ہو اور آپ کس طرح کھڑے ہیں ؟“

جب بالک کے اس سوال کا جواب کچھ نہ ملا تو دوسری عورت ایک سہمی ہوئی آواز سے بولی : ”کوئی ہونگے۔ سالوں کی۔ چلو تسیں اپنے گھروں“

دوسری عورت کے منہ سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ لالہ گنگارام نے ایک جست کی اور کوکر جیسے بھیڑ یا کسی بھیڑ بکری کے گلے کو دبا لیتا ہے۔ ان دونوں عورتوں کی گردنوں کو اپنے دونوں ہاتھ پھیرا کر پکڑ لیا۔ اور دیوان صاحب سے انگریزی میں چلا کر بولا کہ ”اس مرد کو پکڑنا جانے نہ پاوے“

دیوان صاحب لالہ گنگارام کی یہ حرکت دیکھ کر ششدر سے رہ گئے۔ مگر انہوں نے فدا سمجھ لیا کہ اوہ گنگارام کی جو رویہ تو ہے۔“

تب تو یہ بھی لال ہو گئے۔ اور انہوں نے اس آدمی کو شانے سے پکڑ لیا۔

بالک جی مہاراج کا اس کھینچ تان کو دیکھ کر بھاگتے ہوئے کہیں نہ نکلا۔ لالہ گنگارام نے دیوان صاحب سے انگریزی زبان میں کہا کہ ”دیوان جی۔ جی ہتھیلوں ان تینوں کو کسی طرح اپنے مکان تک لے چلوں کوئی ایسا طریقہ سوچنا چاہئے۔ کہ یہ بازار میں مشغور غل مچانے کے بغیر وہاں تک پہنچ جائیں اور ہم آپس میں انگریزی

میں گھبرا کر میں

وہاں پہنچ کر کیا یہی تمہاری عیبت ہے؟

گفتار اول در بیان بی‌بختی و شومی و غم و اندوه

وہ میرا کھڑے کیا تم نے ان کے گھٹے دیا ہے جو اُسے میں ہر انکا آواز نہیں نکلتا

گنگہ رامؒ ہاں۔ مگر میں ان کا سانس نہیں بندھنے دیتا۔ اور اللہ نہیں

تکلیف دینا

دینا تاکھو اور اس شخص کا جو سب سے بڑا ہے کیا بندوبست کیا جائے معلوم
ہوتا ہے یہ ہماری انگریزی کی گفتگو کو سمجھتا ہے۔ مگر کیا پروا ہے اگر اس نے چول
چراں کی توہیں اسے مزہ چکھاؤں گا۔

گنگا رام :- "یہ انصاحب جی طرح میں آپ کہتا ہوں اس پر غل کر میں :-
دینا نا تھ :- ہاں - ہاں - بتلاؤ نہ :-"

گنگا رام "تم اس شخص کو کسی طرح میرے مکان تک لیجاؤ۔ اور وہاں سے میرے
نوکریوں کو کسی طرح یہاں تک بھیج دو غرض تم اس شخص کو تو کسی طرح وہاں تک
لیجاؤ۔ پیچھے جو ہو گا۔ میں دیکھ لوں گا۔

دینا تاکہ اور جرات مند میں یہ شور و غل کرے تو نہ

گنگا رام: اسی مرثا ہے ایسی کی قری۔ سائے کو دو گھونٹہ کھڑک دو۔ اور

کہو چل کر تو ان کو حرامزادے کہنے مانسوں کے جیب کا ملاں

جب دیلان جی اپنے ہتھار کو بیکر ہاں سے چلنے لگے۔ تو اس شخص نے جیل حجت کی لہر چاڑھ کر کہے۔ میں اس کتھے بچلنا ای سا بیسن نوں سہل ہے۔

اس فقرے کے جواب میں دیوان جی نے اس کے منہ پر ایک ایسی چپ تھام لی کہ اس کی زبان سے کچھ نہ نکلا۔

ہوئے گھسیٹ کر وہ دھکیلا کہ اسے گلی کے باہر کر دیا اور اپنے آگے لگا لیا۔ بازو میں سے یہ اس کو جہاں دم مارتا۔ لات گھونسلے لگاتے ہوئے اور تماشاٹیوں کا اپنے پیچھے ایک انگوٹھ لگائے آخر کار لالہ گنگارام کے مکان کے بیچے تک لے آئے۔

لوگوں کے دریافت کرنے پر دیوان جی نے کسی کی بھی بات کا جواب نہ دیا۔ مگر اس شخص نے پانچ چھ منتر بھنگا لکھا کہ کما کر دیکھو جی اپنی رن واسمہ لانا نہیں کر داتے مینوں اینویں حرام زادہ خراب کرن لگا ہویا ہے۔“

جب یہ لالہ گنگارام کے مکان کے بیچے پہنچے تو محلہ والوں میں سے ایک نے ان سے سوال کیا کہ دو کون ہے۔ لالہ جی ۹۔“

دیوان جی نے کہا ”لوکر میگا۔ شیطان نے شراب پی لئی ہوگی اور بکو اس پیا کر دیا ہے۔“ وہ شخص اس بات کی تردید کرنے کے لئے کچھ بولنے لگا تھا کہ دیوان جی نے اس کا گلہ دیا کہ اسے بولنے سے روک لیا اور لالہ گنگارام کے لوکر گوپال کو آواز دی۔
لوکر فوراً نیچے آگیا اور جوں توں کر کے دیوان صاحب اس شخص کو مکان کے اندر لیگئے۔
ناظرین۔

لاہور شہر کے کیا کہتے ہیں۔ جو کو نہ ہالو۔ دوسرے کان تک خبر بھی نہیں ہوتی جو لوگ دیوان جی کے پیچھے پیچھے آئے تھے۔ کافر ہو گئے۔
سبے نفیس کر آیا کہ دو ذکر تھا۔ شراب پی کر اپنے مالک کو کالبلیاں نکال رہا تھا۔
اچھلے بھڑا جو سالے کو جوت پزار نہ گئی۔“

اوپر جا کر دیوان جی۔ گوپال کو لالہ گنگارام کی طرف بھیجنے کے لئے تیار کر کے اسے اس گلی کا پتہ بتا رہے تھے کہ خود بدولت لالہ گنگارام پہلو مرد اپنی بہم کے تشریف لے آئے۔ آتے ہی انہوں نے کہا ”کہ وہ حرام زادہ۔ تو تیری چالاک سے نکل رہی ہے۔“
یاد کو اس نے ذرا ڈھیلایا اور وہ سیانگئی۔ خیر اس شیطان نسواری کو کل پکڑینگے۔“

نوکری چاکروں کو کچھ خبر نہ تھی کہ کیا معاملہ ہے؟ اس لئے لالہ سنگرام نے دیوان جی سے پوچھا کہ "نوکریوں نے پوچھا ہوگا۔ کہ یہ کون آدمی ہے؟"

دیوان جی نے کہا "پوچھا تو کسی نے نہیں۔ مگر چونکہ میسرے پیچھے پیچھے بازار میں سے بہت لوگ یہاں تک نماشا دیکھنے دوڑے آئے تھے۔ اس لئے نوکریوں کو جبران میں کہ یہ معاملہ کیا ہے؟"

لالہ سنگرام اپنی جو رسمیت خواہگاہ کے کمرہ میں چلے گئے۔ اندر داخل ہو کر انہوں نے دیوان جی سے کہا "مائی ڈیر۔ مجھے ایک منٹ کی اجازت دیجئے گا۔ میں ابھی آیا۔"

دیوان جی نے کہا "بیشک مگر اسکو (یعنی جو رو کو) مار پیٹ نہ کرنا۔"

لالہ صاحب "نہیں۔ نہیں" کہتے ہوئے اندر چلے گئے۔ خواہگاہ کے کمرے کے ساتھ ہی ایک چھٹی سی کوٹھری تھی جو رات کے وقت حاجت رفع کرنے کے لئے کام آتی تھی۔ اس میں اپنی جود کو لیجا کر لالہ صاحب نے اسے ایک ٹی ہوئی کرسی پر بٹھلا دیا۔ اور پھر بغیر جیل و حجت یا کسی گفتگو کے انہوں نے اس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کو ملا کر ایک رسی سے اسکی نیکیں کسکر باندھ دیں۔ اور مرغ نیم بسمل کی طرح اسی فرش پر تڑپتا ہوا اچھوٹ کر اس کو پٹھری کو باہر سے دروازہ بند کر کے یہ باہر نکل آئے۔ دیوان جی کے پاس آکر انہوں نے ان سے پوچھا "کیوں برا دراب بتلاؤ۔ وہ حرام زادہ کہاں ہے اور اسکے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے؟"

دیوان صاحب نے کہا "یہ بیچٹا ہے۔"

(نوٹ: دیوان صاحب اور لالہ صاحب کی ایسی گفتگو انگریزی زبان میں ہوئی تھی)

لالہ سنگرام نے کہا "تو آؤ اسکو اندر لے چلیں اور وہاں چکر جو کرنا ہے۔ کرینگے۔"

یہ کہہ کر لالہ صاحب اپنے دوست اور دشمن (دونوں کو ساتھ لے کر ایک بن اور تنہا کمرے میں لے گئے۔ دروازہ بند کر لیا اور فرش پر جہاں ایک معمولی درمی پھٹی تھی۔ بیٹھ گئے۔

گنگا رام داس (جی) سے "تم کو کون پتا ہے؟"

اجنبی "میں آدمی ہوں"

گنگا رام "اے حرام زادے تیرا نام کیا ہے"

اجنبی "مجھ کو اس سے کیا غرض"

لاگنگا رام نے اس کے منہ پر ایک نر کا تھپڑ مار کر کہا۔ "وہ شیطان کے بیٹے۔ مجھ کو کیا غرض"

اجنبی (مہوش میں آکر اور آنسو بھر کر) "اسکو اشرفیت نہیں کہتے۔ تم دو ہو۔"

اور میں ایک۔ اگر زور آزمائی کرنی ہے۔ تو تم اکیلے آ جاؤ جو جیت جائے وہ عورت کو رہنے دے۔"

یہ کہہ کر لاگنگا رام اس شخص پر حملہ کرنے کے لئے پھر چھپٹے۔ مگر دیوان صاحب نے

ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا۔ صبر کرو۔"

لاگنگا رام کو الگ ہٹا کر دیوان صاحب نے اس شخص سے کہا۔ "دیکھو صاحب تم

قطع وضع سے ایک تعلیم یافتہ شخص معلوم ہوتے ہو۔ مگر سنو تو سنی۔ تم نے یہ کون سی اشرفیت

کی بات کی کہ ایک بھلے بامعنی کی عزت کو بگاڑ دیا۔"

وہ شخص بولا۔ "مجھے یہ بتاؤ کہ وہ عورت آپ میں سے کسکی جڑ ہے۔"

دیوان صاحب لاگنگا رام کی طرف اشارہ کر کے۔ "انہی"

اجنبی بہت اچھا۔ تو پھر یوں کیجئے کہ آپ منصف بن جائیں اور میں اور یہ بات

کہہ رہے ہیں اور پھر آپ نے دھرم سے بتلایا کہ کس کا قصور ہے؟"

دیوان صاحب "بہت اچھا"

اجنبی لاگنگا رام سے "دیکھیں صاحب۔ یہ کہہ رہا ہے کہ آپ کا قصور نکلتے ہو۔"

گنگا رام "بس یہ کہہ رہا ہے میری عزت برباد کر دی"

اجنبی "دیکھو آپ کی عزت میرے ہاتھوں میں تھی۔ یا آپ کی جڑ کے ہاتھوں میں"

گنگا رام (دیوان صاحب سے مخاطب ہو کر انگریزی میں) "میں دیوان صاحب اس

بحث سے میری زیادہ بے عزتی ہو گئی"

دیوانہ صاحب راجہ جی سے مخاطب ہو کر اس بحث کو جانے دیجئے صاحب جو
آپکے پوچھتا ہوں۔ وہ بتائیں گا۔

راجہ جی "آپ فرمائیے۔ میں بھی انگریزی اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ گو آپ کی طرح گڑبچوٹ
نہیں ہوں۔"

دیوانہ صاحب اس راجہ جی کے منہ سے یہ الفاظ کہہ کر آپ کی طرح گڑبچوٹ نہیں ہوں۔
مگر حیران ہو گئے کہ اسکو میرے گڑبچوٹ سمجھنے کی طرح خبر ہے۔ پوچھا کہ آپ کو کس طرح
معلوم ہوا کہ میں گڑبچوٹ ہوں۔

راجہ جی "میں نے آپکو وہ دفعہ امت میں راجہ صاحب مال سنگھ بہادر کے
سی۔ ایس۔ آئی کے مکان پر دیکھا ہے۔"
دیوانہ صاحب "ٹھیک ہے۔"

راجہ جی "تو پھر آپ ایسا کریں کہ الہ صاحب کو خدا ہوش و حواس میں آ لیتے دیں۔ او
میں خود ہی اس کل ماجرے کو آپکے گوش گزار کر دوں گا۔ آپ سٹیشن پر ہیں۔ میں آپکا یا الہ
صاحب کا دشمن نہیں ہوں۔ بلکہ مجھے انشوس ہے کہ اس علاقہ کے بانی مہاراجا صاحب خود ہی ہیں۔"
دیوانہ صاحب "یرے نام مسکر اکر انہیں نہیں۔ آپ فرمائیے۔ وہ متوجہ ہیں۔
اور اب ہمارے درمیان کسی قسم کی سخت کلامی نہیں ہوگی۔"

راجہ جی نے لاگنگارام کی بیوی کے کم ہونے کی حقیقت کو یوں بیان کرنا شروع کیا۔
دیوانہ صاحب۔ آج ایک عرصہ سے لاگنگارام میری عزت کو برباد کر رہے ہیں۔ میں نے
بہترے چلے گئے۔ ماکھن تار بیکر کی طرح یہ بازار آجا دیں اور میری اور انکی عزت میں
فرق نہ رہے۔ مگر انہوں نے اپنے گھنٹ اور سرور دولت میں کچھ پرواہ کی۔ بلکہ دن بدن
انہوں نے قابل حال چلنے شروع کی۔ انکی اس سے پرواہی سے میں نے آخر کار قسم لیا کہ
میں انکو جو حال سے بہاؤں گا۔ انکو میری عزت میں لایا جائے گا۔

حشر میں اور محشر کے سامنے ایک نئے سے کے گلو گزیر کر انصاف طلب کریں۔ مگر کچھ جو کچھ
 خیال آیا۔ میں نے یہ مناسب سمجھا کہ اپنے ارادہ کو پورا کرنے کے پیشتر پہلے میں بھی انکو اسطرح
 بے عزت کروں۔ جیسا کہ یہ مجھے کر رہے ہیں چنانچہ میں نے جن وسائل سے بن پڑی تھی
 اس کٹنی کے ذریعہ سے جس کو آپ اس گلی میں دیکھ آئے ہیں۔ ان کی جو رو سے تعلق پڑا
 کرنا شروع کیا۔ میں نے اپنے کاروبار امت میں بند کر کے اس غرض سے لاہور میں چلا
 آیا۔ اور آخر کار میں انکی جو رو تو بھگائے گیا۔ امت میں بے جا کر میں نے اسکی عزت
 بگاڑی اور میں اسات کو ہزار بار دہرا کر کھونکا۔ کہ میں نے شکر کیا کہ میں نے انکی جو رو کو اپنی
 جو رو بنالیا۔ میں نے وہاں جا کر دو تین برہمنوں کو جمع کر کے درپردہ اس کی عورت سے
 اقبال کرایا کہ وہ بیوہ ہے اور اس اقبال پر ہندوؤں کی رسم کے مطابق میں نے اس کے
 ساتھ ازدواج یعنی چادر لاکر لیا اب لاہور میں اس کو لے آیا ہوں۔ اور گو وہ لالہ صاحب کے
 مکان میں آکر داخل ہو گئی ہے۔ مگر میں لالہ صاحب پر بازو کا دعوے کرونگا۔ عدالت
 میں گو لالہ صاحب ثابت کر دیں کہ وہ ان کی منکوحہ عورت ہے مگر میں بھی بذریعہ وکلاء جھگڑا
 رہونگا۔ روپیہ خرچ ہوتا رہیگا۔ مگر کچھ پرواہ نہیں۔ پہنک کے وہ برو بے عزتی تو ہوگی
 یہی میری عزت سو وہ لالہ صاحب کی بدولت آگے ہی چولہے میں پڑ گئی۔ اب مجھے کچھ
 ڈر نہیں۔ آپ مجھ سے دریافت کریں گے کہ مجھے اتنا کونسا بڑا رنج پہنچا ہے جو میں
 اس طرح کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ میں شرداس کا سالہ ہوں اس کی عورت میری حقیقی بہن
 ہے۔ میں میں زیادہ بیان نہیں کرونگا۔ آپ اگر اس راز سے واقف ہیں تو خود سمجھ
 جاویں گے۔ ورنہ آپ لالہ صاحب سے یہ مدخل کریں گے۔ مجھے بیان کرنے میں۔ جوش آتا
 ہے اس لئے میں چپ رہونگا۔ بس

اس تقریر کو سن کر لالہ صاحب کیا اور دیوانہ صاحب کیا بلکہ درد و دیوار تک دم بخود ہوئے
 اور کئی محضوں تک ان میں سے کسی کو کچھ من نہ آیا کہ کہے تو کیا کہے؟

جب خاموشی کھلتی نظر آئی۔ تو اجنبی نے پھر یوں بیان کرنا شروع کیا۔ دیوان جی
میں تو مرنے مارنے پر تیار ہوں۔ مگر ساتھ ہی اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ میں بھی اپنے
اور برادری میں کم عزت نہیں ہوں۔ اسلئے اگر آپ اس فساد کے فرو کرنے کی کوئی تدابیر
سوچ کر مجھے بتا سکیں تو میں ان پر عمل کرنے سے بھی انکار نہیں کروں گا۔
لاگنگارام صاحب اٹھے پر ہاتھ پھیرتے اور ایک آہ بھرتے ہوئے بولے دو لیکن اسے
زیورات کہاں ہیں ؟

اجنبی ”میرے پاس ہیں“

گنگارام ”تو لاؤ۔ وہ دیدو“

اجنبی ”لیکن کس شرط پر؟“

گنگارام ”شرط کیسی؟“

دیوان صاحب۔ اب بول اٹھے۔ میں ایک بات کہتا ہوں۔ اگر آپ ”دلوں
کو منظور ہو تو؟“

اجنبی (بڑے شوق سے) ”فرمائیے“

دینا نا تھو (اجنبی سے) ”آپ کا نام کیا ہے؟“

اجنبی ”میرا نام میرا اعل ہے۔“

دینا نا تھو (گنگارام سے) ”کیوں مٹر گنگارام میں کہوں؟“

گنگارام (چہیں چہیں ہو کر) ”ہاں فرمائیے“

دینا نا تھو ”مگر شرط یہ ہے کہ آپ دونوں میرے کہنے پر عمل کریں گے؟“

گنگارام (دایوس ہو کر) ”آپ فرمائیے تو سہی“

دینا صاحب نے اپنی تجویز کو ذیل کے الفاظ میں بیان کیا۔

”میں یہ کہتا ہوں کہ آج سے آپ ایک دوسرے کے دوست بن جائیں مٹر گنگارام آپ

اس کے ساتھ اپنا سبیل چل بند کر دیں۔ اور لالہ میرا لعل آپ اسکے ساتھ اپنا
تعلق قطع کر دیں۔“

اجنبی ”مجھے منظور ہے۔“

دینا نا تھ (گنگا رام سے) اور آپ کو۔“

گنگا رام ”مجھے بھی کوئی عذر نہیں۔“

اجنبی ”تو یہ بیچے زیورات۔“

لالہ گنگا رام نے زیورات کو دیکھ بھال کر سہما لیا۔“

اجنبی ”لو دیوان جی۔ میں اپنے پریشکر کو حاضر ناظر جان کر اپنے ماما پتا کے سر کی

قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ اگر لالہ گنگا رام آج سے میری بہن کو بہن سمجھ کر اپنے

منہ سے کہیں کہ اسکو وہ آج سے اپنی بہن کے برابر جانیں گے تو میں بھی اقرار

کرتا ہوں کہ میں بھی انکی عورت کو اپنی بہن جانوں گا۔“

دینا نا تھ ”واہ! واہ! خوب فیصلہ ہوا۔ گنگا رام جی۔ مان لو۔“

گنگا رام (سر نیچے کئے ہوئے) ”منظور۔“

اجنبی (دیوان صاحب سے) ”اور آپ ضامن۔“

دینا نا تھ ”منظور۔“

اجنبی اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اُس نے ہاتھ ہونڈ کر لالہ گنگا رام اور دیوان دینا نا تھ

صاحب خانے کی اجازت مانگی۔ اجازت مل گئی اور لالہ میرا لعل (بندگی) کر کے اٹھ

کھڑے ہوئے چلتے وقت میرا لعل نے دیوان جی سے کہا۔ ”دیوان صاحب میں اتر میں بارہا

کے متصل انگریزی ادویات کی دکان کو ہوں اگر ضرورت ہو تو مجھے اس ٹریڈ پر آپ کو دے سکتے ہیں۔“

میرا لعل انگریزی ادویہ فروش متصل دربار صاحب۔

اتنا کہہ کر وہ رخصت ہو گئے۔

نواں باب

سپاہی زاوے کا خط

ناظرین

پچھلے باب کا مارل بیٹے اخلاقی نتیجہ آپ غور نکال لیجئے۔ ہم آپ کی خدمت مبارک میں نواں باب پیش کرتے ہیں۔

لالہ میرا عل کے چلے جانے کے بعد دیوان صاحب بھی ٹھوڑی سی دیر تک لالہ گنگارام کے مکان پر ٹھہرے۔ رخصت ہوتے وقت دیوان صاحب نے لالہ صاحب سے ذیل کی بات کی کہ: "لالہ گنگارام۔ جو کچھ ہوا سوچو۔ اب اٹینڈو کے لئے آپ کو اپنی حفاظت کرنی پڑے گی۔" اس وقت کسی لمبی چوڑی گفتگو یا بحث مباحثہ کا چونکہ کچھ لطف نہیں آئیگا۔ اس لئے میں رخصت ہوتا ہوں اور آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ مجھے حتیٰ کہ کوئی سخت ضرورت نہ پڑے ایک مہینے تک یاد نہ کیجئے گا۔ کیونکہ میرا امتحان نزدیک آتا جاتا ہے۔ اور میں نے بہت کچھ دیکھنا ہے۔ لیجئے میں رخصت ہوتا ہوں۔ بے نیکی۔"

لالہ گنگارام نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ بلکہ وہی جگہ پر جیسے کہ تیسے بٹ کی طرح بیٹھ رہے اور دیوان صاحب چلے گئے۔

(نوٹ: ناظرین۔ ہم نے کسی ایک ہندوستانی عیال کی خاطر جو پنجابی زبان کو

اچھی زوج پڑھ نہیں سکتے۔ اوپر کے باب کو ان الفاظ میں جن میں لاؤنگرام۔ دیو صاحب اور کبیرا لعل کی آپس میں گفتگو ہوئی۔ عین بعین نہیں لکھا۔ ہمیں محاف کیجئے گا۔ ایسے مہینہ کا عرصہ گزر گیا۔ اس عرصے میں دیو صاحب اپنی پڑھائی میں بھی برابر لگے رہے لیکن بد النساء کے خیال نے بھی برابر اپنا خیمہ انکے میدان دل میں لگاے رکھا۔ اور کئی باوجود ہاں کہ بد النساء کے در دولت پر حاضر ہو کر اس کے بیدار مسرت آثار سے دل بیتاب دل بیقرار رہی کہ وہ در کریں۔ مگر جوہیں یہ خیال پیدا ہوتا۔ سپاہی زائے کے ساتھ دھڑلے سے اواز کر کیا ہوا یاد آجاتا۔ اور دیوان صاحب بس ہ جاتے۔

ایک دن تو دیو صاحب بالکل ہی دل کی کمزوری کے شکار ہو چلے تھے۔ سردالطریقت کا ایک ٹکٹ دل رکینٹل درخت کو پڑھنے پڑھتے آپ کی طبیعت میں ایک ایسا جوش پیدا ہوا جو یہ ضبط نہ کر سکے۔ کتاب الگ پھینک کر اٹھ بیٹھے۔ اور یہی جی میں آیا کہ دوڑ کر بد النساء کی زلف پریشان کی بلائیں لے لیں۔ مکان سے نکل کر سو قدم تک یہ کئے ہوں گے کہ رک گئے۔ خیال آیا کہ جس ناول کو ہم پڑھتے پڑھتے اتنے جوش میں آگئے۔ اس میں یہ بھی تو لکھا ہے۔ کہ جس کے ساتھ کوئی سچا وعدہ کیا چھٹے۔ وہ بھی پورا کرنا شرط ہے ایسے عشق پر ہزار لعنت جس میں کسی پہلو بے ایمان ہونا پڑے۔ چلو وہاں چلیں۔ چنانچہ دیو صاحب اٹھے پاؤں اپنے مکان کو چلے آئے۔ اور کتاب کی سیر میں پھر مصروف ہو گئے مگر طبیعت کی بیقراری نے انہیں پھر اس کر دیا۔ سوچنے لگے کہ اگر وہ سپاہی پچھ دو برس میں خط نہ بھیجے گا تو کیا ہم بد النساء سے ملیں گے۔ یا خدا خیر باد بڑی ٹھہری کبیر ہوئی۔ وہ شخص گیا۔ تو کہہ کر گیا اور اب تک اس نے کوئی خط کیوں نہیں بھیجا۔ وہ تو کہہ گیا تھا کہ میں کل یا پچھوں تک آپ کو ایک خط لکھوں گا۔ اور اب ایک مہینہ سے زیادہ عرصہ گزر گیا۔ کسی نے خبر بھی نہ لی۔ اس نے اگر ہم بد النساء کے ساتھ ملاقات تو کریں تو تیرے لئے وعدہ کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر اگر تیرے لئے یہ بات صحیح نہیں۔

جمال

2

۵۶

لوی

٩

...

—

2

7
212

...

21

161

丁

1

五

...

۱۵۱

1

三

10

1

12

1

”دیوان صاحب کی چٹھی آواز سنئے ہی دیوان جی نے کھڑکی کھول دی اور ہاتھ بڑھا کر ”لاؤ“ کہہ انہوں نے چٹھی رساں سے چٹھی لے لی۔ لفظ ”کچھا تو اس پر ناگرمی حریف میں لکھا تھا“

لاہور۔ گمٹی بازار۔ دیوان دینا ناتھ جی کی سیوا میں پہنچے۔
 لفافہ پڑھ کر دیوان جی کو کچھ تہنیت مسابہگہ باکرہ نگاری میں لکھا ہوا خط کمال
 سے آیا ہے کھولا اور پڑھا تو اس میں ذیل کا مضمون پایا۔

”دیوان حبیبی مہراجہ نمبر ۱۰۰“

کر پا کر کے آپ کل یعنی ۲۶ آگست کی شام کو آٹھ بجے کے قریب مجھے میرا ہندی
میں اجد وھیاں سنگھ جی کی حویلی کے دروازے کے آگے بیٹھیں بیٹھیں ان آٹھ بجے سے
پیشتر ہی پہنچ جاتے تھے۔ بہتر یہ کہ آپ سنگھ والوں سے صاف صاف کہہ دیں کہ آپ کو شاید
رات بھر میرے ساتھ رہنا پڑے گا۔ اور وہ لوگ اپنی رات بھر کی غیر جانمیری سے آپ کو صاف کہیں

لا يضره

آجکے وہی داس جی تیکے اس تماشا داری است کو آپکے مکان کی دیکھو مری کے آگے
لا تھا ۲۵ اگست ۱۹۲۶ء

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

جہاں آگے ایک مہینہ گزر گیا ہے وہاں ایک دن اور بھی سہی۔

مگر اس ملاقات کے کیا مضمے۔ نہ جان نہ پہچان۔ اور میں نیز اہمال۔ یہ بات کیا ہے۔ وہ شخص ہے کون۔ اور اس کا اس طرح مجھے لکھنا کیا مطلب لکھتا ہے عجیب مضمے ہے کہیں مجھے پر بھی اتنا رام کی طرح کوئی مصیبت نہ آ پڑے۔ شاید وہ شخص بدر النساء کا کوئی دوست ہو گا۔ جو مجھے کسی مصیبت میں ڈالنا چاہتا ہو گا۔ بہر حال کچھ معلوم تو ہونا چاہئے۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔

کیا گنگا رام کو اس مہم میں شامل کر لیں۔ ان باتوں میں ذرا تجربہ کار ہے۔ مگر نہیں اسکو اب الگ ہی پہنے دینا چاہئے۔ رات بھر کی غیر حاضری کے لئے گھروالوں سے اجازت حاصل کرنے کے لئے وہ شخص لکھنا ہے کیا کہیں کابل فتح کرنے جانا ہے۔ اچھا! الغرض اگر اس شخص کے خط کی کچھ پرواہ نہ کی جاوے۔ اور ہم بدر النساء کے پاس جا کر اس سے ہی اس بات میں مشورہ لیں۔ تو شاید وہ اس اتر سے اسکو واقف کرے۔ ہاں یہ ٹھیک کہ صلاح ہے۔ چلو اس سے ملنے کا ایک بہانہ بھی ہاتھ آجائیگا۔ اور یہ بھی جان جائیگی کہ ہم اس سے پرائیویٹ معاملات میں بھی صلاح و مشورہ لینا کتنا ضروری سمجھتے ہیں۔ لیکن ایک اور بات ہے اور وہ یہ ہے کہ شاید یہ اسی کی کارستانی ہو تو وہ ہمیں اتنا گراہ ہی نہ کر دے۔ کچھ سر پر ہاتھ نہیں آتا۔ دلہری بدر النساء ہم تو تیرے عشق میں ایسے مبتلا ہیں۔ کہ دن۔ رات۔ گھڑی۔ پل تیرا ہی خیال یہ منگیر ہے۔ یہاں تک کہ گھر بار والوں اور دیگر یار دوستوں اور اپنے بھائیوں کو ہم نے تیرے پیچھے پیچھا سمجھ رکھا ہے کہ تجھے خیر تک بھی نہیں۔ ہائے رے دل تجھے کیا کہوں کیا یہ بات سچ ہے۔ کہ نہ۔ اے اور ایم۔ اے۔ کی تعلیم حاصل کرے اور سب کچھ جان لو جہاں تیری خاطر ایسا احمق بن گیا ہوں کہ مجھے کچھ بھی اپنی عزت کا خیال نہیں۔ اے دل تجھے یہ قافوس طرح پائسوں تیری ایک سنگ میسے

لاکھ بندوبستوں کو ان کی آن میں نیست دباؤ کر دیتی ہے۔ کیا تو مجھے کوئی اور راستہ
ایسا نہیں بتلا سکتا۔ کہ جس سے تیری بھی آرزو پوری ہو جاوے اور میری بھی عزت
محفوظ رہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ انسان کو دل پر قابو رکھنا چاہئے۔ مگر میں کہتا ہوں
کہ اگر دل ایک دفعہ ہاتھ سے نکل جاوے۔ تو اس کو پھر قابو کرنا بہت مشکل ہے۔
کیوں حضرت دل؟ کیا ہم آپ کو اپنے بس میں نہیں لاسکیں گے؟ اوجہ ہم کو آپ
ایسا سیدھا کرینگے کہ آپ یاد رکھیں گے۔ مگر اس وقت بیشک آپ کا بہت زور ہو گیا
ہے۔

القصد اس خط نے دیوان صاحب کو اس دن اور رات طرح طرح کے خیالات میں
مصروف رکھا۔ یہاں تک کہ رات کے وقت وہ تین مرتبہ یہ سوئے ہوئے چونک کر
اٹھتے رہے۔ اور باولوں کی طرح بکواس کرتے رہے۔ مگر چونکہ مکان کی چوتھی منزل
کے چھت پر سوئے تھے ان کے گھر والوں میں سے کسی کو ان کی اس حالت
کی خبر نہ لگی۔

دسواں باب

پریم دیوی

دیوان برج محل مرحوم کی صاحبزادی بھانسی ایک ہونہار لڑکی تھی۔ والد بزرگوار کی شاگردی میں اُس نے انگریزی۔ اردو۔ گورکھی۔ وغیرہ میں اس قدر مہارت حاصل کر لی تھی کہ اچھی اچھی کتابوں کا وہ مطالعہ کر لیتی چنانچہ جس وقت ڈیرہ اسماعیل خان میں سچائے اتھارم کی وفات کی خبر بذریعہ تار پہنچی۔ اُس وقت بھاگوتی اپنے باپ کے پاس ایک ام کرسی پر بیٹھی ہوئی ڈاکٹر جانسن کی پیاری تصنیف ”ریسچنس اف الی سین“ در زبان انگریزی کا مطالعہ کر رہی تھی اور انسانی خواہشات کا حال پڑھ کر اپنے والد شریف سے بیٹھی بیٹھی باتیں کر رہی تھی کہ یکایک وہ غور کیا کہ تار آگیا۔ دیوان برج محل تو تار کا مضبوط پڑتے ہی بیہوش ہو گئے اور جب تک انہوں نے اپنے تحت جگر کو خدا کے سامنے جا کر چھاتی سے نہ لگایا اس دنیا میں انہوں نے کسی سے بات تک نہ کی مگر میں مانع مکان میں نیامیں رنج و مصائب کا پہاڑ کھودنے کے لئے باقی رہ گئے۔ سر پر سے کارآمد آسائش کا سایہ دور ہو جانے کے بعد بھاگوتی اور اسکی والدہ نے صاحب کمان فیر سے لائبریری آکر اپنے کئی درخواست کی جسے صاحب در نے دو عزیزان سالک کو ان کے

لاہور میں بمحرم سال واسباب سجاوٹ پہنچائے جانے کے لئے تعینات کر دیا اور بھاگ منتی
 کی ماں کی تسلی فرمائی کہ تھوڑے عرصہ تک اگر نمٹے بعض خدمت دیوان برج محل بھاگ منتی او
 اسکی والدہ دونوں کیلئے نیشن کی منظوری آجائیں صاحب بہادر نے فرمایا کہ بھاگ منتی کو
 تو صرف اس وقت تک کہ جب تک اسکا بیاہ نہیں ہو جائے مبلغ دس روپیہ ماہوار اور اسکی والدہ
 یکم کو تاحین حیات مبلغ تیس روپیہ ماہوار نیشن ملنے کیلئے سفارش کی گئی ہے۔ اسقدر
 حیرانی کے علاوہ صاحب کمان افسر بہادر نے ان کے اخراجات کیلئے مبلغ پانچ سو روپیہ
 اپنی جیب خاص سے بھی عنایت فرمائے تو کہ چاکروں کو ان بیچاروں نے ڈیرہ اٹھیل خاں
 میں ہی رخصت کر دیا اور آپ دونوں سواٹ اسباب کے گاہوں میں چلی آئیں۔ اب تو میں دیوان
 برج محل کا اپنا بھی ایک مکان تھا اگرچہ نگارہ سے وہ مکان گریہ پرکھا ہوا تھا اسلئے
 بھاگ منتی نے والدہ کو پیشورہ دیا کہ اپنے مکان کو بدستور گریہ پرکھا ہوا دینا چاہئے
 اور جب تک کوئی خاص ضرورت پیش آئے اپنے گزارہ کے لئے کوئی چھوٹا سا گھر کسی
 سے تھوڑے سے کرایہ پر لینا چاہئے چنانچہ ان فسران سالہ نے جو انکو لاہور میں پہنچانے آئے
 تھے اور جو دیوان مرحوم کے قادر و درست تھے انہیں محلہ چھپووالی میں ایک پرانی و صغیر کا چھوٹا
 سا گھر جسکو بھاگ منتی نے پسند کر لیا ایک روپیہ ماہوار کرایہ پر لے دیا اور سجاوٹ منتی کی ایک چھٹی
 لیکر ان فسران نے ہر طرح سے خاطر خواہ مدد دی وندیرہ اٹھیل خاں کو واپس چلے گئے۔
 (نوٹ)۔ اسگھر میں ضرورتاً تباہی کر دینا چاہئے کہ دیوان برج محل صاحب بھی لاہور
 ہی کے رہنے والے تھے۔ مگر چونکہ وہ بچپن سے ہی جنگلی صیغہ میں مذرم ہو کر سکھوں اور انگریزوں
 کی فدا رفت میں باہر ہی ہے۔ لہذا انہوں نے شاہی بھی باہر ہی یعنی فیروز پور میں کیا اسلئے
 انکو لاہور میں دیر تک بود و باش رکھنے کا بہت کم موقع ملا البتہ دو چار مرتبہ چند ایک ہوم
 میسی گئے ان کے لئے وہ اپنے درکوں بالوں کو لیکر لاہور میں آئے اور باغ پانچ

بھاگ نئی یوں تو بیشک عورت تھی۔ مگر اسکے جو صلہ اور دل کی عجیب کیفیت تھی مصیبت کے
وقت اگر بالفرض کوئی مصیبت آتی۔ وہ اپنے والدین کی ایسی لچوٹی کیا کرتی کہ دیوانہ جہم
پل کی پل میں سب سچ و الم بھول جایا کرتے اور بھاگ دیتی کی والدہ سے کہا کرتے کہ
جہنم کے نیابین بھاگ نئی موجود ہے تب تک ہم سے بڑھکر کون بڑھائی ہو سکتا ہے۔
اپنے گھر کے علاوہ وہ سالہ کے سواروں کی مستورات کو طرح طرح کے پادشہ بنا کر مستفید کیا
کرتی۔ کہ ان فساد و دیگر یورپین افسران سالہ کی لیدیوں سے بھاگ نئی کا کھلے طور پر ایسا
سیل بول تھا۔ کہ جہاں یہاں سے ملاقات کرنے ان کے بھگلوں پر جاتی وہاں وہ اسکے
ملنے کیلئے اسکے مکان پر بھی بلا تکلف آجاتیں۔ غرض ڈیرہ سمجیل خان میں لوگ اسکی
تو دلیری اور پاکدامنی پر حش حش کیا کرتے۔ مگر اسکے بھائی اتارا م پر گاہے بگاہے ضرور
حرفہ کھتے کہ مولودہ بارشیا کے تھے اکثر نذرشہ کہا جاتا اور وقتاً فوقتاً ٹھوکر کھاتا۔ اسکی
یہ حالت دیکھکر بھاگ نئی اسکو گستاخ سمجھایا کرتی اور منہیں کیا کرتی کہ ”بھائی ساوے
اے باب دی عزت ساوے ہتھ مچ ہے۔“

اس لڑکی میں ان سب اوصاف کے موجود ہونے کا دیوانہ مرحوم کو طویل فخر حاصل تھا
ایکے ایسے کہ بھاگ نئی انکی محنت جگر صاحبزادی تھی۔ دوم۔ وہ انکی شاگرد بھی تھی دیوانہ
مرحوم یوں تو پرانی زمانے کے بزرگ شخص تھے۔ مگر انکو علم و ہنر سے ان میں انس تھا۔ اچھے
پیشہ لائق استاد مقرر کر کے انہوں نے لکھنؤ میں ہی۔ فاسی۔ شاستری وغیرہ میں اعلیٰ درجہ
کی بیباقت حاصل کر لی تھی۔ جب کا خاطر خواہ تالیف انکی صاحبزادی نے اٹھایا دیوانہ صاحب
بے اعتنا آزاد میں جہنم سے پردہ کی رسم کے کچھ لسنے پابند نہ تھے۔ وہ ناچ۔ یا صراشا یا
اور فوجی کھیلوں اور میز کو دین میں جب کبھی جاتے۔ علاوہ اتارا م کے بھاگ نئی کو بھی اپنے
بھائی بھائی کے تھے غرض اس زمانہ لڑکی کی تربیت و پرورش میں کوئی دقیقہ فرو گذار نہ
کیا تھا۔ اور اس زمانہ میں اسکی پرورش کے لئے ایک خاص مکان بنا دیا گیا تھا۔ مگر والد کی امانت

کی پوری طور پر تعظیم و تکریم کرو دکھائی۔ مفصلہ بالا بیان سے ناظرین جان چکے ہیں۔ کہ
بھاگنتی یوں تو بیشک عورت تھی۔ لیکن جو صلہ اور دیرری اور تعلیم اور تادیب میں
لاکھوں مردوں سے بڑھ کر تھی۔“

جب لاہو میں انہیں بود و باش کرتے چند یوم گزر گئے۔ تو ایک دن بھاگ و نتی نے
اپنی والدہ سے کہا کہ ”ماجی۔ تیس حکم دیئے تھے میں اک گل اکھاں۔“

والدہ جو دوپہر کے وقت مکان کے نیچلے حصہ کے والان میں بیٹھی اپنی لڑکی کا ایک
دوپڑہ سی رہی تھی۔ دھاگا الگ پھینک کر بولی۔ ”کی گل اے پتر کونناں۔“

بھاگ و نتی نے بڑی سنجیدہ گفتگو میں اپنی والدہ سے کہا کہ ”جیکر تیس حکم دیئے تھے
میں اُس کہسان نول کہانی کجری مے نال اتکارام وابدالین اور تے کمر نہماں۔“

والدہ اپنے لڑکے کا نام سن کر زار زار رونے لگ پڑی۔ اور بولی۔ ”نہیں پتر۔ ساڈے کول
نہ دھن بیگانہ طاقت۔ اسان بن کی بدلا لینا ہیگا۔“ پر میشر و سدا آپ منہ کالائے برجال
کریگا۔ ساڈی آہ ہو کوئی نہیں تے پر میشر سن بہا ہیگا۔“

بھاگ و نتی نے والدہ کی دلجوئی کر کے کہا۔ ”ماجی۔ کھیرے پر میشر نے اسی میرے
دل چاہیہ سوچ پائی ہوئے۔ تیس مینوں آگیا مے دیئے تے دیکھو کہاں رب دی کی
مرفی ہوندی اے۔“

والدہ اپنی لڑکی کی طبیعت اور ہمت سے اچھی طرح واقف تھی۔ سمجھ گئی کہ بھاگ و نتی
نے اس مسئلہ کو کچھ سمجھ سوچ کر ہی چھیڑا ہے۔ آنسو پونچھتی ہوئی بولی۔

”پز بدلا پتر توں کسرح لے سکیں گی۔ ساڈا ایتھ نہ کوئی واقف نہ چاکف کدھے
ہو کوئی مصیبت آگئی تے فیر ساڈا اٹھکانا کیٹری تھاں ہو سی۔“

”بھاگ و نتی نے کہا۔ ”ماجی ساڈی کیش پر میشر کریو۔ تیس مینوں آگیا دیئے۔ تے غیر
میں جس طرح مرفی ہوئیگی سرح کرال تے توں Public Domain Collection, Haridwar

ایہ کہتا تھا کہ اب ہم دوسری سے بقی میرا نام بھاگ دیتی تال کہنا۔ جس میں اپنے گئے ٹوٹا
تے ہوئے جو کچھ رو پیہ۔ پیہ مہر سے بھرا دوسرے وشت جنتی دے پاس بیٹھا۔ اس کو
کہا "اپنا رتے"

اسنے الفاظ کہہ بھاگ دیتی مارے جوش کے آگ بولا ہو گئی۔ اور اسکا گورہ چہرہ
خون بخون ہو گیا آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور بھائی کی یاد میں اسکا روم روم تڑپ اٹھا۔
والدہ نے دلاسا دیا اور اسے ایک پار کیلجے سے لگا کر کہا "بھاگ دیتی بیٹی توں تال
اب غم و وجہ کہہ رہے اپنی جان گنوا بیٹھیں گئی"

بھاگ دیتی چپ ہے۔ اور آخر کار والدہ سے اسے اس ہم پر کمر باندھنے کی اجازت حاصل
کری۔ اور اس ہم کو اس طرح شرفع کیا کہ ہر روز شام کو وہ مردانہ لباس پہن کر طوائفوں کے محل
ٹہی میں جانتی۔ اور وہاں کے مختلف اشخاص سے اتارام کی موت کا حال دریافت
کیا کرتی۔ بد قسمتی سے جتنے اس کے اطلاع دہندگان ملے وہ صاحبان کے خیر خواہ
اور بد رالنساء کے برخواہ۔ ملے۔ اور انہوں نے اس کو باتوں ہی باتوں میں یہ یقین دلانا
چاہا کہ اتارام کی موت کا باعث بد رالنساء تھی۔ نہ کہ صاحب جان۔ مگر بھاگ دیتی نے لوگوں
کے کہنے پر یقین کر لینے کو اس وقت تک ملتوی کر دیا جب تک اس کی دو دو یا تین سالہ لڑکی
کے ساتھ منہ روہر نہ ہو جائے۔

چنانچہ بھاگ دیتی گئی روز تک پر رالنساء کی ملاقات کے لئے موت کی تار میں ہی
اور ابھی یہ موقع اس کے ہاتھ میں نہیں آیا تھا۔ کہ ذیل کا دلچسپ ماجرا پیش آگیا یعنی
ایک دن بھاگ دیتی اور اسکی والدہ دوپہر کے وقت اپنے مکان کی ڈھیر سی میں بیٹھی
ہوئیں کام کاج کر رہی تھیں کہ ایک خوبصورت جوان ہندو عورت جو گلی میں سے گزرتی
تھی انہیں دیکھ کر ڈھیر سی کے اندر چلی آئی یہ عورت لباس خروہ میں میوس اور طلائی زیورات
سے پرزورنگ بھر پور تھی میانہ قد نازک بدن عمر میں بھی بیس بائیس سال کی۔ رنگ دھوپ

مرد خوب - خدو خال عمدہ - کشادہ پیشانی - بناتش صورت ساس کی قطع وضع سے معلوم ہوتا
 تھا کہ کسی شریف گھرانے کی ہے - اندر داخل ہونے ہی وہ بھاگ ننتی کی والدہ سے بغل گیر ہو کر
 اور دروازہ گر دیوان ہر جہل اور اتارام کی یاد میں درلاپ اور روون کرنے لگ پڑی جب
 صبح ہو چکی اور بھاگ ننتی کی والدہ کے اغوش سے علیحدہ ہوئی - تو اس نے آنسو پونچھنے لگا
 لگھا - کہ دھیمینوں تال کا کے دے بھائیے رائیں کیا سی - جے تیس ایٹھے آئے
 ہوئے ہوئے

بھاگ ننتی کی والدہ نے قبل کچھ اور گفتگو کے اپنی لڑکی سے کہا - بھاگ ننتی یہ
 تیری بھین بہن کی ہے - تیری ماسی دی دھی پریم دیٹی
 اس پر بھاگ ننتی اس کے ساتھ بغلیں ہو کر ملی - تب پھوپھی نے اپنی بھتیجی سے پوچھا
 کہ دھیمینوں ساڈا گھر کس سیالے - پریم دیوان

پریم دیٹی اپنے دوپٹے کی انچل سے منہ کا پیرینہ پہونچتی ہوئی بولی - بھوجی - جھیرے
 تو باڈے تال سپاہی آئے ساہن - اور کہ دھیرے کا کے دے بھائیے نوں سے سی گئے اونداں
 سادی گل کیتی سی - اوہ اسدے یعنی ہسپے خاوند کے یار بیگے نے - فیر چٹے سات دن سے کچھ
 کا کے واجی سوکھا لاندھیا رتی آج اسنوں ارمان آیا ہیکالے - تال میں گچھدی پچھدی
 چلی آئی - پھلاں میں اپنے جی دھج کھیا کہ کھرے بھیا مینوں پہچانے گی دی کر - فیہر
 کیا کہ میں چلی تے چلاں - آپے پہچان لے گی

بھاگ ننتی کی والدہ نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر کہا - شاباشے تیرا بی بی - جدھل
 دج اتلہر کہ - موہ رہیا - نہیں تے پریم دیٹے آج کون کسے نوں یاد سپا کر دالے تے جو کچھ
 ساڈے سر لوتے آئی اے اوہ اسان مٹھی کر کے گذارنی لے

دیر تک اس قسم کی بہت سی ہمدردی کی باتیں ہوتی رہیں پریم دیٹی - بھاگ ننتی کے
 حقیقی ماموں کی لڑکی تھی - اور لاہور میں ایک دولت مند گھرانے میں بیاہی ہوئی تھی -

اس کا خاوند محکمہ بلو سے ہیں لکڑی اور کوئلہ ہم پہنچانے کا ایک ذی عزت ٹھیکہ دار تھا۔
 چونکہ اسکی شادی کے موقع پر صرف بھاگ ونٹی کی والدہ ہی آئی تھی۔ اور اتھارام اور بھاگ ونٹی
 ڈیرہ اسمیل خاں میں اپنے والد شریف کے پاس رہتے تھے۔ اسلئے پریم دیٹی کی جان پہچان
 صرف اپنی بہو اس سے ہی تھی۔ اور یہ پہلا دن تھا کہ وہ بھاگ ونٹی سے ملی جان پہچان ہو جانے
 کے بعد دونوں بھینبیں آپس میں سہیلیاں بن گئیں۔ اور رخصت ہونے کے وقت پریم دیٹی
 بھاگ ونٹی کو اپنے گھر لے گئی۔ پریم دیٹی کا گھر گٹی بازار میں اسی محلہ اور گلی میں تھا۔ جہیں
 دیوان دینا نا تھا۔ ہتے تھے۔ بلکہ۔ دونوں مکان ایک دوسرے کے بالمقابل تھے۔ جب پریم
 دیٹی اپنی بہن کو ساتھ لئے ہوئے اپنے مکان کی ڈھیڑی میں اخل ہونے لگی۔ تو وہ دینا نا تھا
 کے مکان کے اندر کسی کو نہ نکلتا دیکھ کر یکایک بھوک سی رہ گئی۔ اور اس نے انگلی کو دانتوں
 تلے دبا کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے نیم سودا کی آواز سے کہنا نہ ہاے۔ میں مر گئی۔ ایہ کھڑی نکالی
 ہسکی۔ ۹۹

بھاگ ونٹی جو اپنی بہن کے پیچھے پیچھے آرہی تھی اور ڈھیڑی کی کھڑی کے قریب
 پہنچ گئی تھی اپنی بہن کے منہ سے یہ الفاظ سن کر کھڑی ہو گئی اور بولی۔ کی ہسکیا بہن ۹۹
 پریم دیٹی نے ہاتھ کے اشارہ سے ایک عورت کی طرف جو اس وقت دیوان دینا نا تھا اور پریم دیٹی
 کے مکان کے عین بیچ کی گلی میں سے گزر رہی تھی۔ بھاگ ونٹی کی توجہ دلائی۔ چونکہ وہ عورت
 اس طرف جا رہی تھی۔ کہ جس طرف سے بھاگ ونٹی آرہی تھی۔ اس لئے بھاگ ونٹی نے اس کو
 خوب گھور کر دیکھ لیا۔ اور جب وہ گند گئی تو یہ پریم دیٹی سے جو اپنی کھڑی پر کھڑی تھی
 پوچھنے کو تھی۔ کہ یہ کون ہے۔ جسے دیکھ کر تو حیران رہ گئی ہے۔ کہ ایک مرد نے جو اس
 عورت کے پیچھے پیچھے تھا باواز بلند کہا۔ بد نشان جی۔ ایس طرفوں چلو۔ ۱۰۰۔ راہ
 نیرے ہسکیا۔

”بد نشان کا لفظ سن کر بھاگ ونٹی تو مائے غمب کے سرخ تانا ہوا گئی اور پریم دیٹی

معلوم نہیں کیوں۔ نیلی پیلی ہو گئی۔

ناظرین

یہ اُسی دن اور دوپہر کا ذکر ہے۔ جس کا لطف ہمارے دیوان دینا ناٹھ کو پاگل بنانا تھا۔ یہ ہی ۲۲ تاریخ ماہ جولائی ۱۸۷۷ء کی گرم دوپہر کا واقعہ ہے۔ جس کے تعلق آپ پہلی جلد کے چوتھے باب کے آغاز میں بہت کچھ پڑھ آئے ہیں۔ یہ بی بدر النساء تھیں جو غلام رسول کو ساتھ لئے دیوان صاحب کے مکان سے نکلا گھر کو جا رہی تھیں۔

پریم دہی اپنی بہن کو ساتھ لئے اوپر چلی گئی۔ اپنی ساس سے اسے ملایا۔ اپنے چھوٹے لڑکے (کا کے) کو اسکی گود میں دیا۔ بہت سی خاطر تواضع کی۔ اور پھر اُسے اوپر کے ٹھکانے اور ہوادار بالا خانہ میں جا بٹھلایا۔

پریم دیوی نے اور باتوں سے کنارہ کر کے بھاگ نئی کے آگے دیوان دینا ناٹھ سے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ جس کا لب لباب یہ تھا کہ۔

دینا ناٹھ ایک نہایت ہی خوبصورت۔ جوان۔ خوش وضع۔ شیریں کلام۔ پاک اور صاف شریف گہرنے کا اور دولت مند مہربانہ شخص ہے۔ پہلے میری سنگتی اس کے ساتھ سوئے لگی تھی مگر اسکی نامی نے نامنظور کی۔ آجکل ایک اور جگہ سے اسکے لئے ناطک اور خواتین ماری ہیں مگر سنا ہے کہ وہ ابھی شادی کرنی نہیں چاہتا۔ کتا ہے کہ میں ڈوٹھی ہلوں مقبایہ کروں گا ڈوٹھی ہو یا نہ ہو اسکو پرواہ ہی کیا ہے پر نے وجہ کا خوبصورت اور خوش کلام ہے۔ جس سے چاہے۔ بیاہ کر سکتا ہے۔ سب سے زیادہ صفت یہ ہے کہ اسکے چال چلن میں باوجود بھرے شباب نے کتا بھی فرق نہیں آیا۔ جتنی آزمائش سفیدی ہوتی ہے۔ اگر تو بھاگوں تو میرا اس پڑوس کے شریف گہرنے کو آباد کرے تو اس سے بڑھ کر وہ کیا خوش ہو سکتی ہے میری قسمت میں یہ تھا۔ تو پریشہ تیرے نصیب کے تل جتنا عیب میں نہیں کرے گی۔

کہاں گئی ممکن ہے کسی اور کو کہہ سکے کہ یہ بھی کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ اسکا
 بیسواؤں سے تعلق ہی نہیں اسکو تو میں ہر وقت لکھنے پڑھنے میں مصروف رکھتی رہتی رہی
 بہن کی باتیں سن کر بھانگونی کچھ دیر تک خاموش رہی اور اپنے دل سے پوچھتی رہی
 کہ کیا یہی دینا تھا تو نہیں جسکا ایک دفعہ والد صاحب کے ایک دوست نے اپنی چٹھی میں ذکر
 کر کے والد کو لکھا تھا کہ بھانگونی کے گناہ کے لئے میں یوں شکرگزار تھا کہ ہونہار صاحبزادے
 کی بہت بخیر کر رہا ہوں اور یہ خبر دیکھ کر بعد اسے لکھا تھا کہ "یوں دینا تھا بی اسے یعنی دیوان
 شکرگزار کے صاحبزادے کا رخ اچھی دیکھ کر منی طرف نہیں معلوم ہوتا کیونکہ جب تک وہ
 اکبر اسٹنٹی کا استخوان پاس نہیں لیتا تب تک وہ کوئی اور فکر سمیٹنا نہیں چاہتا"
 پریم دیوی سے آخر پوچھا کہ "بہن اسے پیو کی مال پر کیا جواب ملا؟ شکرگزار نے تب بھانگونی
 چپ ہو گئی اور اب اس نے پریم دیوی سے یہ دریاخت کرنا شروع کیا کہ آیا اسکو بھی کچھ خبر
 تھی کہ آثار نام کون سی بیوہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مگر پریم دیوی نے لاعلمی ظاہر کی شام کو جب
 آفتاب غروب نہ کے قریب تھا۔ بھانگونی گھر کو واپس ہونے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی
 اور پریم دیوی اسکو حملہ دھچھو والی میں جا کر مکان تک پہنچا آئی۔

مکان پر پہنچ کر بھانگونی نے سارا حال جو دیکھا سنا تھا۔ اپنی ماں سے کہہ سنایا۔
 کہا کہ ماجی آج رات نوں میں بد رفتاں نے گھر ضرور جادواں گی مینوں معلوم ہوندا ہے کہ
 ساری اسے دی حکمت ہوگی۔ ایہہ کہجیاں ہو کالیاں وڈے وڈے گھرانیاں دے پڑا
 نوں لٹیاں مار دیاں ہندیاں نے۔ دیکھ لیو میں تھنا سڑی کتھن دھکی ہوئی اے۔ ایس
 دچاے عوا بھی ایہا ہی حال ہوئی۔

چنانچہ بھانگونی حسب معمول سپاہیانہ بھیس بدل کر محلہ ٹہی کی طرف چلی گئی۔ اور یہ
 بھانگونی ہی تھی۔ جسکی بابت ہم نے پہلی جگہ کے پانچویں باب میں "پنجاب کی ایک بہادر
 لڑکی" کی سرخی لکھی ہے۔ ماشا گاہ سے واپس آکر دیوان دینا تھا صاحب کے مکان کی دیوار

کے آگے رات کے ایک دو بجے کے قریب سپاہی زادہ یعنی بھاگ ننتی کے ساتھ دیوانہ جینا
 ناخنہ نے وعدہ کیا تھا۔ کہ جب تک اس کا خط نہ آئیگا تب تک یہ بد النساء کی شکل بھی نہیں
 دیکھیں گے۔ بھاگ ننتی نے ایک دن کی بجائے ایک مہینہ سے زیادہ عرصہ تک خط کیوں
 نہیں لکھا تھا۔ اور اس کی طبیعت میں ایسا کیا سما یا تھا کہ اس نے دیوانہ جینا ناخنہ کو بد النساء سے
 علیحدہ رہنے بلکہ اس کا منہ تک نہ دیکھنے کے لئے مجبور کیا تھا۔ اس کی وجہ کچھ تو ہمارے ناظرین
 جان گئے ہونگے اور باقی جو کچھ تھی وہ آگے جبکہ معلوم کر لینگے۔

اس مہینہ کے عرصہ میں بھاگ ننتی نے اپنی مہم کو عسقریہ باربر سر انجام پہنچا ڈالا۔ اس کی سرکردہ
 تحقیقات نے مفصلہ ذیل امور کی بابت اس کی پوری تشفی کر دی۔

اول۔ یہ کہ دراصل اتنا رام کو صاحب جان نے ہی افیم کا ست پلا کر ہلاک کیا تھا۔
 دوم۔ یہ کہ اس کے لئے بھاگ ننتی کے زیورات میں سے جو ٹوٹے پھوٹے چاندی کے زیورات
 تھے وہ تو ساروں کے ہاتھ میں بکھیل کر جوں بھی بدل چکے۔ البتہ سونے کے دو چاقبے تو اب
 بر قابل استعمال تھے۔ صاحب جان کے پاس موجود تھے۔

سوم۔ یہ کہ ان باقیماندہ طلائی زیورات میں سے ایک سونے کی مالا اور ایک مہروں کا
 کلاہار تو اکثر صاحب جان کے گلے میں پڑے رہتے تھے۔

چہارم۔ یہ کہ صاحب جان ۲۶۔ اگست کی رات کو دہلی پہنچے کی گاڑی میں اپنے کسی
 دوست کے ساتھ راولپنڈی کو جا بیٹھے۔

پنجم۔ یہ کہ دیوانہ جینا ناخنہ نے وعدہ کے مطابق بد النساء کو اس شام کی رات کے بعد پھر نہیں ملا۔
 ایسے حالات کی تحقیق کی ایک بنکر ہاگونی نے بہت کچھ سوچ سمجھ کر صاحب جان
 ۲۶۔ اگست کی رات کو اصالاٹھ گئے لئے تیار ہی کر رکھی تھی اور اس دیر نہ کارروائی کو بخوبی
 کامیابی سے پورا کرنے کی خاطر اس نے دیوانہ جینا ناخنہ کو اپنا رفیق بنانے کی تجویز کی چنانچہ اس
 نے وہ خط جس کا مہر نوں باب میں ذکر کرتے ہیں دیوانہ صاحب کو لکھ کر رات کے اٹھ بجے لکھا۔

گیارہواں باب

مولوی قاسم علی صاحب بلخی

بھاگ وستی اور صاحب جان

ناظرین -

ہمارے ناول کے لطف کا وقت آپہنچا۔ اس باب کو ذری آنکھیں کھول کر
اور دل لگا کر بڑی توجہ سے مطالع فرمائیے گا۔

۲۶۔ اگست ۱۸۸۷ء کی صبح کو جبکہ خلق خدا کا ناک میں دم کر دینے والے اور اپنے
مرکب گرم رفتار کی دوڑ دھوپ سے زمین آسمان پر ہائے ہائے کا غور بلند کر دینے والے
آفتاب بہاؤدین لاہور کے مشرقی افق زمین سے سر نکلا کر ابھی برائے نام ہی جلوہ دکھایا
تھا کہ ہائے دیوان جی جو رات بھر تھکے تھکے قہقہے کی حیرت انگیز امواج میں غوطے مارتے
تھک گئے تھے۔ منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آنکھیں ملتے اور ہری اوم کہتے کہتے آ
بیٹھے۔ حاجت فراغت کے بعد نشان کیا۔ کہ طے پہنے اور ڈنڈا ہاتھ میں لئے مسرت

کو چل بیٹے لوہاری دروازہ سے نکل کر شہر کے گردا گرد باغ میں سے گھومتے ہوئے
یہ نکالی دروازہ کے آگے سے گزر کر حضور سی باغ میں آنکلی۔ مگر آج کی گلگشت کا
انہیں لطف کچھ بھی نہ آیا۔

پھولوں کی مہک اور صبح کے خوش الحان پرندوں کی سہاونی اور سرسلی آوازوں
نے بہتر اچتن کیا کہ دیوان صاحب کی توجہ کو اپنی قدرتی خوبصورتی اور عجیب نظائے
کی طرف مبذول کرائیں۔ مگر دیوان صاحب لاشی گھومتے اپنی دھن اور سپاہی زادے
کی چٹھی کے الفاظ کو پرکھنے میں اس طرح محو و مصروف تھے کہ انہیں اور کسی چیز کی طرف
متوجہ ہونے کا موقع نہ ملا۔

جب روشنائی دروازہ میں سے گزرنے لگے تو انکے ایک دوست مسٹر شام لعل
جنہوں نے حال ہی میں کلکتہ یونیورسٹی کا امتحان ایم۔ اے بڑی تعریف سے
پاس کر کے پنجاب میں بڑا نام پایا تھا۔ مل گئے۔

بندگی۔ سلام کے بعد مسٹر شام لعل۔ ایم۔ اے نے دیوان صاحب سے
وریافت کیا۔

کہ ”آج شاید آپ دیر کر کے سیر کو نکلے ہیں“

دیوان صاحب نے برائے نام مسکرا کر کہا۔

کہ ”اے طبیعت کچھ بہتر اسی تھی“

شام لعل جی نے دیوان صاحب سے پوچھا۔

کہ ”کیا آپ مولوی قاسم علی کا لکچر سننے چلیں گے۔“

دینا ناٹھر ”مولوی قاسم علی کون؟“

شام لعل ”اجی وہ ہمارے ساتھ کچھ عرصہ گورنمنٹ اسکول میں پڑھتے

رہے تھے۔ اور پھر وہ علی گڑھ کالج میں چلے گئے۔ جن کی بابت ایک دفعہ مولوی مٹری گڑھ

نے لکھا تھا۔ کہ علی گڑھ کالج میں ایک پنجابی طالب علم ایسا موجود ہے۔ کہ اگر وہ اسی طرح اپنے مطالعہ میں مصروف رہا۔ تو سید احمد خاں کی ہمسری کا کسی وقت دم مارنے لگ جائیگا۔“

دینا ناتھ ”ہاں۔ ہاں۔ وہ بلجی۔ قاسم علی بلجی“

شام لعل ”بس وہی بلجی“

دینا ناتھ ”اچھا تو وہ اب علی گڑھ سے واپس آ گیا ہے۔“

شام لعل ”ہاں کہتے ہیں کہ بس اب وہ وہاں واپس نہیں جائیگا۔ بلکہ اسکا

ازادہ ہے کہ کوئی اخبار لاہور میں جاری کرے“

دینا ناتھ ”تو لکچر کس مضمون پر ہے“

شام لعل جی نے جیب میں سے ایک اشتہار نکال کر دیوان جی کو دیا اور کہا کہ۔

”اس کو پڑھ لیجئے“

دیوان جی نے اشتہار دیکھا تو اس میں لکھا تھا۔

”لکچر۔ لکچر۔ لکچر“

جناب مولانا مولوی قاسم علی صاحب بلجی۔ جو علی گڑھ کالج سے اپنی تعلیم

ختم کر کے لاہور میں واپس تشریف لائے ہیں۔ ۲۶۔ اگست کی شام کو انجمن

پنجاب لاہور میں ایک فصیح لکچر دیں گے۔ جس کا مضمون یہ ہوگا کہ۔ ہندوستان

میں قومی ترقی کی رفتار اس قدر سست کیوں ہے“

لکچر پورے چھ بجے شروع ہوگا۔ جلسہ معصران ملک اور قوم کی خدمت میں

گزارش ہے کہ تشریف آوری سے جلسہ کو رونق بخشیں۔

ملکیت

نثار حسین سکریٹری انجمن پنجاب

دیوان جی نے اشتہار پڑھ کر ستر شام محل کو دیدیا اور کہا کہ وہ مائی ڈیر فریڈ۔ مجھ کو
تو آج شام کو ایک شخص سے کچھ پرائیویٹ کام کے لئے ملتا ہے۔ اگر فرصت ہوگی
تو شاید آ جاؤں۔“

الغرض دیوان صاحب صبح کی ہوا خوری کر کے مکان پر پہنچ گئے اور کھانا کھا کر
اپنے کمرہ میں آکر بیٹھ گئے وقت گزرنا محال ہو گیا۔ ایک ایک منٹ ایک ایک سال کے
برابر معلوم ہوتا تھا۔ کبھی بیٹھ کر کبھی لیٹ کر کبھی ٹہل کر۔ کبھی کتاب کھول کر۔ کبھی باج
بجا کر۔ کبھی تصویروں کی بہم نکال کر۔ کبھی کچھ کبھی کچھ کر کے دیوان صاحب نے بڑی مشکل
سے گھڑی کو شام کے پانچ بجائے تھے غسل کیا کپڑے پہنے اور آج معمول سے کچھ
زیادہ سوجھ بوجھ نکال کر دیوان صاحب اپنی مہم پر روانہ ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔

گھر سے چلتی دفعہ مامی صاحبہ سے کہدیا کہ ”مامی جی۔ آج میں شاید دیر نلے اپنوں کا۔“
اس نیک عورت نے جواب میں صرف اچھا کہدیا۔ اور مینا تھ صاحبہ ہاتھ میں لئے
گھر سے نکل پڑے۔ جیب گھڑی دیکھی تو ابھی پانچ بج کر پندرہایس منٹ ہوئے تھے۔ دل میں
سوچا کہ ”گھر میں تو اب بیٹھا نہیں جاؤں گا۔ چلو اتنا عرصہ لکچر سننے میں گزار دینگے۔ اور ہماری
ملاقات بھی تو وہیں بیٹے انجمن پنجاب کے سامنے ہی ہوگی۔ پس آٹھ بجے تک تو بہر حال
وہاں ہی ٹھیرنا پڑیگا۔ کیوں نہ لکچر بھی ساتھ ہی سن لیں۔“

یہ سوچ کر دیوان صاحب انجمن پنجاب کے عالیشان مکان میں داخل ہوئے۔ وہاں
ایک عجیب نظارہ تھا۔ صحن میں رسی کا فرش کرایا گیا تھا۔ اور اس پر کم سے کم چار پانچ سو
کرسیاں اور کئی ایک بنچیں رکھی تھیں۔ لکچر ارکے لئے ایک نہایت ہی خوبصورت میز
فرش سے قدرے بلند چوتھے پر بڑے قرینے سے رکھی تھی۔ اور اس پر سبز بانات کا ایک
مندہ وضع کا ٹیبل کلا تھ پڑا تھا تازہ پھولوں کے دو گلہ ستے بھی گلاسوں میں سجا کر
میز پر رکھے تھے سامعین لکچر کی تعداد اس وقت تک قریباً تین سو سو مرتین کے تھی۔

دیوان صاحب بھی اگلی قطار کی کرسیوں میں سے ایک پر جو خالی تھی جا بیٹھے چھ سات بجے سے پہلے ہی وہاں ایک بھی جگہ خالی نہ تھی دیکھا بیچ اور کیا کرسیاں سب رک گئیں۔ بلکہ کھڑے ہو کر اور چپٹوں پر چڑھ کر سننے والے اصحاب کی بھی ایک کثیر تعداد ہو گئی۔

چنانچہ اس لکچر کے سننے کے لئے ڈیڑھ دو ہزار آدمی جمع ہو گئے۔ لکچر ار کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اہل اسلام بہت اُٹے تھے۔ لیکن اہل ہند بھی کم نہ تھے دلا صاحبان گنگرام بالکام۔ بھیم سین۔ رام کشن۔ علی داس۔ نرنجن داس۔ مرزا فضل حسین۔ شیخ نصیر اللہ۔ پنڈت برج موہن ناتھ وغیرہ وغیرہ جو ہمارے ناظرین کے سامنے اس بابے پہلے پیش ہو چکے ہیں۔ سب موجود تھے۔ دیوان صاحب نے ان اصحاب کو دیکھ کر دل میں سوچا کہ قومی قوت کی رفتار کو تیز بنانے کا ان لوگوں کو ضرور بالضرور اور بلاشبہ کوئی نہ کوئی اہل جادو آتا ہی ہوگا دیوان جی نے چاہا کہ لا لنگکارام صاحب کے پاس جا بیٹھیں۔ مگر پھر کچھ سوچ کر یہ ان سے دور ہی سے بندگی کہ مکہ خاموش اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔ چھ بج کر دس منٹ گئے تھے کہ لکچر ار صاحب بہادر مدد چند ایک معزز اہل اسلام کے کہ جو لاہور کی مسلمان سائٹی کے چیدار کان تھے تشریف لے آئے۔ ان کے اس طرح رونق افروز جلسہ ہونے پر جگہ حاضرین نے اٹھ کر ان کی تعظیم کی۔ اور ہپ ہپ ہپ کے نعروں کے بعد لکچر ار صاحب ہر اپنے رفقاء کے کرسیوں پر بیٹھ گئے تھوڑی دیر کے بعد منشی شام حسین صاحب سیکڑی نے اٹھ کر ذیل کے الفاظ میں لکچر ار صاحب کی توصیف و ثناء کی اور جلسہ کے صدر مخبر منتخب کرنے کیلئے تجویز کی منشی صاحب نے کہا :-

صاحبان !

بڑی خوشی کی بات ہے کہ جیسے ہمارے ہر اہل اور معزز دوست اور میرے بہادر شیخ مولوی قاسم علی صاحب علی جو تین سال کا عرصہ ہوا ایک مددگار بن کر اس اعلیٰ تعلیم حاصل

کرنے کے لئے تشریف لیگے تھے اپنی تعلیم کو ختم کر کے یہاں اپس تشریف لائے ہیں۔
 مولوی صاحب کی استعداد علمی اور قومی ہمدردی کی تحریف اس وقت ہندوستان کے کل
 خیالات کر رہے ہیں اور آج ہم کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ ہمارے درمیان وفاق افروز ہیں۔ نہ صرف
 موافق افروز ہیں بلکہ ابھی بھی ہمیں اپنے نادریالات اور ان بے بہا جوہروں سے جو جناب
 مولانا مولوی سید احمد خاں صاحب ایسے ایک گنجِ نندیب کی برکت انہیں حاصل ہوئے ہیں۔
 مستفید اور مالا مال کریں گے مجھے امید ہے کہ آپ ان کے پیش قیمت لکچر کو دلی توجہ سے
 سکر فائدہ اٹھائیگے (چیز) اتنا کہ میں تجویز کرتا ہوں کہ اس جلسہ کے چیرمین۔ (پریزٹنگ)
 لاہور کی ہندو سوسائٹی کے سکریٹری اعظم جناب لاگنگرام صاحب ٹھیکہ دار رئیس لاہور مفتخر ہیں
 اتنا کہ کمرشی صاحب اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

حضار جلسہ ایک دوسرے کے ساتھ کھانا کھا رہے ہوئے کہنے لگے کہ ”ہاں یہ ضرور چاہئے
 تھا۔ روز دھوم مچ جاتی کہ اہل اسلام کا مذہبی لکچر تھا۔ یہ اچھا کیا۔“

تجویر مذکورہ بالا کی تائید کے لئے ایک اور سلمان صاحب جو شاید طالب علم تھے
 اٹھے اور انہوں نے بھی اس بات پر زور دیا کہ لاہور صاحب ضرور ہی چیرمین ہوں۔ اتنا ہی
 کے بعد جملہ حضار جلسہ کے مالیات سجا کر اس تجویز کو پیش کیا اور لاگنگرام صاحب کو چیرمین
 بن کر صدر کی کرسی پر بیٹھنا پڑا۔

لاہور صاحب نے اٹھ کر اس عزت کا جو عوام نے انہیں بخشی۔ شکریہ ادا کیا۔ اور پھر سیدھا
 کی کہ لکچر صاحب اپنا لکچر شروع کر دیا۔

ہمارے دیوانہ صاحب چپ چاپ بیٹھے ہوئے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔

اب لکچر صاحب اٹھے اور خوب تالیاں بجائی گئیں۔

ہم بھوسے کرتے ہیں کہ اس چھوٹی سی کتاب میں مولوی صاحب کے لکچر کو پورا پورا اور بلا کم

دکاست درج کرنے کی گنجائش نہیں۔ روزنامہ مولوی صاحب کے اصل نام خیالات سے

اپنے ناظرین کو آگاہ کرتے تھے کہ لکچر کے ٹب لہاب کو پیش کئے جیتے ہیں۔
مولوی صاحب نے ہندوستان میں قومی ترقی کی رفتار کی مقدار سے عفو کی مفصل ذیل ملاحظات
بتلائی ہیں۔

(اول) ہندوستانیوں میں اعلیٰ تعلیم کا عدم وجود۔
(دوم) ہندوستانیوں میں آرام طلبی کی عادت کا ہونا۔
(سوم) ان میں مستقل مزاجی کا نام تک ندارد ہونا۔
(چہارم) ان میں ہر وقت خانہ جنگیوں کا شروع رہنا۔
(پنجم) ان میں مذہبی تعصبات کا ہر وقت کھچڑا۔
(ششم) عیاشی اور فضول خرچی کا ان کی طبیعت میں گھر بنا بیٹھنا۔ (بس)
وہ ششم پر مولوی صاحب نے پورے آدھ گھنٹہ تک بڑے زور سے بحث کی۔ اور فرمایا
کہ اور تو اور مگر جب تک ہمارے بھائی ان سٹیوں اور کیمپوں کے دام مکر اور فریب سے بچنے کی کوشش
نہیں کریں گے۔ ممکن نہیں کہ ہندوستانی حالت سدھرے۔
انہوں نے لکھنؤ کے حالات ظاہر کر کے کہا کہ کیا اور دایسے بڑے صوبہ کے الحاق کے لئے
گورنمنٹ بھروسہ کرے کہ بادشاہ و دھکی عیاشی سے رعایا تباہ ہو رہی تھی۔ اور کوئی سوجھ بھتی تھی۔
میرف عیاشی کا ہی نتیجہ تھا کہ حضرت اجد علی شاہ صاحب کے ہاتھوں سے دیکھتے دیکھتے
عنان حکومت چھن گئی۔

ایسی ایسی عمدہ وجوہات اور دلائل کو پیش کر کے لکچر صاحب نے اپنے فصیح لکچر کو ہر پہلو پر
اور بعض بنانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔

دوسرے بھی تصدیق کرتے ہیں کہ لکچر درحقیقت نہایت ہی عمدہ اور مفید تھا۔
یہ لکچر سائے سائے ختم ہوا اور معمولی شکریہ کے بعد لوگ ٹھکرا اپنے اپنے گھر و نکو چلے گئے۔
دیوانہ صاحب نے اسے لکچر کرنا چاہا مگر صاحب کی جانب کے دروازہ میں عوامی اجتماع

کے مکان کے مقابل ہی تو ہے۔ جا کھڑے ہوئے۔ انہوں نے لالہ گنگارام سے ملاقات کرنے سے اراوتنا آنکھ بچائی۔ اور جب تک لالہ موصوف گھر کو نہ چلے گئے۔ یہ جوبلی کے وسیع میدان میں ادھر ادھر ٹھہرتے رہے۔

جب سب لوگ چلے گئے تو دیوان جی جوبلی کے مردانے کے باہر کھڑے ہو گئے۔ گھڑی دیکھی تو اٹھ بجنے میں صرف دس منٹ باقی تھے۔ بس آپ تو دیوان صاحب کا دل بیقرار ملیوں اچھلتے لگا۔ اور یہ ادھر ادھر دیکھنے لگے کہ ہمارا وہی سپاہی زادہ سید مرٹھ بازار کی طرف سے کہ چھوٹا دیوانہ جس کی اس وقت پیٹھ تھی۔ اگر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور بولا "دیوان جی نمسکار آپ نے بڑی مہربانی کی۔ کہ میری التماس پر یہاں آنے کی تکلیف گوار کی۔ آپ کے مزاج تو اچھے ہیں۔"

سپاہی زادے کو دیکھ کر دیوان صاحب کا کلیجہ دھڑکنے لگ پڑا۔ اور انہوں نے لاکھ مشکل سے کہا کہ "نہیں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ آپ کے مزاج تو اچھے ہیں۔"

بہاؤ سپاہی زادہ نے جواب میں صرف اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر انہیں نمسکار کی گویا اسکے یہ معنی تھے کہ "آپ کی مہربانی۔"

اس دن مادہ اگست کی ایک ٹھنڈی شام تھی۔ گرد و نواح کے کسی مقام پر بارش ہو چکی تھی۔ وہاں سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے لپٹ دار چھوٹے لاہوریوں کی زبان سے "وہ آہا آہا۔ اور واہ واہ!" کے نعرے آسمان کی طرف بلند کر رہے تھے۔

رندان بادہ نواز جھوم جھوم کر میکہول کی طرف جا رہے تھے۔ عاشقان جنون باز لوگ سپاہی کی آگ کو بھما بھما تھے۔ معشوقان سخن میں ٹھن کر زلف پریشان کا جال بچھا رہے تھے۔ شاعران نکتہ ساز موسم خوشگوار کی خوشی میں ٹوٹ پوٹ ہوتے ہوئے در دیوار کو ہی منوسمجھا چڑھتے پر چڑھتے قافئے لگا رہے تھے۔ برسات کے آتش باز پرندے جگنو آنے جاتے کی آنکھوں میں قمقمہ کی طرح ٹھٹھکے کھاکھاکے غم۔ تہا تہا کھا رہے تھے۔

اُستادانِ نعمہ ساز اپنی خوشی الحاقی اور مٹھی سڑوں کی داد پار ہے تھے۔ ماہِ دلخواہ اور
سیارگانِ نیم باز بامِ عرش سے ٹھما تے۔ حینانِ مین سے آنکھیں ملاتے۔ نورِ پور پر بارے
تھے گویا یہ شامِ جدھر دیکھو خوش ہنگام تھی۔

دبرانِ صاحبِ آج معمول سے زیادہ سچ صبح میں تھے۔ انہوں نے ویسی لباس کی جگہ
انگریزی لباس پہنا ہوا تھا۔ اور اگر ٹوپی بھی انگریزی ہی ہوتی۔ اور کوٹ لمبائی میں تھوڑا کم
ہوتا تو بس نر سے پر سے پور میں جینٹلمین ہی دکھائی دیتے انکے جسم کی بناوٹ اور شکل و شبہات
کی خوبصورتی کی جتنی تعریف کریں اتنی ہی تھوڑی ہے۔

لاہور کی کوئی سوسائٹی ایسی تھی۔ جہاں یوانِ میان تھوڑے دنِ افزہ ہوتے اور انکے
حسنِ جمال اور چمکے شباب کی دل سے تعریف نہ ہوتی۔ سیاہ ریشمی الپا کا کا کوٹ اور نوروجہ
ردی ٹوپی جو اس م کو یہ پہن کر نکلتے تھے۔ انکے حسن کو دوبالا کر رہے تھے۔ ادھر یہ اس آن بٹن
میں تھے ادھر ہمارا سپاہی ادہ بھی ایک نفیس پوشاک میں ملبوس تھا۔ وہ آج خاکِ زین
کی پوشاک کی بجائے سفید کپڑے پہن کر نکلا تھا۔ مگر یہ سفید پوشاک بھی سپاہیانہ تھی۔
اور ایسی عمدہ سچی ہوئی تھی۔ کہ باریک سے باریک آنکھ بھی یہ سرگز نہیں بتلا سکتی تھی۔ کہ
کپڑوں کے اندر نہانہ بدن چھپا تھا۔ پہننے والے نے بھیس بدلتے وقت اپنے سارے
اعضا کو ایسے طریقہ سے ملبوس کیا تھا۔ کہ شک یا گمان کے لئے کوئی جگہ خالی نہیں
چھوڑی تھی۔ یہاں تک کہ کانوں کی بالیوں کے چھید بھی اس نے پگڑی کے نیچے بڑی
خبرداری سے چھپا لئے ہوئے تھے۔ تاک میں منتقلی کا سواخ تھا۔ جو البتہ دکھائی دیتا تھا
مگر اس نے اس کی پرواہ نہ کی۔ کیونکہ ایسے چھید مردوں کے ناک میں بھی تو اکثر ہوا کرتے ہیں۔
سپاہی زادہ کی خوبصورتی کا خاکہ کوئی کیا کھینچے۔ بھلا خیال تو کیجئے کہ ایک سوڑا سا سال
بزرگ کی ایک طفلِ نوخیز کے بھیس میں کیسی بھلی معلوم ہوتی ہوگی۔ جسکے دیگر اعضاء کی بھونٹ
تھے۔

کچھ لکھنا۔ بلکہ خیال تک کرنا ہماری اے میں تا وقتیکہ ہمیں کوئی مصفا فائدہ حق حاصل نہ ہو جائے۔ درست نہیں۔ ہم تو صرف اس کے حُسن کی جو اسکے رونق دار چہرہ پر سے عیاں تھا۔ بیشک تعریف کریں گے۔

جن لوگوں نے چودھل کے چاند کو کاتک کے مہینے میں دھبی رات کے وقت دیکھا ہے۔ بس یہ خیال کر لیں کہ سطح اس آسمانی معشوق کے خدائی نور پر ہر کہ و مہ کی زبان سے واہ واہ اور مر حبا کے پرطف نعرے نکلتے ہیں اسی طرح اس سیاہی اے کی منور پیشانی کی تعریف کرتے ہوئے ہمارا قلم اچھل اچھل کر رہ جاتا ہے۔ ایسے روشن اور فرخندہ مانگھے کے گرد اگر دلفاز اور ابرو کی سیاہی کا خوشنما خط ایسا بھلا معلوم ہوتا تھا کہ جسکی تعریف لکھتے ہوئے قلم کو شکستہ لکھنا سیاہی بھی خشک ہو جاتی ہے۔ ناک اور آنکھوں کی خوبصورتی اس آن بان کی تھی کہ گویا ایک نازک شاخ میں دو شگفتہ پھول لگے تھے۔ گل احمر کی سُرخ پتیوں کا دھوکھا دینے والے لب اور چپ چاہے نخلان اور صاف خسار اپنی آپ تعریف کر رہے تھے۔ رنگت کی تشبیہ کے لئے ہمیں اور تو کوئی پیرائے نہیں ملتا۔ البتہ قند بورا اور میدے کو ملا کر اس رنگت کا سا رنگ ہمارے سیاہی اے کے چہرہ کا باور کر لیا جائے تو شاید درست ہو۔

قصہ کو تاہم کہاں تک تعریف کریں کہ بھلا گونتی کو اسکے بنانے والے نے کیسے بے نظیر حسن سے مالا مال کیا ہوا تھا۔ خوش قطع خوش وضع۔ خوش رنگ۔ خوش ہنگ۔ خوش نما۔ خوش افتار غرض کہ ہمہ اوصاف موصوف اور اسکے وجود سے دنیا خوش تھی۔ نہ صرف خوش تھی۔ بلکہ خوش قسمت تھی۔ کہ اس میں خدا کا بنایا ہوا ایک ایسا بھی انسانی وجود موجود تھا کہ جسکی ایک ایک حرکت پر حرکت کرنا نہ تھی۔ بھلا یہ تو بتائیے کہ کیا یہ کم دیر کی حرکت تھی کہ اپنے گوہر حسن کو بھلا گونتی اس طرح علم بازاروں میں کہ جہاں عیاران جاننا نہیں ایسے لہو لہو کی جنس کو برباد کرنے کی خاطر گھومتے پھرتے ہیں جو جتنی پھرتی اور

بھی صرف ذکر کرتی تھی

دیوان صاحب سے مزاج بہتری کر کے کچھ سوچ جو آگئی۔ بھاگ دیتی تھی ان سے بات چیت کرنے کے لئے انگریزی زبان سے مدد لیتی زیادہ تر مناسب سمجھی۔ شاید اُس نے اس لحاظ سے کہ چونکہ دراصل وہ عورت تو تھی ہی۔ شاید بھولے بھٹکے سے اپنی بول چال میں تذکیر و تانیث کی غلطی نہ کھا جائے۔ اس بات کو پسند کیا ہو۔ ہم ابھی کچھ کہ نہیں سکتے جو ہو سوتا ہو بھاگ دیتی یا سپاہی زادہ۔ ہاں سپاہی ادوہی کہو۔ دیوان دینا ناتھ کو بندگی سلام کے بعد اپنے ہمراہ لئے ہیرامنڈی کے وسیع میدان میں جا پہنچا۔ وہاں تک پہنچنے میں کوئی ایسی گفتگو نہ ہوئی۔ جو قابل بیان ہو۔ میدان میں پہنچ کر دیوان صاحب اپنے رفیق سپاہی زادے کو طبی بازار کی طرف قدم بڑھائے چلے جاتے دیکھ کر کچھ تذبذب کی حالت میں ہو گئے۔ اور یکایک یہ ٹھہر گئے۔ گفتگو تو ان دنوں کی اول ہی سے انگریزی زبان میں جاری تھی۔ انہوں نے

سپاہی زادے نے ایک بڑی پیاری اور بھولی بھالی داسی جو ابدیا۔

ہم اتنا بیان کرنا بھول گئے ہیں کہ ہمارا سپاہی زادہ دیوان صاحب سے مخاطب ہوتے ہوئے ان کی عزت اور توقیر کو ایسا مد نظر رکھتا۔ کہ اسکی مودب گفتار سے دیوان صاحب۔ صرف حیران ہی تھے۔ کہ یہ شخص ہماری اس درجہ کی کیوں عزت کر رہا ہے۔ بلکہ وہ پھول بھی جاتے کہ دراصل وہ لوگوں کی نظر میں معزز اور مخمّم تھے۔ اپنے نئے اور بالکل انجان بلکہ ایک معمولی ہشتا کی زبان سے یہ بے تکلف فقرہ سن کر قدرے تشویش سی ہو گئی۔ کہ ”یہ کون جو ہمیں اس طرح جواب دے“

ہمارا سپاہی ادوہی بھی خیال اور تاثر میں تھا کہ دیوان جی فراماتے پر بل ڈالیں۔ اور

انہیں تڑاک

دونوں شباب کے چھوٹے پر سوار فری فری سی بابت پر چو گئی ہو جانے پر تیار تھے۔
 سپاہی نے اسے کو کچھ خیال آیا۔ اس نے پیشتر اس کے کہ دیوان صاحب کچھ اور پوچھیں اور
 شاید اس منطق کی کھینچ میں کہ جس کے دونوں ہی بہت مشتاق تھے بات ہی نہ بگڑ جائے۔
 دیوان صاحب کے کہا کہ اگر آپ پورے پانچ منٹ کی مجھے اجازت دیوں تو میں آپ کی
 اس جیرانی کو کہ جس میں آپ اس وقت پڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ رفع کر دوں گا۔ مگر آپ مہربانی
 کر کے میری ساری بات کو سن لیں اور پھر مجھ سے کچھ دیا منت کریں۔

دیوان بیانا تھے عجیب حالت میں تھے کبھی تو وہ اس خیال میں ڈوب جاتے کہ یہ کون شخص
 ہے؟ ہمیں کہاں لیجا تا ہے؟ ہمارے اتنی عزت کیوں کرتا ہے؟ ہم اسکے لکھنے پر اس سے
 کیوں ملے۔ بدرنشاں اور یہ اور وہ سب بٹے چولے میں۔ ہم کیوں خراب ہو رہے ہیں؟
 ایسے ایسے استفہامی فقرے دل کے آگے پیش کرتے ہوئے جب یہ آنکھ اٹھا کر پوری نظر
 سے سپاہی دے کے منہ کو دیکھ پاتے تو وہ سب خیالات کا فور ہو جاتے۔ پھر تو صرف اتنا ہی تعجب
 آتا کہ ایسی جادو بھری خوبصورتی کہاں سے اس پر ٹوٹ پڑی۔ اُف تو بہ۔ اگر عورت ہوتی تو نہ
 جانے کون اسکے صرف بیدار کے لئے ہی سرتنگ حاضر کر دیتا۔ چلو جو ہو گا دیکھا جائیگا۔ مگر
 اتنی جلدی ہم ایسے بے نظیر اور سردار خوبان کا سا نہ تھے ہی تو نہیں چھوڑ سکتے مگر بائے دل
 کبھی بدر النساء کے خیال درو انگیز سے ہمکدوش ہو جائے۔ تب تو اس شخص۔ اس فیخیر
 سپاہی بچے کے حسن خداداد کی تعریف میں ہی۔ ہم عمر کا ایک حصہ نہ کریں۔

سپاہی بچے کی التماس کو انہوں نے جھٹ منظور کر لیا۔ اور کہا کہ وہاں۔ صاحب آپ
 صوفہ فرمائیے کہ آپ نے مجھے کیوں یاد کیا۔ اور اس وقت ہم کہاں جا رہے ہیں۔ اگر قبول آپ کے
 ہم بدر النساء کے مکان پر جا رہے ہیں تو کیوں؟

دیوان صاحب جی۔ وہ بد بخت آتارام جسکو بدرنشاں یا صاحب جان نے زہر دیا بارڈالہ
 میرا بھائی تھا۔ ادھر وہ مرادھر ہمارا مہربان اور سارا دل اس کے جانے کے غم سے جان سخت

ہوا۔ آپ اگر کچھ بھی ہمدردی انسانی کا مادہ رکھتے ہو تو جان جائیگے کہ ہم میں مانہ گان
 پران دونا گمانی موتوں سے کس قدر بھاری اور جانکاہہ صدمہ گزرا۔ خدا پر خیال کیجئے۔ کہ
 ہمارے پاس جس قدر روپیہ بیٹھا۔ والد نے اتنا مال کوٹھکوں کو اس جگہ کچھ نئے قسم کے زیورات
 بنوانے کے لئے بھیجا تھا۔ وہ سب کچھ بھی گیا۔ اب ہم نان نفقہ سے بھی تنگ ہیں۔ مجھے خبر ملی تھی
 کہ ہمارے چند ایک نے زیورات جو بدل کر کے زیورات اتنا رام بنوانے کے لئے یہاں آیا تھا۔
 اس شیطان دی صاحبان کے پاس ابھی تک موجود ہیں۔ بلکہ اُس نے انکو پہنا ہوا ہے میں نے
 یاد دہ کیا ہے کہ جس طرح ہوسکے میں اس قدر سے اپنے بھائی کا قصاص لون۔ اگر ایسا نہ ہو سکے۔
 تو کم از کم اپنے زیورات و سیم وزر و تو وصول کروں۔ آج وہ میری عورت اپنے ایک شنا کے ساتھ
 کہ جوشاید کوئی مولوی یا واعظ ہے۔ اس میں کچھ کی گاڑی میں راولپنڈی جاتی ہے۔ آپ اس
 ہم میں میری مدد کریں۔ آپ کے خاندان کا اور آپ کا نام ہمارے گھر میں۔ نامعلوم نہیں ہے۔
 میں نے آپ کو اپنا حامی بنانے میں اپنے دل کی طرح تسلی کر لی ہے۔ آپ کے والد بزرگوار
 اور میرے والد صاحب اعلیٰ درجہ کے دوست تھے۔ اور کیا عجب کہ ہم بھی آپس میں ایک دوسرے
 کے خبر خواہ اور مدد و شریک فتنہ بن جائیں۔ اس ہم میں آپ صرف میرے گھراں میں۔ اور میرے
 اپنا ہاتھ پڑا کر اور دیوانہ صاحب کا ہاتھ لیکر، میں آپ کے سپرد۔ آپ کیجئے۔ کہ کس حکمت
 علی سے اس شیطان زادی سے مجھے سب کچھ وصول ہوتا ہے۔ کیا آپ میری اس قدر تلمس
 سنکر مجھ پر رحم کر کے مجھے مدد کا وعدہ دیکھتے ہیں؟

سپاہی زاوے نے اپنی تقریر کو انگریزی زبان میں لیا کیا۔ اور یہ بھی ایذا دیکر کہ بہتر
 ہو اگر ہم انگریزی زبان میں جب تک کہ کھڑے رہیں گفتگو کرنے میں تاکہ علوم ہمارے تہہ پہن سکیں
 دیوانہ صاحب اپنے رفیق کی کہانی سنکر چند لحظہ تک محنت کی طرح خاموش رہے۔ آخر پوچھا
 قلم کا کیا نام ہے۔

دیوانہ صاحب ”اپکا کوئی اور بھائی بھی ہے؟“

سپاہی زادہ ”نہیں“

دیوانہ صاحب ”کوئی بہن بھی ہے؟“

سپاہی زادہ ”ایک بہن ہاں ہے“

دیوانہ صاحب ”اسکا نام بتلائے میں آپکا کوئی ہرج تو نہ ہوگا“

سپاہی زادہ ”ہرگز نہیں۔ اسکا نام بھاگ دنتی ہے“

بھاگ دنتی کا نام سنکر دیوانہ صاحب کو کلی یقین ہوا کہ اُن کا رفیق کوئی دشمن نہ تھا بلکہ جو کچھ اس نے کہا سچ کہا تھا۔ تب تو انہوں نے بھی زبان کھولی۔ اور کہا کہ ”سزا بھاگ سنگھ صاحب میں آپ کے خاندان سے اچھی طرح واقف ہوں۔ بلکہ آپ کی مصیبت میں میں از حد درد معلوم کرتا ہوں چلئے میں آپ کے ساتھ ہوں۔ اور مجھ سے جو مدد آپ چاہیں میں دینے کو حاضر ہوں مگر آپ سفارہ تکلیف کیوں کرتے ہیں خاک ڈالئے زیورات کے سر پر۔ اب کیا ہاتھ آئیگا؟ مفت میں کوئی اور آفت نہ آجائے“

سپاہی زادہ۔ دیوانہ صاحب کے اس تسلی بخش جواب سے ایک کا دھوکہ کھولتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میں کیوں اس مہم پر چڑھا ہوں۔ مگر میرا دل نہیں رک سکتا۔ یہ چاہتا ہے کہ جوش نکال ہی دے“

دیوانہ صاحب جان گئے کہ جوش جنوں اسکو اشتعال دے رہا ہے۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ چلئے کوئی آفت نظر آئی تو اسکا بندوبست کر لینگے“ اس کے بعد پھر خیال آیا کہ اوہ! اس نوعمر لڑکے کی یہ عمر یہ لیاقت۔ یہ خیالات۔ یہ شجاعت۔ اور یہ خوبصورتی۔ وہ رسی قدرت۔ اگر میں بھاگ دنتی کو بھی دیکھ پاؤں۔ تو ایسے خاندان میں رشتہ کرنے سے تو عزت بڑھتی ہے نامہ روشن ہوتا ہے۔ میں لاکھ منت کروں۔ مگر خیر دیدہ یا بد“

یاد رہے جو انکی مرضی ہو۔ وہ اسکا کچھ نہ کرے۔ بلکہ ضرورت پڑے تو اس کے شکر کو نکالیں

کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ آپ شاید اس پیچ و تاب میں اپنے لوجوان دل کو ہمیشہ کے لئے ہانک
سے نہ نکھڑے۔ نیز میں اس خوف سے آپ کو اپنے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش
نہیں کرتا۔ کہ شاید آپ مجھے بزدل خیال کریں۔ چلئے جدوجہد ہی چاہیے۔

ان دونوں دوستوں میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ کبھی ڈکچروں اور طوائفوں کا مشہور
محل یا بازار کی طرف سے ایک ہجوم شروع ہو جائے۔ انا دکھائی دیا۔ اُس سال کو۔ ہورنگا۔
ات تیری چورسالا۔ یہ فقرے تھے جو زور سے کئی زبانوں سے نکلتے سنے جاتے تھے۔ پھر آواز
آئی۔ توں ناں گھر جا بدرنشاں بس جا چلی جا۔ اسیں آپے دیکھ لاں گے۔

آری ابد رنشاں! اچھا کیا ہے؟ اُسے کیا ہوا؟ یہ سوالات تھے۔ جو دیوانچی نے اپنے دل سے
پوچھے۔ ہائے ہائے خیال معشوق۔ بد النساء سے کرور درجہ بڑھ کر خوبصورت اور حسین سپاسی زادہ
پاس موجود اور ان کی آن میں وہ فراموش۔ جو میں بد النساء کا نام کان میں پڑا۔ دیوان صاحب
پاؤں میں بجلی لگ گئی اور وہ اپنے رفیق کو چھوڑ کر وہ گئے۔ ہمارا سپاسی زادہ بھی انکے پیچھے
ہو گیا۔ جہاں وہ مڑے بھی دوڑ پڑا اگر اس کے دل میں خوف پیدا ہو گیا۔ کہ شاید سب بنی تائی
بگڑ گئی۔ چند ہی قدم کا فاصلہ تو تھا ہی۔ جھٹ دونوں اُس ہجوم میں جا داخل ہوئے جاتے ہی
دیوان صاحب نے بد النساء کو فرط جوش میں کانڈھے سے پکڑ لیا اور نہایت ہی بقراری اور
اضطراب بھری آواز سے پوچھا۔ کی ہے؟ بد النساء نے جواب دیا جی کچھ نہیں۔ بیویں ایک شخص نال
تکرا رہو گی سی۔

آسمان پر تو خدائی چاند چمک چمک کر اپنی شعاعوں سے گلی کوچہ کو منور کر رہی رہا تھا
مگر میرا منڈی کے وسیع میدان میں اس وقت دیوان صاحب۔ بد النساء اور ہمارا سپاسی زادہ
تینوں بھی اپنے من بے نظیر کا کچھ کم غضب ڈھا رہے تھے۔

دیوان صاحب نے پوچھا۔ کون ہیگا اوہ؟ تکرار کی ہیگا؟

بد النساء کو لاگو لگا کر ایک محض نشانہ یا تختی۔ وہ کسی طرف اشارہ نہ کر سکی۔ لوگوں کے ہجوم

میں چند لفظوں کے لئے خاموشی ہو گئی۔ بیس چالیس آدمیوں کی جو کھڑ بھاڑ تھی سب وہاں چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔ جب بد النساء نے دیوان صاحب کی بات کا جواں نہ دیا۔ تو ایک اُس ہجوم میں سے بولا ”بالو جی۔ اک چور ہریگا۔ زور پورا تارن آیا سی سالہ“ دیوان صاحب۔ لیکن وہ کبہ شخص ہریگا۔ ذرا اودھی شکل تھی تو کبھی چاہے دی لے ان کی درخواست پر میاں غلام رسول اور میراں بخش نے ایک سیاہ فام اور نہایت بد وضع شخص کو جسکی وہ مشکیں باندھے۔ ایک طرف لئے کھڑے تھے۔

ان کے سامنے لے آئے اور کہا ”سلام اے دیوان جی ایہہ ہریگا چور“

دیوان صاحب نے اس شخص کے سیاہ چہرے کو چاند کی چاندنی میں اچھی طرح دیکھ کر کہا ”اے یہ تو ہمارے کالج کا مہتر ہے۔ اسے گھسیٹو تو کہہ ص ۹۹“

قبل اسکے کہ گھسیٹو کچھ جواب دے غلام رسول بول پڑا ”اوتیری حرامزاقے دی سالوں تاں تو راج چھہ میتے تھیں ایہہ ہی کہندار ہیہا ایں۔ کہ میں مسلمان ہوناں ہاں۔ او تیری کا ذودی۔۔۔“ اتنا کہ غلام رسول اور میراں بخش اور کئی ایک دوسرے لوگ اس بیچے پر ٹوٹ پڑے اور اس پر نکالات گھونٹے چلے ہمارا سپاہی زادہ بڑے خوش و خرم سے دیوان صاحب کو نشانے سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ کر لے کر بولا:

یعنی شرم!! ہزار بار شرم!! دیوان جی!

یعنی مہربانی کر کے اب یہاں سے کنارہ کیجئے۔ اور آؤ یہاں سے چلے چلیں! دیوان صاحب کے دل پر بجلی رونگٹی چپ چاپ پتھر کی طرح بے حس ہو کر سپاہی زاوے کے ساتھ وہاں سے نکل آئے۔

وہ لوگ اینٹوں کٹوالی لے چلو، کہتے ہوئے چلے گئے۔

ہمارے سپاہی زادے نے دیوان صاحب کو مفہوم پا کر انہیں انگریزی زبان میں ایک بڑا لمبا چٹرا لکھ دینا شروع کر دیا۔ اس لکچر میں اس نے انکو صرف لعنت طاعت ہی نہ کی۔ بلکہ انہیں مبارک دے کر اچھا بھلا کر اس حبیبہ بدنامی سے رہائی ہوئی۔ بھلا جہاں مہتر تک آکر وہی عیش کر جاتے ہوں جس عیش کے لئے ایک معزز اور بہادر خاندان کا ایک نوجوان نرپتا ہے۔ واہ! ایسی عیش کے کیا ہی کہنے۔ مقام شرم ہے۔ اور کچھ نہیں!!!

سپاہی زادے کی تقریر میں یاد اس لئے کردہ تقریر دلی درو سے تھی۔ خدا نے کچھ ایسا جادو سا ڈال دیا کہ دیوان صاحب آٹھ آٹھ آنسو رونے لگ پڑے۔ ایک پختہ پل کی دیوار پر لب ٹرک یہ دونوں بیٹھ گئے۔ اور دیر تک یہ آپس میں باتیں کرتے رہے۔ سپاہی زادے کی بیعت اور شجاعت پر کچھ تو دیوان جی آگے ہی ندا ہو چکے تھے۔ اب اسکی جوش خروش والی تقریر کو سن سن اور بات بات پر اس کے حلقہ جال کو دوبالا ہوتا دیکھ دیکھ یہ اور کھٹی بان ہو گئے دل میں کہا کہ ”آہ اگر اسوقت یہ لکچر اس شخص کے منہ سے ادا نہ ہوتا تو پھر تو شاید کوئی خدا کا بچہ بھی اگر مہتا تا تو ہرگز نہ ہٹنے۔ مہتر تھا تو پڑے چولہے میں۔ ہمیں کیا؟ ہم نے تو اپنے خیال کا خیال قائم رکھا ہوا تھا۔“

ہمارے سپاہی زادے کی اس سے بڑھ کر اور کیا بہادری ہو سکتی ہے کہ اس نے اپنے لکچر کا انعام کھڑے کھڑے یہ پالیا کہ اس نے دیوان جی کے منہ سے ان کا ماتھ میں ہاتھ لیکر ذیل کے الفاظ نکلا لئے کہ:-

یعنی ”میں نے ان سے اقرار کیا ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ میں بندہ بہ النساء

سے ہرگز محبت (عشق) نہیں کروں گا۔“

یہ قسم کھ کر دیوانصاحب نے بڑی دلیری سے پوچھا :-

”اب آپ بتلایئے۔ آپ مجھے کہاں لیجانا چاہتے ہیں۔ میں کیا کہوں۔ میں تو اب آپ کا ہو چکا ہوں، سپاہی اُسے جو ابدیانہ خدایا سپاہی سے آئے صاحب جان کے گھر کو چلتے ہیں۔“

ناظرین !

کہاں وہ جوش کر دیوانصاحب کو پل لب بد النساء کی ملاقات کرنے پر آمادہ کر رہا تھا۔ کہاں وہ بیقراری کر جو انہیں ہر دم بےزار رکھتی تھی۔ کہاں وہ تمنا کر جسکے برائے کی امید میں یہ کئی ایک خیالی پلاؤ کے ذائقے چھپکے چھپکے بس سو جایا کرتے تھے۔ اور ہاں سے بے غضب ! کہاں یہ موقع کہ جب وہ ہر طرح سے مطمئن ہو گئے۔ کہ بد النساء کے لب شیریں ہنسنو کی حسرت کو بھی نکال دینے میں کوتاہی نہیں کرتے۔“

اسوقت تو شاید احتمال طبع میں یا سپاہی اُسے کی پُر جوش اور فصیح پند آمیز تقریر کے دام میں پھنسا کر انہوں نے قسم کھائی کہ بد النساء کے عشق سے باز آگئے۔ مگر ہمیں دیکھنا ہے کہ آئینہ یہ کہاں تک اپنی قسم نہاویں۔ بہر حال اس وقت تو دیوان صاحب آن کی آن میں ایسے ہو گئے تھے کہ انکا دل انہیں کوس رہا تھا کہ اگر یہی نتیجہ دیکھنا تھا۔ تو کیوں پھنسا گیا وہی دل جو انہیں ہر وقت بد النساء کے گیت سنایا کرتا تھا۔ دفعۃً ایسا بیزار ہو گیا۔ کہ اس کا نام تک بھی نفرت سے لینا۔

سپاہی زادے کی التجا پر کہ ”آئیے صاحب جان کے گھر کو چلتے ہیں۔“ دیوان صاحب چلتے جہاں جی چاہے۔ میرے ناصح دوست۔ میرے پیارے رفیق چلیئے۔“

سپاہی زادہ۔ (ایک بھولی ادا سے) ”اب بد النساء کا خیال قطعاً چھوڑ دیجئے۔“

ایسی ایسی باتوں میں یہ دونوں دوست صاحب جان کے مکان پر پہنچ گئے۔ رات کے نو بج چکے تھے۔ ہمارا سپاہی زادہ ایک منٹ کے لئے اس سوچ میں پڑ گیا کہ اب کیا کیا جائے کہ صاحب جان ایک عمدہ بلکہ نہایت ہی نفیس پوشاک زیب تن کئے کسی جوان شخص کے ہاتھ میں ہاتھ پیٹے اپنے مکان کے دروازے میں اکھڑی ہوئی موتی کے ہار گلے میں پڑے حرارت نہایت پرزور ہو رہے تھے۔ عطر کی بوباس سے کوچہ کو محط کر رہی تھی۔ اس کی نرم نرم مٹھی مٹھی باتوں اور اپنے عاشق کے ساتھ دل لگی کے چٹکوں نے ان کی آن میں ہل رہی تھیں چلتے چلتے رنگین مزاج اور بڑی کی گشت کرنے والے شخص کا ایک نجوم کھڑا کر دیا جو لوگ جمع ہوئے تو صاحب جان تو اپنے حسن اور رنگ و روپ کی داد پانے کے لئے مسکراتا ہوا ناز و سحر کرنے لگ پڑی۔ لیکن اس کا دوست جو اس کے ساتھ اندر سے نکلا تھا۔ گھبرا کر پیچھے ہٹ چلا گیا۔

دیوان صاحب یہ سنا شاید کبھی متحیر ہو گئے اور سپاہی زادے سے کہا ”والی ڈیر فرزند آپ کو معلوم ہے کہ یہ اس کے ساتھ کون تھا؟“

سپاہی زادہ ”یعنی ”نہیں جناب“

دیوان صاحب (سپاہی زادے کے کان میں) ”یہ وہی شخص ہے۔ جس کا میں

ابھی اتنی آنکھیں پنجاب میں لکچھے تھے کہ آیا ہوں۔ اس کا نام مولوی قاسم علی بلخی ہے۔ اس نے آج ایک نہایت ہی موثر اور عمدہ لکچر دیا ہے۔ سننے والوں کی تعداد کم از کم دو تین ہزار تھی مگر یہ عجیب معاملہ ہے۔ یہ اس جگہ کیسے آ گیا؟“

سپاہی زادہ ”تو یہ کیا کوئی تعجب کی بات ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے گرگ

کس موجود ہیں۔ وہ خط اور لکچر تو خوب بینوں پر ہاتھ مار کر سننے کے لئے کھڑے

ہو کر گاہ پیٹتے رہتے ہیں۔ مگر آپ ان خطوں اور لکچروں پر خواب میں بھی غل

دیوانہ صاحب۔ لیکن ہوا صاحب ہیں تو حیران ہوں کہ یہ شخص دو گھنٹے بھی نہیں
 ہوئے کہ گڈی بازی کی وہ ٹی پلیڈ کر رہا تھا کہ تو بہ! اور اس وقت خود ایک رٹھی کو بیل میں
 لئے کھڑا ہے۔! انا ہی میں نے اُسے پہچانا ہو۔ مگر نہیں۔ یہ تو بلاشبہ وہی بلجی تھا۔
 ان کی باتیں ہو رہی تھیں کہ صاحب جان بھی اندر چلی گئی۔ اور حسن پرستوں کی بڑ
 بازاری ہو گئی۔ دس منٹ کے بعد صاحب جان کے مکان میں سے ایک لوکر سر پر ایک پوٹ
 مینٹ اور ایک بستر بند ہوا رکھے تھے نکلا۔ اور دیوانہ صاحب سپاہی زادے کے پاس ہو کر
 گئے۔ کیا۔ کوئی دہل ہی منٹ بعد صاحب جان اپنے عاشق یار فریق یا ستر بلجی کو ساتھ لئے
 ہوئے تندرست نکلی۔ اور یہ دونوں بھی ہمارے بھادروں کے پاس سے ہو کر چل پڑے
 سپاہی زادے نے دیوان صاحب کے کان میں کہا ”بڑا عمدہ موقع گیا ہے۔“

دیوان صاحب۔ ”کیونکر؟“

سپاہی زادہ۔ ”اس لئے کہ مہیدل میں ہیں نے سمجھا تھا کہ گاڑی میں سوار ہو کر
 ٹیشن تک جائیگے۔“

اب کسی نے صاحب جان سے کہا کہ ”بی جی۔ گڈی لے آواں۔“
 صاحب جان نے مسک کر جواب دیا کہ ”نہیں بھائی۔ خدا خوش رکھے۔ اسپیں بدامی
 بارغ سے ٹیشنوں چڑھاں گے۔ ذرا لتاں بھی سرھیاں ہو جان گیاں۔“
 آگے آگے صاحب جان اور مولوی بلجی صاحب چلے جا رہے تھے۔ اور چند رہ قدم
 پیچھے دیوانہ صاحب اور سپاہی زادہ خراباں خراباں کر رہے تھے۔

دیوانہ صاحب اپنے بیٹق سے پوچھ کر کہ ”اب فریڈیجے۔ آپ کیا کہنے پر آمادہ ہیں؟“
 سپاہی زادے کے گھر کے رشتہ میں کارستہ کی قسم دے دیا کہ اتنی جلدی جواب دینا کہ
 پسند کرتا تھا۔ بولا۔ ”میں ابھی میں سے دیتا ہوں۔ ذرا صبر کیجیے۔“

میں نے مزے کر کے باتیں کر کے دیوان صاحب کو چاہا کہ

رواں کو اپنے منہ پر رکھتے ہوئے کبھی چراغوں کے سایہ میں ہٹ ہٹ کر چلتے ہوئے بارے
 قلعہ لاہور کی فصیل کے نیچے والے میدان میں پہنچ گئے وہاں انہوں نے صاحب جان
 کو اپنے بیٹے سے لگا کر اس کے ایک دلوں سے لبرک کما "توں بڑی ضدی ہوئی اس۔
 صاحب جان دہلی کی بغل سے الگ ہو کر بڑے ناراضی "تے اودہ کیوں؟"
 مسٹر بلخی (مسکرا کر)۔ "یہاں اس کھاں پی جیکر تو لٹاؤ مکان اتنے چپ چاپ بھانڈی
 تے میں کاہنوں خراب ہوندا میں اچ امی بیچ چھ ہزار آدمیاں دے سامنے لکچر دیکے آیا
 ہیکال تے ایسویلے بھی خبرے کتنے آدمیاں نے مینوں دیکھیا ہو ہی۔ پس تیرے پچھے
 مفت دی بدنامی ہوو گی۔ ہوو کی ہونا اس۔"

صاحب جان دچین بہ جہین ہو کر "تے فیر میں گھروں ٹر جانی اس نہیں جاؤ۔
 شاید تو ہاڈی اگے چل کے ہوو بدنامی نہ ہووے۔"
 اتنا کہ صاحب جان غصہ میں آکر پچھلے پاؤں لوٹ پڑی۔ مگر مسٹر بامولانا مولوی بلخی
 صاحب نے اسے دو قدم بھی نہ جانے دیا۔ اور اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ ہاتھ کو ایک جھٹکے سے
 چھوڑ کر بولی۔ "بس چھوڑے مینوں۔ جد کدی کوئی گل ہووے توں اپنی شان شوکت
 وچ ای رہندا ہوو گیا۔ شکر کینا ہوو پاسی کہ علیگڑھ دفع ہوو یا ہیکال سی۔ قیر خدا کہ ہر
 لے آندا اس۔"

دیوان صاحب اور سپاہی راوہ یہ نکھار سن کر ادھر ادھر ہو گئے۔ تاکہ یہ راز نہ کھل جائے کہ
 وہ کسی خاص مطلب کے لئے پیچھے لگے ہوئے تھے۔

مسٹر بلخی "تے میں تینوں کہیا کی ہیکال
 صاحب جان "آخو جی تو ہاڈی بدنامی ہوو دی اے۔
 مسٹر بلخی "اچھی بات میں بھل گیا۔
 صاحب جان۔ بھل بھادیں بھل میں پڑی تے میں نہیں جانتا۔"

مسٹر بلخی "تاں توں مسیگر نقصان وچ راضی ہوئی ناں"

صاحب جان "نقصان کا ہوا"

مسٹر بلخی "بس چار پنج سو روپیہ جیڑا مسیگر اک لکچر دینے اوتے اکٹھا ہو جانا
سی اوہ گیا تے رسوائی مفت دی"

صاحب جان "تے اوہ روپیہ تو ہاڑے گھر تھوڑا آجائیکا"

مسٹر بلخی "تے ہور کتھے جائیکا"

صاحب جان "مینوں ایہ بھرے تاں نہ دے۔ مینوں جیکر خبر نہیں۔ اوہ

روپیہ تے علیگڈھ دے مدرسہ واسطے اکٹھا ہونا ایس کے"

مسٹر بلخی "تیری جانے باتینوں کی خبر"

ناظرین

شہر الفت میں ہمیشہ سب سے رسم و رواج

اپنے عاشق سے کیا کرتے ہیں جھگڑا مستحق

ابھی تو وہ غصہ کی باتیں تھیں کر سنے والے کو بھی یقین ہو جائے کہ بس زندگی

بھراپس میں بات نہ ہوگی۔ اور ابھی یہ کہ پھر راز و نیاز کی باتیں ہونے لگ پڑیں۔

جان پھر مولوی صاحب کی بھلی میں لب شیریں کے بوتے سے دس ہی ہفتی۔ اور وہ اسے

خاناں خراں پیار و دلاسا دے لے جاتے ہیں۔ باواحدی باغ کے شیشن کو جانے کا راز

پکا کر نے والے مسٹر بلخی صاحب ہی تھے۔ انہوں نے پیار و دلاسنے میں مصلحت پر کیا تھا کہ ایک

تو لوگوں کی نظروں سے بچ جائینگے۔

دوم پیادہ پا چلتے ہوئے سینکڑوں دل کی حسرتیں نکالتے چلیں گے۔ جب پریڈ کے

میدان میں سے ہو کر اٹیشن کی طرف رخ کرنے لگے تو صاحب جان نے پریڈ کے آموں

کے دشتوں کو دیکھ کر کہا "یاسے اللہ جیوں تے نہماں رختاں" اور آواز اٹھایا

یکہ مولوی بلخی کی چھاتی سے چبٹ گئی۔

عاشق را بہمانہ در کار

۷

مولوی صاحب نے چھاتی سے لگھانے کے علاوہ اسکی بلائیں یعنی شرع کر دین صاحب جان یا تو گھر سے یکے دھپک اوڑا کر آئی ہوگی۔ یا وہ اولپنڈی جانا نہیں چاہتی ہوگی بس مولویہ صاحب کی چھاتی سے چبٹ گئی اور ڈھسک ڈھسک کر رونے لگ پڑی اور کہنے لگی میرے میاں آؤ گھر چلیے۔ مینوں میں پڑی آؤندی ہے۔

بلخی: اوحو۔ ایہ کی سودا میرا ہے چل میری جان میں تان ایہ سلسلے اسٹیشن ہیکا۔ تے گڈ ٹی ہی پٹی آئی۔ پونے دس بج چکے ہیکے نے۔

صاحب جان دشیم پڑوہ آواز سے اور ایک عجیب تجربے سے "تاناں" چل میں چکے کوٹھے اوپر چرن دی چاننی وچ سورہے۔
ابھی صاحب جان اپنی بات کو ختم بھی نہیں کرنے پائی تھی۔ کہ کسی فیسٹول کا ایک فائر کے بارود کی آواز کے ساتھ ہی گر جتے ہوئے نعرہ دیکر پکارا۔

یعنی: تم یہ سناؤ۔

فیسٹول کی آگ کا شعلہ دیکھتے اور کسی کی خوفناک آواز سننے ہی مولوی بلخی ایسے رنڈی باز لکچرار کے اوسان خطا ہو گئے۔ اور لکچر صاحب کچھ ہانکے پاؤں مار رہے تھے کہ ایک اور فائر ہوا۔ اور انکے قلب کی آواز کے ساتھ کسی نے لکچر کر کہا۔

یعنی: تم بلخی۔ تم شیطان۔

صاحب جان تو دوسری شکک کی آواز کے ختم ہونے تک زمین پر پیوڈش کر پڑی۔ اور بلخی صاحب نے سمجھا کہ ٹولی ٹولی اور مر گئی۔ وہ تو وہ کہہ گئے۔ وہم نالی کے بار۔ کچھ ہلک کہہ اور اور اسے اللہ۔ یا جیم۔ یا علی۔ اور فروع جکا۔ + + +

پارہواں باب

بادامی باغ اسٹیشن

یہ آریہ سماج کی ہم نے خواہ مخواہ بنچ لگالی۔ اتنی عمر چپ چاپ سے گزارا ہو گیا۔
 اب روز ایک بلاوا آجاتا ہے۔ کہ چلو سماج میں۔ سچ مجھ پر غلطی ہوئی۔ مگر اب پیچھا
 کس طرح چھوڑے۔ یہ کہیں ان لوگوں کی ہی شرارت نہ ہو۔ مگر چلو جی ہو اکیا۔ گمنام
 چٹھیوں سے بڑی ہکو پنجاب سے بد لکھ بلوچستان میں بھیج دینگے۔ اور کیا یہ کھا تھوڑا ہی
 کسی نے جانا ہے۔ (مسکرا کر) اور کیا ہم ایسی گمنام چٹھیوں سے ڈر جائینگے۔ ہرگز نہیں
 (آہ بھر کر) مگر واہ رے رے صاحب۔ تجھے رے صاحب کا خطاب دینے والے کو کیا
 کہوں؟ (غصہ میں آکر) تجھے تو سالے بھنگی یا منتر صاحب کا خطاب دینا چاہئے تھا۔
 (بیزار ہو کر) ہائے رے ظالم! خواہ مخواہ مجھ ایسے بیگناہ کو مصیبت میں ڈال دیا۔ ہائے
 رے صاحب تیرا بڑا غرق ہو جائے۔ تو نے میری ساری خواہشوں کو ملبا میٹ کر دیا۔
 میرے ہاتھ سے کھلونا چھین لیا۔ مجھے بے آرام کر دیا (دانت پیسکر) رے تیری ایسی کی
 تبتی۔ کیا دوستی کا یہی اجر دینا تھا (دعا مانگ کر) یا پریشیر اس اے صاحب کو در کے
 ٹکڑے منگا۔ اس نے مجھے زندہ درگور کر دیا۔

ہائے! شالامار باغ کا میلہ کیا یارو نقی میلہ تھا۔ انا۔ انا۔ مردانہ لباس میں اسے دیکھ
 باغ کی سیر میں پھرتے رہے اور کسی نے پنچا نام تک نہیں کہہ کون تھی۔ اور پھر رات کو

مکان پر آکر جو لطف اٹھایا۔ وہ بھی کیوں بھولے گا۔ ہاے وہ صندلی کا عیاں۔ سونے کی چڑیوں کے حلقہ میں۔ لب کی روشنی میں کیسی جلیبی حلوم ہوتی تھیں۔ اُن کیا کیا یاد کریں ہاے یہ مصیبت کے صدمے کب تک برداشت کریں گے! آنکھیں بند کر کے! آہ! مہتاب پیار سی ایک لب کا بوسہ دیدے۔ دیدے زمیری جان۔ آہ کس انداز سے جو آ ملتا تھا کہ "اجی جاؤ بھی۔"

ہائے وہ دن کہاں گئے۔ (خٹک کر) اُف۔ ہم تو پاگل ہو جائیں گے۔ ہمارا کیا ہو گا۔
 بی بی بچے آگے بھی تو خدا ہی کے حوالے تھے۔ مگر اب تو وہ بالکل ہی گئے گزرے۔ چلو
 فقیر ہو جائیں۔ سر میں خاک ڈال کر مہتاب کے دروازے پر چل آ لکھ جگادیں۔ کیا اُسے
 رحم نہ آویگا وہ! ارجم کیا۔ اسی وقت ہمارے عشق کی تاثیر ہو جائے۔ تو پھر عاشق ہی
 کیا ہوئے۔ کہتے نہیں کہ

عشق بازوں میں کرامات نہ ہو کیا معنی

جس سے جی چاہے ملاقات نہ ہو کیا معنی

تو اویسی کریں۔ سادھو بنکر مہتاب کے مکان کے آگے ڈیرا جما دیں۔ نوکری پڑی
ایسی کی نیسی ہیں۔ پڑی گناہ چڑھیاں آ دیں۔ اور ہکوڈ ٹاہیں کرتے پھریں۔

ملک خدا تنگ نیست

پا عے گرا لنگ تہیت

دوس منٹ صرف آسمان ہی کی طرف دیکھ کر کچھ اور وہ پٹنٹ انگشتانہ ہیں۔
انہیں نہ کچھ غیر ہے۔ نہ علم ہے۔ کہ ہماری کیا حالت ہے۔ اور اپنی ہی بات کے پلے جاتے ہیں۔
اور ہر جو بن ناکھ ہیں۔ وہ گپ منسوب ہیں ہی ٹال دیتے ہیں۔ اور جو زیادہ ہمدردی کرتے
تو "بس شسری کی ناک کاٹ ڈالو"۔ اے پیری حالت میں ہو کر کہہ سکتے ہیں تو میں
جانناں سنگراک بات سے کہ آگ سچ ہو کہ کچھ دیکھ کر دانستہ حال شسری

کی ناک کٹوا دی جائے تو کیا مزہ ہو۔ پھر پچھیں کہ کو کیا حال ہے۔ مگر ہاے ہم سے
 پھر بھی نہ رہا جائے۔ ہم تو تب بھی اس کے قدموں کو دھو کر پیرا کریں۔ ہائے رے
 غضب کس بلا کی خوبصورت ہے۔ ہائے رے حرام زادے رے صاحب نیراستیاں
 ہو جائے تو نہ کیا کیا۔ مگر بچو۔ یاد رکھنا کہ جین بھی تو نہیں اور اسکے کا۔ جہاں ہماری سا
 دفتروں میں بدنامی ہو رہی ہے۔ وہاں نیرنی بھی راج دربار میں جلدی ہی مٹی پلیدنگی
 کیا ہم کو گناہ چٹھیاں لکھنی نہیں آتیں۔

ایک نیک گڑاڑا کر اور بچوں کی طرح رو کر ہائے پریشہ میں کس مصیبت میں پھنس
 گیا آف ایک معمولی عورت کی ادا کے بدلے اتنی سوز تو کر چلی جانی کو ہے۔ لاہور پھر
 میں پرے درج کی بدنامی ہو رہی ہے۔ کھانا پینا حرام ہو رہا ہے۔ تن بدن کی ہوش
 نہیں ہائے مجھ پر تو رحم کر رحم کرے۔

قاعدہ ہے کہ جب انسان بربادہ دیر تک کسی خیال میں مغز کی طاقت سے کام لیتا
 ہے تو اسے میند گھیر لیتی ہے تو اس لئے اگر لالہ لعل جی داس صاحب موسم برسات کی چاندنی
 رات میں پلنگ پر لیٹے لیٹے آسمان سے باتیں کرتے اور دل کے میدان میں طرح طرح کے
 خیالی باغیچے لگاتے رات کے دو بجے تک گئے۔ تو کونسا تعجب۔

یہ ذکر اس وقوع سے جو لالہ صاحب کے ساتھ لوہاری اور شاہ عالمی دروازے
 کے بیچ والے باغ میں ہوا تھا۔ بیس روز بعد کا ہے۔

اس بیس روز کے عرصہ میں لالہ صاحب کی جان پر جو تھکتا تھا۔ وہ ناگفتہ بہ ہے۔ فراق
 یار میں بیچارہ آؤ با ہو گیا۔ اپنی معشوقہ کے ساتھ جتنا جی کھول کھول حسین اور ایسا تھا۔ اس
 سزا گنا زیادہ آئے کھجور گنا نصیب ہو رہا تھا۔ شامت کی مار اس عشق کے عذاب پر کسی
 کہتے تو کیا کہتے۔ کارے فضا کوئی ان کی حالت کی اصلی وجہ کی ہوا پھر ان سے کچھ پوچھتا
 بھی تو یہ باتوں میں ہی اڑا جاتے۔ اور طبعیت کے لئے قتل ہوئے۔

پر مبنی بتلا دیتے۔ ہاں رفقاء قلبی سے دل کھول کر ضرور اپنا حال زار بیان کر دیتے
مگر یہ نامراد عشق چھپانے سے کب چھپتا ہے۔ میں نے تجھ سے سُن۔ تجھ سے اس نے
سُن۔ اس سے اور نے سُن۔ آخر کار بات اور اسی دی کر لالہ لعلی داس صاحب کسی رنڈی
کے عشق میں مبتلا فراق کے صد مہوں سے آجکل سخت تنگ ہیں۔ اس خبر کے اور انے
پر اور کہیں سے تو کسی نے چٹکارہ کی۔ البتہ لاہور آریہ سماج کا ایک ڈپوٹریشن ان کے
مکان پر ایک دن ضرور پہنچا اور وہ بھی نہایت ہی خفیہ طور پر اس ڈپوٹریشن کے آنے کی بھی
نہایت نہ پہنچتی تھیں چونکہ لالہ صاحب نے سماج مندر فنڈ میں جسکے جمع کرنے کے لئے سماج
کا جائز نشانی سے کام کرتے کرتے پسینہ بہا چھار ہا تھا۔ قریباً چار سو روپیہ نقد و بکرا سکے
چلا وہ چار سو اور بیسے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ اور اس وجہ سے وہ سماج مندر فنڈ کی کمیٹی
کے ایک رکن بنائے گئے تھے۔ اس لئے آریہ سماج کے سسر گرم ممبران لالہ صاحب کی اس
ناقص حالت کی خبر باگرا کہیں خبردار اور متنبہ کرنے سے باز نہ رہ سکے۔ اس ڈپوٹریشن
کے واعظ اور لالہ صاحب کے ناصح پنڈت اکھشنا ند سرستی جی مہاراج مندر کئے
گئے تھے۔ اور ان کے ذمہ یہ ڈیوٹی لگی۔ کہ لالہ لعل جی داس صاحب کو راہ راست
پر لاویں۔

پنڈت اکھشنا ند کو یہ سچا کہہ کر لالہ صاحب کو مل آریہ سماج جاتے ہوئے۔ کہ کیا نفع اور خوش کام نہیں
تھا۔ اُس نے وہ وہ دروٹا اور گیان کی باتیں انہیں سنائیں کہ اگر کوئی ہوتا اسی وقت
اس نیا سے دست بردار ہو جاتا۔ مگر افسوس۔ لالہ لعل جی داس کے لئے تو دار و درجہ و درجہ
کا معاملہ تھا۔ انہیں کچھ اثر بھی نہ ہوا۔ اور سماج کا ڈپوٹریشن لالہ صاحب کے زبانی
دعائے بیکر اور خواہ مخواہ اپنی کامیابی کا دم بھرتے اور اس پر نازان ہوتے۔ ان کے
بال سے رخصت ہوا۔ مگر پنڈت اکھشنا ند صاحب لالہ صاحب کا پیچھا چھوڑنے سے
رہنہ ہر روز صبح سویرے آسودہ موتے۔ اور لالہ لعل جی داس کے ہاتھ بٹول ان

کے وقت صانع کیا کرتے :-

جس دستکچھ نے اوپر ذکر کیا اسکی صبح کو سویرے ہی اٹھ کر لالہ محل جی مہاراج صاحب
تے کیڑے پہن لئے اور چھاپا کہ آج توجو ہوسو ہو پیڈت اکھشتا سند جی کے آنے سے پیشتر
ہم مہتاب گھر پر پہنچا کہ اس کے پاؤں پر گر پڑتے ہیں ہورکتے ہیں کہ
نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے۔

پہلے دعاؤں اور ناصح اور ابیرے غیرے سب کی ایسی کی ایسی ہیں۔ ہم اس زندگی سے
گدے سے زیادہ کر کے لالہ صاحب کیڑے پہن ابھی چار بھی تھیں بچے ہونگے کہ مکان سے
نیچے اتر گئے۔ اور پتی پچھڑی معشوقہ کے گھر کی طرف ہوئے۔ چاند کی تیرہویں رات تھی
اس لئے ابھی تک چاند کا اوج لا تھا۔ جب لالہ صاحب شاہ عالمی دروازے کے قریب پہنچے
تو ایک بیٹھک کی سیڑھیوں کے نیچے ایک تھڑے پر ایک مرد اور ایک عورت کو آپس میں
بوس و کنار مومتے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ دونوں بھی انہیں دیکھ کر ہلکے بکے ہو گئے
چاند نے جو اپنی پوری روشنی بھینکی۔ تو لالہ صاحب اس مرد کو پہچان کر چلا اٹھے۔
”ارے بسوامی جی۔ مہاتما اکھشتا سند جی مہاراج۔ جواب میں نہ ہوں۔ نہ ہاں۔

لالہ علمی صاحب نے پھر بلایا کہ ”کیوں مہاراج۔ آپ اس وقت کہاں ہیں؟“

اب اس مرد نے جواب دیا کہ ”آپ کسی اور کے بھونے مجھے پکارتے ہیں۔ میں تو مسلمان ہوں۔
مہاتما مکروہ عورت اور مرد بیٹھک کے اوپر کھٹ کھٹ سیڑھیاں چڑھتے چلے گئے۔ لالہ
علمی صاحب اس خیران پریشان ہو کر وہاں سے رخصت ہوئے۔ آنکھیں ملیں۔ اپنے جسم
کو ٹٹوا کہ خواب تو نہیں۔ مگر نہیں خواب کہاں چکیوں کے چلے اور جاوے کشتوں کے
سقول کو بلانے کی بڑ بڑاؤں میں آ رہی تھیں۔ بہ حال لالہ صاحب یہ حادثہ دیکھ کر گندہ
بلغ اپنے دل کے کچھ پھٹ پھٹنے کے لئے اپنی سوزش کی گلی میں باغریل ہوئے۔

خدا کی جو ہیں یہ مہتاب کے مکان کی ڈھیٹوری کے آگے پہنچے۔ مہتاب بھی اُسی گھڑی
 اُسی دم کہیں سے وہاں آ پہنچی۔ اس نے برقعے کو منہ پر سے ہٹا کر شاؤن پر بھینکا۔
 ہوا اٹھلا اور اس کی اوداس شکل اور زلف پریشان سے ظاہر ہوتا تھا کہ کہیں سے بہت
 ہی تنگ ہو کر آئی ہے۔ لالہ صاحب نے اُسے دیکھتے ہی ڈر کر اور گھوڑ کر گلے لگا لیا اور
 ہائے میری جان، کتنے سوئے ایسا دیا یا کہ وہ بات تکہ کرنے نہ پائی آخر علیحدہ ہو کر
 بولی "تے تیں اسویلے کدہر؟"

لالہ صاحب (گھبرائے ہوئے) اور دلخیز نظراتی زبان سے، "میں میں
 تیری طرف؟"

مہتاب (مسکرا کر)، "وہ کیوں؟"

لالہ صاحب "بس اسلئے کہ مڑوں تو تیرے قدموں میں کیوں نہ مڑوں؟"
 مہتاب "پرنو بانوں ایہہ کس طرح معلوم ہو یا کہ میں آپ نون اسوقت مل پڑاں گی؟"
 لالہ صاحب "مجھے کچھ معلوم نہ تھا۔ میں تو اس لئے آیا تھا کہ اس جگہ بیٹھ
 رہوں گا۔ اور جو وقت نون گھر سے نکلے گی۔ تیرے قدموں پہنچنے آپکو پھینک دوں گا؟"
 یہ کہہ لالہ صاحب ہچکیاں لے کر رونے اور ڈھکنے لگ پڑے۔

ہائے مری محبت !!!

لالہ صاحب کی حالت زار پر دیکھا اور کچھ اپنی حالت پر بھی نظر دوڑا کہ مہتاب کے
 بھی آنسو بھر آئے مگر اُس نے اپنے تئیں ضبط رکھا۔ اور لالہ صاحب سے کہا۔
 "چلو اپنے مکان اوتے میں بھی آپ دے نال چلیں آں؟"

ہا۔ ا۔ ا۔ واہ !! واہ !! مہتاب کی یہ درخواست سن کر فرشتہ عشق بھی
 غیب سے بول اٹھا۔

کریارے بہ خور و از وصل یارے

لالہ تعلیمی داس صاحب کی اس وقت کی حالت کا ہم کیا بیان کریں۔ ہم جیسے کسی کو دنیا کی عیش و عشرت کی تمام خوشی حاصل ہو جائے۔ اور پھر وہ کسی چیز کا بھی طالب نہ رہے۔ ویسے اس وقت لالہ صاحب ہو گئے۔ اپنی بچھڑی ہوئی معشوقہ کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال دیا۔ اور اُسے خراماں خراماں از حد ہی شادمان اپنے مکان پر لے آئے۔ صبح ہو چلی تھی۔ مکان میں اخل ہوئے ہی لالہ صاحب نے دروازہ بند کر دیا۔ اور مہتاب کے ساتھ لئے اپنے سچے ہوئے کمرے میں جا پہنچے۔ نوکروں چاکروں کو حکم دیدیا۔ کہ اگر فرتہ اجل بھی آئے تو کمدو۔ کہ لالہ صاحب مکان پر نہیں ہیں۔ اوہو ہو۔ واہ رے عشق تیرے کیا ہی کہنے ہیں۔

ادھر میرا کو انعام۔ ادھر گوگل کو بخشش۔ کہیں اس کو یہ دے اور اُسے۔ وہ دے۔ مہتاب کیا ملی۔ لالہ صاحب کے ہاتھ میں عمان سلطنت میں آیا آگئی۔ اور سچ پوچھئے۔ تو یہ بھی یوں ہی۔ عاشق کے لئے وصل معشوق سے بڑھ کر دنیا میں اور کون سی زیادہ تر قیمتی نعمت ہے۔

لالہ تعلیمی داس اس اتفاقی کامیابی پر شادی مرگ ہوئے جاتے تھے۔ مہتاب کو اپنے کمرے میں از سر نو موجود دیکھ کر وہ اپنے دل سے۔ اپنے مکان سے۔ اپنے نوکروں سے۔ بلکہ درود یار سے پوچھتے پوچھتے باولے ہو رہے تھے۔ کہ کیا سچ سچ وہ مہتاب کے ساتھ ہی ایک پلنگ پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے !!! +

علاوہ اور کئی ایک مختلف احکام کے میرا کو یہ بھی کہہ دیا کہ دفتر میں چھپی لیا جا کر صاحب پہاڑ کو لے آئے۔ کہ آج طبیعت علیل (بیمار ہے)۔ آیا نہیں جاتا۔ احکام دار شاد سے فارغ ہو کر لالہ صاحب مہتاب کو لے لپٹا کر پلنگ پر ایسے سودا لی ہو کر لیٹ گئے کہ دل کے غم ان کے گانے ساز کو گویا۔ ہمارا اس پر نہیں۔ یہی ایک مشورے ہوئے۔ نہ زاروں

شکایتیں کیں۔ لاکھوں معافیاں مانگیں۔ سینکڑوں قمیص کھائیں۔ کئی بار روئے۔
 کئی بار ہنسے۔ بارہا بگڑ گئے۔ پھر ان کی آن میں سدھر گئے۔ غرض عاشق اور معشوق کی
 ملاقات کے ساتھ جو لطف اور نیرنج و محن پیوستہ ہوتے ہیں۔ سب باری باری اپنا
 رنگ دکھانے لگے۔ اور اب رات ہو گئی۔ لالا صاحب کے ملنے کے لئے دن بھر میں انکے
 کئی ایک دوست آئے۔ مگر سب اپنا سامنے لیکر چلے گئے۔ اور تو اور مہتاب کے آنے
 کی خوشی نے لوگوں تک کو سودائی بنا ڈالا۔ ادھر لالا صاحب اپنی مشوقہ کے جام
 وصل سے شر سارہو رہے تھے۔ ادھر ان کے خدمت گار اپنے انعام و اکرام کی
 خبر لے رہے تھے۔ اور وہ چھوٹے پرتاؤ دیئے۔ عرق مغیلاں کی ہمت و طاقت پر آنے
 جانے والے کو کوس رہے تھے۔

لالا صاحب اور مہتاب کی اور بیشتر باتوں کو نظر انداز کر کے مہتاب نے جو اپنی
 کیفیت رائے صاحبہ متعلق لالا صاحب کو سنائی۔ اسے ہم یہاں جمع کرنا ضروری
 سمجھتے ہیں۔ اس نے جو کچھ بیان کیا۔ وہ ہماری زبان میں لکھا جاسکتا ہے کہ وہ
 ”بہری تقدیر میں کچھ فرق ہے۔ کہیں آرام میں نہیں رہتی۔ ہر دم فکر و افکار میں پڑی
 رہتی ہوں۔ میں سوچ کتنی ہوں۔ کہ میرے اور آپ کے درمیان کبھی بھی ناچاقی نہ ہوتی
 اگر میری تقدیر مجھے گمراہ نہ کرتی۔ آپ سے جدا ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ مجھے دو دفعہ یہاں
 دیکھ کر آپ کے رائے صاحب کا دل بے ایوان ہو گیا۔ اس مکار نے آپ سے پوشیدہ
 دو چار مرتبہ اپنے ایک معتبر نوکر کو میرے مکان پر بھیجا اور مجھے اپنے مکان پر
 آنے کو کہا بھیجا۔ اس نوکر نے مجھ کو ایسے ایسے بھروسے اور لارے لپارے دینے
 شروع کئے کہ میں چلے میں آگئی۔ کبھی مجھے اس نے رائے صاحب کے بتے اور
 جاہ و منصب کی باتیں سنائیں۔ کبھی کہا کہ وہ جس کو چاہیں چودہ سال کا جیلخانہ۔ بلکہ
 موت کا فتوے کا شکار کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اس نے اس قدر

اور پھر جو جی چاہے۔ مانگ لے۔ اور پالے۔ کبھی کہا کہ وہ تجھے اپنے گھر میں ڈال
 لینے۔ اس ہندوستانی (یعنی آپسے) کیا حاصل ہو گا۔ یہ تو ہر کس ناکس کا فرضدار ہے۔
 قصہ کوتاہ دو تین دن تک آپ کی مذمت اور اپنے آقا کی تعریف سے وہ میرے کان
 بھرتا رہا۔ اور چونکہ آپسے میری قدرے شکر بخشی بھی ان ایام میں تھی۔ گو اس لشکرِ بخی
 کا میکہ دل میں اتنا خیال نہ تھا۔ اس لئے میں عرامزادے نوکر کی زبان کے جادو
 میں پھنس گئی۔ اور اس مکار راسے صاحب کے ہاں گئی۔ یہ اُس روز سے جب میرا
 مجھے تین چار مرتبہ بلانے گیا تھا۔ اور جس دن بارش ہو رہی تھی۔ اور راسے صاحب
 کا نوکر مجھے بلانے آیا تھا۔ ایک دن پہلے کا ذکر ہے۔ جب راسے صاحب کے
 مکان پر پہنچی تو اُس نے مجھے بڑے زیور اور کپڑے اور نقد و جنس کھول کھول
 کر دکھانے شروع کئے اور کہا کہ جب جی چاہے جو نسی چیز درکار ہو لے جاؤ۔ یہ
 تمہارا اپنا گھر ہے۔ میں ہر روز جب حکم آوے برابر اُس کے ہاں پونجے جایا
 کرتی۔

اور آج بیس بائیس روز ہو گئے ہیں۔ کہ میں اس کی نوکری دے رہی ہوں
 مگر افسوس وہ نہایت ہی کمینہ نکلا۔ وہ تو کسی بھنگی کا جایا ہے۔ ہندو تو ہرگز نہیں
 آج رات جو میں گئی تو کیا دیکھا کہ اس کے پاس چار پانچ اور بھی تھوڑے بڑے
 بڑی موچھول اور واڑھیوں والے شخص بیٹھے تھے۔ مجھے بھی بٹھالیا۔ اور ایک
 کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یزصف صاحب ہیں۔ دوسرے کو ڈاکٹر صاحب بتلایا۔
 تیسرے کو سیٹھ صاحب بتلایا چوتھے کو پنڈت صاحب کہا۔ اور ان کی بڑی تعریفیں
 کرنی شروع کیں۔ سب کے سب شراب پی رہے تھے۔ مجھے بھی انہوں نے پینے کے
 لئے کہا۔ مگر میرے دل میں کچھ خوف سا نہ لگ گیا۔ اس لئے میں نے پہلے تو انکا کدوا
 کہ نہیں پینا۔ مگر اُسے صاحب نے میرے اپنے سے تھوڑا سا لے لیا کہ میں بھی پینا

اور مجھے جرّاً دقہراً شراب کا گلاس بلا دیا۔ سطح دو تین گلاس پلا کر مجھے انہوں نے بیہوش کر دیا۔ اور پھر مجھے خبر نہیں کر کیا ہوا اور کیا نہ ہوا۔ البتہ جب مجھے فریب چار بجے کے ہوش آئی تو میں کیا دیکھتی ہوں۔ کہ میرے سائے کپڑے اترے ہوئے ہیں۔ اور تین فرس پرنگی سنگی کھڑکیوں کے آگے پڑی ہوں۔ اور میرے سر ہانے ایک نوکر کھڑا میری طرف دیکھ دیکھ ہنس رہا ہے۔ ہوش آتے ہی میں نے کپڑے تلاش کئے اور اپنے بدن کو ڈھانکا نوکر سے میں نے پوچھا۔ کہ راتے صاحب کہاں گئے۔ تو وہ بولا کہ وہ تو سب ٹیڑھ گھنٹہ ہوا گیہوں میں بیٹھ کر شاہد رہ کو چلے گئے ہیں۔ وہاں آج دن بھر رہینگے۔ اور سیر و تنکار کے بعد کو واپس آئینگے۔ میں نے پوچھا۔ کہ وہ جو اور آدمی رات بیٹھے تھے وہ کون تھے۔ تو اس نے جواب دیا کہ ایک تو یہاں کا بڑا ڈاکٹر ہے۔ اور وہ موچیل والا تھا وہ یہاں کا ایک بڑا بھاری سیٹھ ہے۔ اور جو میڈٹ تھا۔ وہ ریل کا بڑا بالو ہے اور جو تھا ڈپٹی صاحب،۔ یا چھوٹا ڈپٹی ہے۔ اچھی طرح معلوم نہیں۔ ہوش آنے پر مجھے ان سب بد معاشوں کی شرارت کی خبر ہو گئی۔ اور میں ان کے مال و جان کو بغاؤں دینی گھر کو چلی آئی۔ راستہ میں میں نے آپ کی محبت کا خیال کیا۔ کہ کیا چین میں گذرتی تھی۔ نہ کوئی غم تھا۔ نہ تنکار۔ اور افسوس کیا کہ میں نے کس قدر غلطی کی۔ کہ آپ کو غواہ خواہ ناراض کر لیا۔ میرا دل سچا تھا۔ آپ سے ملاقات ہو گئی۔ اب میں آپ سے اس قدر عرض کرنا چاہتی ہوں۔ کہ میری اس داستان کو آپ بالکل بھول جائیں۔ اور خاک و اُبس ان بد معاشوں کے سر پر۔ میری کیفیت پر آپ کو ٹی لمبا۔ چوڑا منتقل نہ چھانٹئے گا۔ بلکہ بالکل اسے بھول جائے گا۔ جو میری تقدیر میں لکھا تھا میرے آگے آگیا۔“

اپنی مشورہ کی کہانی سن کر لالا صاحب جل بھن کر کوٹھ ہو گئے۔ کرتے تو کیا کرتے دانت پیسے۔ زبان کاٹنی ہونٹ چبائی۔ اور تینوں کی جان کو بڑا بے سوا

اور کیا ہو سکتا تھا۔

مہتاب سے کہا "تو کہا اُن برعاشوں سے اس حرکت کا قصاص نہیں لینا چاہیے"
مہتاب نے سر ہل کر کہا "کیا فائدہ؟"

لالہ صاحب "واہ! ہم تو اُن حرام زادوں سے جان تک لڑنے کو تیار
ہیں؟"

مہتاب نے یہ وہ اپنا کیتا رب تو بیان گئے

لالہ صاحب "مگر تم کہو گی کہ لالہ صاحب ہمارا اچھا دوست ہے۔ جو یہ
حال سنگر چپ رہا"

مہتاب "نہیں جی میں جو کہتی ہوں۔ کچھ فائدہ نہیں"

میر تک ان کی اس معاملہ پر بحث رہی۔ اور آخر اس بات کو نئے انحال نظر انداز
کیا گیا دن بھر لالہ صاحب کا روز عید کی طرح گزرا۔ لالہ اعلیٰ جی داس صاحب میں بڑی
خوبی تھی کہ شراب کا بہت کم استعمال رکھتے تھے۔ درز عاشق مزاج۔ اور پھر تماشین
ہو کر اس چیز سے اتنا کم انس۔ کیسے ہی صفت ہوتی ہے۔ مطابق پر مہر نگار بھی نہ تھے۔
جب کبھی دوستوں کی طرف سے پرلے درجہ کی تنگی ہوتی۔ تو ایک آدھ گلاس لے لیا
کرتے۔ درد الگ ہی رہتے تھے۔ مگر آج خواہ مخواہ طبیعت کراٹی۔ اس لئے ایک بی بی
کی بوتل منگالی تھی۔

جب مہتاب کی داستان ختم ہوئی تو دونوں نے غم غلط کرنے کی خاطر ایک ایک
گلاس کچھ برف ٹیبلہ بیونڈ ڈال کر پی لیں۔ وقت گزرتا معلوم نہ ہوتا تھا۔ جب تھوڑا سا
ہوا تو لالہ صاحب نے مسکراتے ہوئے پوچھا "مہتاب تو اتنی خوبصورت کیونکر ہو گئی؟"
مہتاب نے جواب دیا۔ "کیا خدا کو لوں ہی غلطی ہو گئی؟"

لالہ صاحب کھلکھلا کر منہ سے ایلوے "آہ مہتاب۔ یہ کیا ممکن ہو سکتا ہے"

کریں اور تو ایک دم بھر میں جدا ہو سکیں۔“

مہتاب: ممکن کیوں نہیں۔ آؤ کسے ترکھان نو چل کے کہئے۔ کہ سالوں سینیاں
لا کے جوڑ دئے۔“

مہتاب کی داستان ختم ہو جانے کے بعد سرور میں ایسے ایسے کئی ایک چوہل اور
چٹکے اڑانے رہے۔ اور لالہ علی داس صاحب نے بائیس تیس روز کے فراق کی خواہ
کسر نکالی۔ جب شام کے پانچ بج گئے اور لالہ صاحب اپنی محشوق کو ساتھ لئے غسل خانے
میں اٹھان کے لئے جانے لگے۔ تو میرا منوالا سا ہوا ہوا۔ ہاتھ میں ایک سفید سرکاری
لفافہ لئے کمرے میں داخل ہوا۔ اور بولا کہ ”دختر کا چہرہ اسی پہ لایا ہے۔ اور بولتا ہے
کہ بڑے صاحب نے دیا ہے کہ لالہ جی کو بولو بڑا ضروری ہے۔“

لالہ صاحب نے جھٹ پٹ کھول کر پڑھا۔ تو اس میں اپنے افسر کلاں کے ہاتھ لگا
لکھا ہوا ذیل کا حکم پایا۔

نزعہ

لالہ علی جی داس میرے نام ابھی حکم آیا ہے کہ آج رات کی گاڑی میں جہلم جا کر
وہاں کے حساب کتاب کا معائنہ کروں۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔ بی۔ سی۔
جب پڑھ چکے تو میرا بولا کہ ”مہاراج وہ چہرہ اسی جواب مانگتا ہے۔ کہتا ہے
صاحب نے بولا تھا۔ اسکا جواب چاہئے۔“

مہتاب: کی ہنگامے جی۔؟

لالہ صاحبؔ ہے“

یہ دودل کو یک جا بیٹھاتا نہیں
کسی کا اسے وصل بھاتا نہیں

مہتابؔ فر بھی کیا ہیگا؟ خیر تو ہے نہ“

لالہ صاحبؔ ”بڑے صاحب کا حکم ہے کہ ہمارے ساتھ آج رات جہلم
تک چلو۔ وہاں معلوم ہوتا ہے۔ کچھ غبن ہو گیا ہوگا“
مہتابؔ ”تو پھر؟“

لالہ صاحبؔ ”بس لکھ بھیجتا ہوں کہ نوکری رکھو اپنے گھر میں۔ ہم سے
نہیں جایا جاتا مائے تجھ کو چھوڑ کر میں کہاں جاؤں؟“
مہتابؔ ”نہ ایسا کرنا۔ نوکری کے ساتھ ہی سب کچھ ہوندا ہے“
مہتاب کی ملی جلی ہندوستانی اور پنجابی باتیں لالہ صاحب کو بڑی بیٹھی معلوم
ہوتی تھیں فوراً پلنگ سے اٹھ کر مہتاب کے پاؤں پکڑ لئے اور اس کے سامنے
دو زانو ہو کر بولے ”خدا کے واسطے تم بھی چلو“

مہتابؔ ”لیکن یہ گھر والے کیا کہن گئے“
لالہ صاحبؔ ”اجی رہنے بھی دو۔ تم کو اُن سے خوف ہی کیا ہے“
مہتابؔ ”ہائے۔ ہائے۔ میرا خاوند مرنے والا ہیگا۔“

لالہ صاحبؔ ”تو چلو اچھا ہے۔ نہ پھر واپس آنے تک مرجائے گا“

اسپر مہتاب بھی اور لالہ صاحب بھی خوب کھلکھلا کر منہیں پڑے۔ لالہ صاحب نے
جسٹ میز پر سے قلم اٹھا کر قعدہ کی پشت پر لکھ دیا کہ ”حکم کی تعمیل میں کچھ مجھے عذر نہیں“
اور چپراسی کو جواب دیا۔ ”جوں توں کر کے مہتاب کو منالیا اور قعدہ کو تباہ تو نہجے رات کے
یہ اپنی معشوقہ کو مردانہ لباس پہنا کر اپنے ساتھ لئے مکان سے نکل پڑے دلیں بجا

کر پڑے اسٹیشن پر سے سوار ہونے میں یہ وقت ہوگی۔ کہ کوئی نہ کوئی مہتاب کو پہچان
لیگا۔ چلو بادامی باغ سے سوار ہوں گے۔

صاحب بہادر کو معلوم تو ہو ہی گیا ہے۔ کہ ہم اس کے ساتھ چلتے ہیں۔ بس حمل
میں پہنچ کر اس سے مل لینے چنانچہ مہتاب کو ساتھ لٹے بادامی باغ کو پیادہ پا چلیے۔
آگے آگے بٹھے۔ اور پیچھے میرا ان کا ہنرا اٹھائے آ رہا تھا۔ جب اُس مقام پر پہنچے
جہاں قلعہ کی دیوار کے نیچے سوا بادامی باغ اسٹیشن کو علیحدہ طرح نکلتی ہے۔ اور جہاں
ایک چمکی محکمہ چوکنگی کی ہے اور سامنے واٹر ورکس کا انجن گھوم کھائی دیتا ہے تو دو گھیل
کھڑی دیکھیں۔ اگلی گلی پر دو۔ اور پچھلی پر تین دیسی جنگلہیں سوار تھے۔ ان کے
ہاتھ میں بندو قیں تھیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ کہیں سے شکار کھیل کر آئے
تھے۔ بیویوں کو ایک انگریز روکے کھڑا تھا۔ اور وہ ان دیسی شرفا سے انگریزی
زبان میں پوچھ رہا تھا۔

تم میں سے کس نے گولی چلائی۔

اس سوال کے پوچھنے پر لاالعلی داس صاحب نے اپنی معشوقہ کے ماں پہنچ گئے
تھے گئی سواروں میں سے ایک بولا۔

ہم سب نے جناب۔

صاحب

یہ تو نہیں ہو سکتا۔ تم تو پانچ ہو اور میں نے صرف دو فیرو تھے مہتاب بہادر
ابھی یہ الفاظ کہہ ہی چکے تھے۔ کہ ایک شخص اُسی سڑک پر دوڑتا ہوا آ کر گلی کے پیچھے
کھڑا ہو گیا۔

صاحب بہادر گھوڑے پر سوار دریا کی طرف منہ کئے کھڑے تھے۔ اور گئی سواران

شہر کی طرف سے یعنی مستی دروازہ کی طرف رخ کئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ گلیاں۔
اغلیا گشتیوں کے پل کی طرف سے اُسی تھیں۔ اور صاحب بہادر اس طرف جا رہے تھے
صاحب بہادر نے اپنے سوال کا جواب نہ پا کر ایک نہایت ہی مدیع لہجہ میں پھر پوچھا۔

اگر تم مجھ کو یہ نہیں بتاؤ گے کہ یہ کیا تھا۔ تو میں تم سب کو گمراہ کر دوں گا۔ ابھی
سواران ہکے بکے رہ گئے۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ آخر ایک بولا۔

یعنی اس بھی ایک مجھڑیٹا ہوں۔ ہر بانی کر کے کرختی نہ کیجئے۔ ہم آپ کا مطلب
نہیں سمجھتے۔

صاحب بہادر بولا۔

مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ تم کون شیطان ہو۔ لیکن تم نے کسی کو ابھی مار ڈالا ہے۔ میں نے
اپنے درپے قد شاک کا آواز سنا۔ اور سوائے تمہارے اور کون تھا؟
تجربہ سے کون سے صاحب بہادر آتا تھا۔ کچھ زیادہ پالنے کے پاس

بھی آپہنچے۔ آتے ہی انہوں نے صف باندھ کر صاحب بہادر کی بڑے باقاعدہ اور
مودبانہ طور پر سلامی اتاری۔ صاحب بہادر نے سپاہیوں کے سلام کا جواب دیکر ان سے
پوچھا۔

”دل کون گھاڑو“

ان سپاہیوں کا سارجنٹ آگے بڑھ کر اور ماتھے تک باقاعدہ ہاتھ بیجا کر بولا
”سستی دروازہ گھاڑو حضور“

صاحب ”دل۔ کون گشت پر جاتا ہے؟“
سارجنٹ ”بادامی باغ اسٹیشن گشت خداوند“

صاحب ”کیا نام ہے تمہارا؟“

سارجنٹ ”فتح سنگھ۔ خداوند“

صاحب ”تم ہمکو جانتا ہے؟“

سارجنٹ ”ہاں غریب پرور۔ حضور ہمارے ڈپٹی کمشنر ہیں“

جی سوار جبرت زدہ رہ گئے کہ اسے ایہ تو برا ہوا۔ ان کی آن میں ان کے دل
میں تلوار کے خیال گزرتے لگ گئے۔ بعد اگلی بجی والے تینوں جنٹلمین فوراً نیچے
اتر آئے اسی انہوں نے باری باری صاحب بہادر کو سلام کیا۔ چاند کی چاندنی تو بخفی
ہی۔ نزدیک جاتے ہی صاحب بہادر نے ان تینوں کو پہچان لیا۔ لیکن بکھر بھی نہیں
بجسیں ہر کوئی پوچھا کہ یہ کیا بات تھا۔ ہم نے ابھی سنا۔ ڈوگولی کا آواز ایسا جیسا
پستول کا آواز موافق۔ آپ لوگ کدھر سے آیا“

ان میں سے ایک نے انگریزی میں جواب دیا کہ ”حضور ہم تو آج صبح سے شاہ پورہ کو
شکار کے لئے گئے تھے۔ وہاں سے اب واپس آرہے ہیں۔ شاید ٹیمیل کے چلنے کی
آواز کے باعث ہم نے تو کوئی گولی کا آواز نہیں سنی“

صاحب دہندوستانی زبان میں، "لیکن تم۔ لیکن آپ بولا کہ ہم سب گولی چلائیے۔
 ویسی جٹلمیں" حضور ہم نے سمجھا تھا۔ کہ حضور نے ہمارے شکار کی گولیوں کی
 بابت دریافت کیا ہے۔ اس لئے میں نے انگریزی زبان میں عرض کی تھی کہ ہم سب نے
 فیر چلائے تھے۔"

پچھلی بی والے دونوں شخص گئی پر ہی بیٹھے چپ چاپ یہ باتیں سنتے رہے مگر
 ان کے ساتھ ایک اور تماشہ ہوا یعنی وہ شخص جو دریا کی طرف سے اسی سڑک پر جس پر
 گئیاں کھڑی تھیں دوڑتا ہوا آکر پھلی گئی کے پیچھے کھڑا ہو گیا تھا۔ جو ہیں گئی کے
 پاس آکر کھڑا ہو کر دم لینے اور سانس بھرنے لگا۔ پہچان گیا۔ اور پھلی گئی والوں نے
 حیران ہو کر اس سے آہستہ آواز سے پوچھا "آپ کہاں سے دوڑے آئے ہیں؟"
 اس نے بھی ہونٹوں ہی میں گنگنا کر جواب دیا کہ "یوں ہی" "واک" "کرنے گیا تھا۔"
 اس پر ان ہی دونوں سواروں میں سے ایک نے جھک کر کہا "تو آئیے سوار ہو جائیے"
 وہ بولا نہیں نہیں۔ آپ تشریف رکھئے۔ میں تو اسٹیشن کو جا رہا ہوں۔"
 گئی سوار کیوں؟ خیر تو ہے۔"

اس نے جو بریائیاں خبریت ہے کل راولپنڈی میں میرا لکچر ہے اور اس لئے
 میں دوڑا چلا آ رہا ہوں۔ تو کر آگے چلا گیا ہے۔ اور مجھے ڈر ہے۔ ریل آجائے اور وہ
 نالائق کہیں سوار ہو جائے اور میں رہ جاؤں۔"

ناظرین!

یہ مسٹر قاسم علی بلو تھے۔ جو پستول کی پے در پے دو شٹک کا آواز سنکر اور کسی
 سے آواز بلند گالیاں عمار پر پٹ کے آموں کے نیچے سے بھاگے آ رہے تھے۔
 اگلی گئی والے تو ڈپٹی تتر صاحب سے ہمکلام تھے۔ اور پھلی والے مسٹر بلو سے۔
 بلو نے پوچھا کہ "کون جی۔ یہ کس ماجرا سے ہے۔"

پچھلی گلی پر ایک تو ڈاکٹر صاحب سوار تھے۔ اور دوسرے ایک صاحب تھے جو شاید بفضل میں کہیں منصف تھے۔ یا کیا تھے۔ ہم اچھی طرح نہیں کر سکتے۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا: ”ڈپٹی کمشنر آگے سے مل گیا ہے۔ کتاب کے کرم میں سے کسی نے کسی پر بندہ بیستول کے فیر کئے ہیں“

بلخی: ”مگر وہ غیر تو مجھ پر کسی نے کئے ہیں۔“

ابھی بلخی صاحب اپنی بات کو ختم کرنے نہیں پائے تھے۔ کہ منصف صاحب نے

انہیں بند کر دیا اور کہا ”چپ چاپ ارے یہ کون۔“

خاموش ہو کر سنا تو کوئی شخص ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر کے آگے ہاتھ جوڑ کر اس طرح عرض کر رہا تھا کہ ”ججور ایہ سارے بڑے ظالم ہیگے نے۔ ان شخصوں نے جو میرے نال ساری رات کیا میسکا۔ ججور اسدا انصاف کرو۔ میں اینہاں می تلاش ج مراد بکھیں بد کے نکلی ہوئی آں۔ ایہ لوگ میرا زور اتار کر آج سویرے سے شاہدے چلے گئے ہوئے سے۔“

ڈپٹی کمشنر: ”ٹم کون ہے۔“

یونے والا۔ میں غریب عورت ہاں۔ میرا نام مہتاب بیگم ہے۔“

مہتاب بیگم کی آواز سن کر مسٹر بلخی بھی آگے بڑھ کر صاحب بہادر کی بائیں جانب ایک درخت کی آڑ میں چھپ کر کھڑے ہو گئے۔ قضا مہتاب بیگم نے انہیں پہچان لیا اور پیشتر اسکے کہ صاحب بہادر کچھ اور پوچھتے وہ پھر بول پڑی۔

خداوند۔ اینہاں کو لون بچھو ایو۔ ایہ مولوی صاحب بھی ہماری گلی میں رہتے ہیں۔
ڈپٹی کمشنر: ”کون مولوی صاحب؟“

مہتاب بلخی کی طرف اشارہ کر کے ”ایہ مولوی صاحب“

ڈپٹی کمشنر بلخی سے ”ٹم کون ہے؟“

بلخی "میں حضور کا غلام ہوں میرا نام قاسم علی بلخی ہے۔ میں دین اسلام کا ایک
واعظ ہوں"

ڈپٹی کمشنر "دل یہ عورت آپ کا ساتھ ہے؟"

بلخی "ہرگز نہیں۔ . . ."

بلخی صاحب اور بھی کچھ کہنے لگے تھے۔ کراتے میں بچھلی گئی پر سے ڈاکٹر صاحب
اتر کر آگے آگئے۔ اور صاحب بہادر کو جھک کر سلام کرنے کے بعد انگریزی زبان میں
بولے کہ "جناب عالی یہ ہمارے ایک لایق لکچرار ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ جن ہسپتال
کی گولیوں کی آواز کی بابت حضور دریافت کر رہے ہیں۔ وہ ان پر کسی نئے ابھی
چلائی ہیں۔ اور یہ صاحب بمشکل جان بچا کے چلے آ رہے ہیں۔!!"

ڈپٹی کمشنر (بلخی سے) کیا بات ہے۔ کس نے گولی ماری؟

بلخی معلوم نہیں جناب۔ کون تھا۔ مگر۔ . . .!!"

بلخی صاحب کچھ اور بھی کہتے مگر اتنے میں کسی عورت کے اندر سے چیخنے کی آواز آئی
سب کان لگا کر اور چپ ہو کر سنا تو کوئی عورت پرٹیک کے میدان میں سے رد و کر پکاری
تھی "مولوی جی۔ ہاے میرا اللہ۔ مولوی جی۔ میں مر گئی۔ میں لٹی پٹی گئی"
صاحب بہادر نے پولیس والوں کو زد و کوب سے کہا۔ "بھاؤ۔ دوڑو۔ کون ہٹا
فتح سنگھ دوڑو جلدی"

پولس والے جھٹ دوڑ گئے اور ان کی آن میں وہ ایک عورت کو لے آئے۔ کچھ
صاحب جان تھی۔ پولیس کے سپاہی جوا سے دھڑاتے ہوئے ساتھ لائے وہ آتے ہی ایف
پھر عرش کھا کر ڈپٹی کمشنر صاحب کے گھوڑے کے آگے گر پڑی۔

ڈپٹی کمشنر صاحب نہایت ہی خداترس اور ایک مینظیر عامل شخص تھے۔ انہوں نے
بڑی مہربانی اور شفقت سے اپنی جیب میں سے اپنا رد مال جو ایک تیزخو شہو دار لیونڈر

سے پُرسنما نکالا۔ اور وہاں ہمارے صاحب جان کے منہ پر رکھا۔ اور اسے غش سے بیدار کیا۔ جب وہ ہوش میں آئی تو مولوی بھٹی صاحب کی طرف دوڑی۔ اور انکی عین شکل میں کھڑی ہو کر رونے لگ پڑی۔ صاحب بہادر نے مولوی صاحب سے پوچھا۔
 "یہ عورت کس کا ہے؟ آپ کا؟"

مستر بھٹی نے نہیں جواب دیا۔ میں اسکو پہچانتا بھی نہیں۔
 "ڈپٹی کمشنر" دل فتح سنگھ تم جانتا ہے۔ یہ عورت کون ہے؟
 فتح سنگھ دانتھے پر ہاتھ رکھ کر "خداوند یہ کجری ہے۔ یہ وہی کجری ہے۔
 صاحب جان جسکا نام ہے اس جس پر قتل کا مقدمہ ہوا تھا۔ اور جسکو چھوٹے صاحب نے
 جو حضور کی رخصت کے ایام میں حضور کی جگہ کام کرتے تھے سیشن سپرد کیا تھا۔
 "ڈپٹی کمشنر" اویس۔"

(صاحب جان سے مخاطب ہو) دل تم کیوں روتا ہے؟
 صاحب جان خداوند میں اپنے دوست (اشارہ مولوی صاحب کی طرف کر کے) کے نال راوی پٹری جاتی رہتی۔ جب اس پر پٹری آئے تو حور کے سنے
 ساقوں بندوق ماری۔ میں غش کھا کے ڈگ پڑی۔ اور سمجھا کہ شاید مولوی مارا گیا
 غیر مینوں نہیں ہوش ہی۔ تھے میرے کوئی سارے زیور اتار کر لے گئے۔ تاک
 میراں مر گیاں رہ گئیں۔"

صاحب جان زار زار روتی تھی۔ اس کے ہوش حواس سب بگڑے ہوئے
 تھے۔ اور وہ دلیوانی سی ہو رہی تھی۔

ڈپٹی کمشنر صاحب یہ وقوعہ دیکھ کر گھبرا گئے۔ اور وہ کچھ سوچ کر فتح سنگھ کو کچھ
 حکم دینے لگے تھے۔ کہ مہتاب بیگم بول اٹھی۔ "حجور! یہاں بگیاں دایاں ای گولیاں
 مار کے اسنو لٹیا ہونا اس (دروکر) اینہاں میرے نال وی ایسا ہی ظلم کیا اسے۔"

ٹھٹھی کشتہ صاحب نے بونیس والوں کو حکم دیا کہ ان سب کو کپتال صاحب کے بیگ پر
اسی وقت سے بوجاؤ۔ ہم اپنے بیگ پر جا کر صاحب کو چٹھی لکھ سنا ہے۔ تم کو ڈال کو خبر کرو
اس بات کا نتیجہ ات جلد ہی آکر دے لیکن یاد رکھو۔ یہ سب لوگ بڑا بڑا آدمی ہے تم نے
اگر کسی کو رشوت لے کر چھوڑ دیا۔ ہم تم کو قید کر ڈے گا۔

یہ حکم دیکر صاحب بہادر گھوڑے کو ایڑی لگانے لگے۔ مہتاب نے ادھر ادھر
دیکھ کر لالہ اعلیٰ داس صاحب تارڑ سے سمجھائی کہ لالہ صاحب بوجہ کار سرکار جہلم کو چلے گئے
دل میں کہا اچھا کیا۔ اور دعا کی کہ خدا اس کی عزت رکھے۔

واہ رے بادشاہی باغ اسٹیشن !!!



تیسرا حوال باب

”کیوں صاحب اس میں یقار مروت کا کیا تصور ہے“

۱۸۷۲ء کے ماہ جنوری کی ایک ٹھنڈی رات کو کہ جب لاہور کے جفاکش باشندگان
 کیا بیٹھے اور کیا بالودن بھڑکی محنت سے تنگ گرا اور کھانا دانا کھانی کر آگ پھوٹنے کے پاس
 سلگائے اپنے بال بچوں کو سلا بٹھلا رہے تھے۔ اور جاڑے کی شدت سے ”سی سی“ کہتے درود
 اور سوراخوں کو بند کر کے ہوا کو خیر باد کہہ رہے تھے۔ اس وقت یا تو کالجوں اور سکولوں کے
 نوجوان طالب علم خواہ بورڈنگ ہوس میں خواہ اپنے مکانات پر اپنی درس کی کتابوں سے
 مغموم رہے تھے۔ یا ایک عمر رسیدہ یورپین جنٹلمین سٹرگٹ ہارٹ تھے۔ جو لاہور کے
 ایک نامی گرامی بنگالی بیفارم سے شراب نوشی کی برائیوں پر چٹا خے دار گفتگو کر رہے
 تھے۔ سٹرگٹ ہارٹ دنیا کے کسی دور دراز ملک سے تازہ تازہ پنجاب میں آئے تھے۔ اور
 اور اس وقت لاہور کی انارکلی میں ایک بنگالی جنٹلمین کے ہاں فروکش تھے۔ یہ بنگالی صاحب
 پنجاب کی سوسائٹی کے ایک چمیدہ بلکہ سرگزیدہ لیڈر اور دیفارم تھے۔ دہلی صاحب
 آپس میں خطوط کے ذریعہ تو مدت سے دوست تھے۔ مگر اصالتاً ملاقات دو چار دن سے
 ہی نصیب ہوئی تھی۔ اس ات کو گفتگو یہ درپیش تھی کہ کسی طرح لاہور میں ایک مستقل
 سوسائٹی ایسی قائم کی جائے۔ جو پنجاب کی سوشل حالت کو سدھالنے میں ہمیشہ سامعی
 رہے خصوصاً انوجوانوں میں شراب پینے کی عادت کو بھیلنے سے روکنے کے ہر وقت
 درپے رہے بڑی لمبی چوڑی اور مدلل گفتگو کے خاتمہ پر سٹرگٹ ہارٹ نے اپنے بنگالی دوست

سے انگیزی زبان میں کہ جس میں ان دنوں کی بات چیت ہو رہی تھی۔ کہا کہ اگر وہ کچھ
کل ہی ایک میٹنگ کریں۔

بنگالی۔ بہت اچھا۔ کل ہی سی۔ میں ہر طرح حاضر اور راضی ہوں۔

صاحب۔ لیکن ایسا انتظام ہونا چاہئے کہ لاہور کے عائد اور وساجع ہو جائیں۔

بنگالی۔ میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اٹھانا نہیں کہوں گا۔ آئندہ دیدہ بلیہ
صاحب۔ تو پھر کاغذ اور قلم لائیے۔ اور مجھے بڑے بڑے آدمیوں کے ہیوت نام لکھوائیے۔
بنگالی۔ تو پھر آپ کیا کریں گے۔

صاحب۔ اچھی رات تو اپنی ہے۔ میں اسی وقت انکے نام رقعات میں لکھ ڈالتا ہوں۔
بنگالی۔ ہاں بہتر ہے۔ اور آپ کے دستخطی رقعوں پر ابھی سب کے سب جائینگے۔

صاحب۔ اور آپ بھی ایک کام کریں۔ اور وہ یہ کہ ایک شہنشاہ بھی اسی وقت لکھ ڈالے۔
بنگالی۔ بہت بہتر۔

لکھنے کا سامان موجود ہو گیا۔ اور یہ دونوں رفیق جن کے رگ وریشہ میں قومی ہمدردی
اور ملکی خیر خواہی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ لکھنے بیٹھ گئے۔

سرگمہارٹ نے بنگالی جنٹلمین کے بتکانے پر ذیل کے اصحاب کو کل کی میٹنگ
میں رونق افروز ہونے کے لئے منتخب کر کے مدعو کیا۔

(۱) لاہور گنگارام صاحب ٹھیکہ دار۔ (۲) لاہور رام کشن صاحب پلیڈر۔

(۳) لاہور سیرج صاحب۔ (۴) لاہور پرنٹ برجر جیون ناتھ صاحب مترجم چٹکوت۔

(۵) لاہور ملک رام صاحب میونسپل کمشنر۔ (۶) لاہور بھیم سین صاحب پشتر۔

(۷) لاہور نصیر اللہ صاحب سوداگر۔ (۸) لاہور نرنجند اس صاحب اکوٹھٹ۔

(۹) لاہور ڈاکٹر شرف الدین صاحب۔ (۱۰) لاہور مرزا افضل حسین صاحب محکمہ ریلوے۔

(۱۱) لاہور پرنٹ رتن ناتھ صاحب۔ (۱۲) لاہور لعل علی صاحب اکوٹھٹ۔

(۱۳) مولوی یوسف خان صاحب پروفیسر (۱۴) لالہ پیارے لال صاحب۔

(۱۵) سید محمد رام داس صاحب۔

جب اس نے نام لکھے چکے تو صاحب بہادر نے پوچھا کہ ”کیا یہ سب اشخاص یکساں ہمت کے آدمی ہیں؟“ ہاں مومن چند باغیجی نے (یہ نام تھا اس جنگلی جنگلیں کا) جواب دیا کہ ”جہاں شک میرا ان لوگوں سے واسطہ پڑا۔ میں نے تو انکو ہمیشہ قومی حالت میں بڑا جوش ظاہر کرتے ہوئے دیکھا۔“

صاحب ”لیکن خیال میں مجھے بہت سی جگہوں پر ایسے اشخاص سے ملنے کا موقع ملا۔ جو ظاہر تو بڑے ریفارمر معلوم ہوئے مگر ان کے باطن کا حال ناگفتہ بہ تھا۔“ مومن چند رتہ ہو گا۔ لیکن لاہور میں تو میں یہی لوگ ہیں۔ جو بڑھکر نام اور عزت ہیں ”صاحب“ تو میں اس بات پر بحث نہیں کرتا۔ میں نے یوں ہی پوچھا تھا۔ میں تو خود چاہتا ہوں کہ بیشک میں خاکسار ہی اشخاص کو مدعو کیا جاوے جو خیر ہوں مومن چندر ”ٹھیک ہے۔“

صاحب ”اچھا تو اور کوئی کس؟“

مومن چندر ”دو ایک گرتہ بچوٹ کو بھی بلا لیں؟“

صاحب ”بیشک ضرور۔“

مومن چندر ”تو پھر کھ لیجئے۔ سٹر شام لعل ایم۔ اے۔ اور دیوان دینا ناتھ۔ اے۔“

صاحب ”اور آریہ سماج کے لوگوں میں سے بھی دو چار کو بلا لیں۔“

مومن چندر۔ (جیسے جیسے ہو کر) ”وہ لوگ نہیں آئینگے۔“

صاحب ”کیوں؟“

مومن چندر ”ایک مدت سے کہ آج کل سوامی دیانند سرتی یہاں آئے

ہوئے ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ وہ لوگ براہم سماج میں شاید آویں
یا نہ۔“

صاحب : ”تو ہم ٹینگ براہم مندر میں متفق ہی نہیں کریں گے۔“
موہن چندر : ”تو پھر اور کونسی جگہ؟“
صاحب : ”ہاں کیوں نہ کریں۔ جہاں مجھے آپ پرسوں لے گئے تھے۔ وہ
شہر کے بیچ میں۔“

موہن چندر : ”کیا آپ کا مطلب باولی صاحب کے میدان سے ہے۔“
صاحب : ”ہاں شاید یہی نام اس جگہ کا آپ نے بتلایا تھا۔ وہ جہاں سکھوں
کا کوئی استھان ہے۔“

موہن چندر : ”ہاں وہی باولی صاحب۔ اچھی بات وہ بھی عمدہ جگہ ہے۔“
صاحب : ”تو پھر سوامی دیانند سرسوتی کو ہی کیوں نہ مدعو کریں۔ وہ میرا
اچھا دوست ہے۔“

موہن چندر : ”وہ تو اپنے بجا فرمایا۔ مگر پھر یہ مشہور ہو جائیگا کہ اس ٹینگ کا
بانی وہی ہے۔“

صاحب بہادر : ”کچھ دیر خاموش ہے اور دل ہی دل میں کچھ سوچتے رہے
آؤ لیکن کہ ”اچھی بات۔ مگر آریہ سماج کے لوگوں کو بلانا ضرور چاہئے۔ علاوہ اسکے
کہ سچن سرسائی کے جنٹلمین بھی آئیں تو بہتر ہو۔“

موہن چندر : ”اچھا تو آریہ سماج کے چار آدمیوں کے نام لکھ دیجئے۔“
صاحب (قلم اٹھا کر) ”فرمائیے۔“

موہن چندر : ”لالہ مادہو داس۔ لالہ چرن داس۔ پنڈت دھن راج۔
بالو گوتم سنگھ۔“

صاحب ”کر سچن سو سائٹی کے دو چار نام بھی لکھوا دیجئے۔“
 موہن چندر نے لکھ لیں۔ پادری جان رابرٹ۔ پادری شارپ ہیڈ مسٹر
 ٹی سی گھوش۔“

صاحب (مہنٹوں میں گنگا کر) ”اور براہم سماج کے نوسب لوگ آئیں گے۔“
 ناظرین

ان دونوں غوی مجسم دوستوں نے موسم سرما کی میٹھی نیند۔ قومی بہمدی کی خاطر
 آنکھیں کٹی۔ اور صبح ہوتے ہوتے ادھر مسٹر گڈ ہارٹ نے نو کئی کوڑیاں دعوتی رقعوں کی
 لکھ ماریں۔ اور ادھر مسٹر موہن چندر رانجی نے کئی کوڑیاں اشتہاروں کی تیار کر دیں
 ہمت ہو تو یہ۔ جوش ہو تو یہ۔ ایسے بھلے آدمی کیوں نہ دنیا کے لئے مبارک گئے جائیں
 جب پچھلی رات کے ٹھیک چار بجے۔ تو یہ دونوں فرشتہ سیرت ریفارم دستوں
 پر جا کر لیٹے۔ اور پھر سات بجے اٹھ کھڑے ہوئے۔ غسل وغیرہ سے فراغت
 پا کر مسٹر گڈ ہارٹ۔ نو کپڑے پہنتے ہی کہیں جانے کو تیار ہو گئے۔ اور بابو صاحب
 یاد الہی میں بیٹھ گئے۔ صاحب بہادر ایک کرایہ کی گجھی لئے سیدھے ڈسٹرکٹ
 سپرنٹنڈنٹ پولیس کے بنگلے پر پہنچے۔ اپنا کارڈ اندر رکھیا۔ اور کپتان صاحب
 پولیس سے ملاقات حاصل کی مسٹر گڈ ہارٹ نے افسر پولیس سے درخواست
 کی۔ کہ چونکہ میں شہر کے عین درمیان بابولی صاحب کے مکان میں آج شام
 کو ایک کچر دینا چاہتا ہوں۔ جسکا اشتہار یہ ہے۔ اسے پڑھ لیجئے۔ اس لئے
 براہ مہربانی شہر و غل وغیرہ کے انتظام کے لئے اگر وہاں پانچ دس کنسٹیبل بھیجیں
 تو میں انھیں مشکور ہو گا۔

ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس ٹری خاطر سے پیش آئے۔ انہوں نے مسٹر گڈ ہارٹ
 کے لئے چار سنگوائی تعظیم کی اپنے فیملی ممبروں سے ان کی ملاقات کرائی۔

اور دیر تک اپنے ہاں بٹھائے رکھا۔ عند الکشف مٹر لکچر ارنے لاپور کے اُن دروازے
اور عائد کے ہم لئے جنہیں یہ رفعت بھیج آئے تھے۔ اور کہا کہ اگر آپ بھی مٹنگ
میں چکر و نفی فروز ہوں۔ تو کیا ہی خوب ہو ۹۹

کپتان صاحب۔ مسکرا کر بولے مٹر گڑھا رٹ۔ اگر آپ کی مٹنگ کے ارکان
یہ لوگ ہیں جن کے نام آپ نے میرے سامنے ابھی لئے ہیں۔ تو بس آپ کی کامیابی میں
سرفروزی نہیں۔ بلکہ آپ کے کچھ دینے کی ضرورت ہی نہیں ۱۰۰

مٹر گڑھا رٹ نے حیران رہ کر پوچھا۔ وہ کیسے؟ کیونکر؟ آپ کا کیا مطلب ہے؟
کپتان صاحب نے کہا۔ آپ کی فہرست کے پہلے بارہ نام تو اُن لوگوں کے ہیں
جن کے اعمال ناموں سے میرا روزنامہ ہر روز سیاہ ہوتا ہے۔ دو درکیوں جاؤ۔ ابھی تھپے
اگست کا ہی تذکرہ ہے۔ کہ ڈپٹی کمشنر صاحب ایک رات شہر کی گول سڑک پر چکر لگا
پے تھے۔ کہ انہوں نے قلعہ کے پاس بندوق یا پستول کی پے پے دنیا بول
کی آواز سنی۔ انہوں نے گھوڑے کو بڑی لگائی ہی تھی۔ کہ انہیں سامنے سے
یعنی اسی طرف سے جدھر سے یہ آواز آئی تھی۔ اسے بچنا تھا صاحب۔
چند رفقاء کے جن میں ایک تو بینڈت رتن ناتھ دوسرے سیٹھ رام داس۔ تیسرے
مفصل کے ایک ڈبسی مجسٹریٹ اور چوتھے یہاں کے ایک ڈاکٹر تھے۔ بیویوں پر
سوار اور بندوقوں سے مسلح مل گئے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے انہیں روک لیا۔
اور ابھی وہ بندوق کی آواز کی بابت ان سے کچھ پوچھ ہی رہے تھے۔ کہ ایک عورت
مردانہ بھیس میں کہیں سے وہاں آ پہنچی اور اس نے اسے صاحب اور اُن کے
ہمراہوں کے برخلاف ڈپٹی کمشنر صاحب کے آگے رو رو کر فریاد کی ان لوگوں
نے گزشتہ شب کو اسے اپنے مکان پر بلا کر علاوہ اس کے ساتھ بد معاشی کہنے کے
زیورات بھی اتار لئے۔ ابھی وہ عورت فریاد کر رہی تھی کہ پرید کے میدان میں سے

کسی کے رونے کی آواز آئی ڈپٹی کمشنر صاحب کو خوش قسمتی سے میری پولیس کی ایک
 کارڈ روڈ پر جاتی وہاں مل گئی۔ چنانچہ ان سپاہیوں کے ذریعہ ڈپٹی کمشنر صاحب
 نے رونے والے شخص کو منگایا۔ دیکھا تو وہ لاہور کی ایک طوائف تھی اور وہ
 اتنے ہی ایک شخص کے گلے چمٹ گئی۔ جو رائے بیج ناتھ کی بیگی کے پاس
 بٹرک پر کھڑا تھا۔ اس شخص کو سچا ناتھ کے دوستوں نے ایک لکچر اور بتلایا۔
 جب ڈپٹی کمشنر نے اس سے پوچھا کہ عورت کون تھی؟ تو وہ بولا کہ وہ اُسے جانتا
 بھی نہ تھا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے ان سب لوگوں کو سپاہیوں کی زیر نگرانی رات کے
 دس بجے کے قریب میرے بنگلے پر بھیج دیا اور مجھے ایک چھٹی لکھی جس میں اُنہوں نے
 یہ حالات جو میں نے آپ کے بیان کے مفصل لکھے اب میں نے اپنی تحقیقات شروع
 کی تحقیقات کے وعدہ نہیں میں نے حسبِ ایلایا ڈپٹی کمشنر ان لوگوں کی عزت کا
 بیشک بہت خیال رکھنے لگے بعض اوقات مجھے سختی سے بھی کام لینا پڑا۔ آپ جانتے ہیں
 کہ دو لقمہ تو یہ لوگ ہی اتارے تھے وہ دونوں عورتوں کو کچھ بے دلاکر شہادت کو
 بگاڑ دیا۔ مگر میرا خیال بلکہ یقین ہے کہ ضرور ان لوگوں نے اس طوائف کے زیور
 اوتارے۔ اور اسے ہلاک بھی کرنا چاہا کیونکہ ڈپٹی کمشنر کے روبرو ہر موقعہ اس طوائف
 نے صاف کہا تھا کہ میرے سارے زیور کوئی اوتار لے گیا اور مجھ پر کسی نے
 بناوق چلائی تو کو بعد ازاں وہ نہ کر سکی دوسری عورت کی فریاد بھی بالکل
 سچی تھی۔ جو اُس نے ڈپٹی کمشنر صاحب سے سڑک پر کی مگر میری تحقیقات
 میں ان لوگوں نے مجھے کسی وقت پر ہرگز پہنچنے نہ دیا۔ ایسی حالت میں اندیشہ
 اس لئے کہ ان لوگوں نے ڈپٹی کمشنر صاحب کے بنگلے پر جا جا کر انہیں تنگ کر دیا
 آخر مجبوری میں ان کو چھوڑ ہی دینا پڑا لیکن میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اگرچہ
 ذرا بھی ثبوت ملتا تو میں انہیں کبھی سوکھ نہ جانے دیتا۔ ان پر معافوں نے

مجھے بھی کوئی ایک لالچ دیئے۔ مگر خدا کے فضل سے میں بچا رہا ہے باقی آدمی جو
نام آپ کی فہرست میں درج ہے وہ ایک ایک سے بڑھک رہا ہے۔

ڈاکٹر شرف الدین ان میں ایک یہ شخص ایک دفعہ اپنے سارے کے ساتھ
سواہات کرتے ہوئے میسرہ سپاہیوں کے قابو آ گیا۔ مگر شہادت کافی نہ ہونے کی
وجہ سے مجھے اسے چھوڑنا پڑا ایک لالہ گنگا رام ٹھیکہ دار ہیں۔ ان کی جود ایک دن
کسی کے ساتھ بھاگ گئی۔ مجھے رپورٹ تو وہ دے گئے۔ مگر پھر شاید اپنی عزت
کے لحاظ سے وقوعہ کی پیروی کرنے نہیں آئے۔ ایک لالہ لعلی واس ہیں یہ
اور ان کے دوست پنڈت برجموہن ناتھ مترجم چیف کورٹ آجکل ہی کسی آنٹ
میں پھنسے چاہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے افسران نے مجھے ان کے برخلاف دوچار
گناہ چٹھیاں۔ جوان کے پاس نہیں۔ کل پرسوں بھیجی ہیں۔ اور میں نے اپنے
دوچار خفیہ ڈیوٹی کے سپاہی ان کے حالات دریافت کرنے کے لئے لگائے
ہوئے ہیں۔ علی ہذا النقیاس مرزا فضل حسین اور شیخ الفصیر اللہ وغیرہ میں
کوئی دن خالی ہوتا ہو گا جو ان کے برخلاف کسی کنجریار ٹڈی کی ریٹ نہ پہنچتی
ہو تو ان حالات کو مد نظر رکھ کر مسٹر گڈ ہارٹ آپ خیال فرماویں۔ کہ ان لوگوں
کے وجود سے آپ کے مدعا کو کیا تقویت پہنچ سکتی ہے؟

مسٹر گڈ ہارٹ جو مسٹر کپور ٹڈی کی تشکوہ توں کان لگا کر ٹڈی توجہ
میں رہے تھے۔ اسی زمانہ کی بات ختم ہونے تک ان کی آنکھوں میں آنکھیں
لگا کر ہتھ کی طرح خاموش بیٹھے تھے۔ ایک ایسی سانس لے کر بولے دادا
نہ رہا مانی گاؤ۔ لیکن مسٹر سیمور آپ تو لاہور کے ایک ایک بشر کے حال
سے واقف ہیں۔ آپ کی یادداشت غصیب کی یادداشت ہے میں نے
نام لئے اور آپ نے ہر ایک کی تاریخ کہہ سانی۔ اُف تو۔

مستر سیمور نے مسکراتے ہوئے کہا "میرزا کام ہی بد قسمتی سے یہی مقرر ہو چکا ہے کہ ایسے آدمیوں کی ناک میں رہوں۔"

مستر گڈ ہارٹ لیکن باقی اصحاب کی بارش آپ کی کیا رائے ہے؟

کپتان صاحب میں کچھ کہ نہیں سکتا۔ شاید اچھے ہوں۔

مستر گڈ ہارٹ تو خبر میں آپ کا تزلزل سے متاثر ہوں۔ آپ اجازت دیجئے۔

کپتان صاحب میرے اٹنی کوئی اور خدمت ہے؟

مستر گڈ ہارٹ۔ اور کچھ نہیں۔ البتہ اگر آپ آج شام کو ہماری میٹنگ میں

آسکیں تو بڑی سہرا بنی۔

کپتان صاحب۔ اور میں بڑی خوشی سے آؤنگا۔ اور اگر ہوسکا تو شاید

بڑی کثیر صاحب کو بھی ساتھ لائوں۔

گڈ ہارٹ۔ "اوہ غور۔ تب تو بڑی ہی نوازش ہوگی۔"

کپتان صاحب۔ تو آپ ایٹکلڈ کو کب واپس جائیگے؟

گڈ ہارٹ۔ اپریل میں شاید۔

کپتان صاحب۔ "خوب۔"

گڈ ہارٹ۔ "میں کب واپس آؤنگا؟" "لی گڈ ہارٹ۔"

کپتان صاحب۔ "تو گڈ ہارٹ۔"

گڈ ہارٹ۔ "تو آپ ضرور آئیں گے۔"

کپتان صاحب۔ "میں کوشش کرونگا۔"

گڈ ہارٹ۔ "بہت بہت شکریہ۔"

کپتان صاحب سے رخصت ہو کر ہمارے ریفرمر صاحب، بالو سمیت چلے

پڑوسی کے ہاں رہنے لگے۔ یہاں بالو صاحب، بالو سمیت چلے

فرصت پا کر اپنے کمرہ نشست میں بیٹھے تھے۔ مٹر گڈ ہارٹ نے اُن سے جو کچھ
صاحب نے سنا تھا۔ کہہ سنایا۔ جس کو سن کر باو موہن چند صاحب بکے
بکے رہ گئے۔ بڑی دیر تک یہ بحث ہوتی رہی۔ کہ آیا میٹنگ کی جاوے یا نہ کیو
اِن دونوں بھلے پرشوں کی پر رائے تھی۔ کہ جب میٹنگ کے مدعو احباب اِن
ناشائے اوصاف کے آدمی ہیں تو اُن کا وجود میٹنگ کی عزت کو برباد کرے گا
مگر مٹر گڈ ہارٹ نے بہت کچھ سمجھ کر میٹنگ کو ڈھانسنے کی ہی صلاح ٹھہرائی اور
وہ چار بجے سے پہلے پہلے سب انتظام ٹھیک ٹھاک کر کے باولی صاحب میں
مع مٹر بانرجی کے پہنچ گئے۔ خلقت کا اثر وہاں پہلے سے ہی جمع ہو گیا تھا۔
جسکی شائد زیادہ توجہ یہ تھی کہ میٹنگ کے اشتہار کا مضمون ایسا تھا۔ کہ جس
سنا۔ وہی باولی صاحب کے مکان کی طرف دھڑا چلا گیا۔ اشتہار حسبِ ذیل تھا۔

”پنجاب کے غرق ہو جانے میں چند یوم رہ گئے ہیں“

”باشندگان پنجاب۔“

جلدی کرو۔ دوڑو۔ اور جناب مٹر گڈ ہارٹ کے پیش قیمت لکچر کو جو مفصلہ بالا
مضمون پر وہ آج شام کو ۴ بجے باولی صاحب کے احاطہ میں دینگے اگر سنو۔ وقت
بالکل محفوظ ہے اور کام اور جتن بہت سہے۔ دیر کرو گے اور ادا پاؤ نہ کر دے
تو اپنا ملک اور اپنا آپ جلدی غرق ہوا دیکھ لو گے“

المشہور

بولی صاحب کے میدان میں در یوں کا فرش کرایا گیا تھا۔ اور کئی ایک کرسیاں اور
 بچ رکھو ایٹھے گئے تھے۔ پولیس کا انتظام قابل تعریف تھا اور ہر ایک چیز پلے
 تھی۔ مگر سٹرگڈ ہارٹ کچھ اتنے خوش نظر نہیں آتے تھے۔ اشتہار کے مضمون نے
 لوگوں میں ایک دھوم مچادی اور چار بجے سے پہلے دو تین ہزار آدمی وہاں جمع
 ہو گئے کپتان صاحب اپنے وعدے کے پورے نکلے۔ اور وہ اپنے ساتھ
 صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کو بھی لے آئے۔ صاحب مجسٹریٹ ضلع کی موجودگی
 نے اور بھی خلقت کی بھیڑ بھارت جمع کر دی۔ اور آخر کار جناب ڈپٹی کمشنر بہادر کو
 صدر کی کرسی کے لئے چیرمین منتخب کیا گیا۔ جس کے بعد سٹرگڈ ہارٹ نے کھڑے
 ہو کر اپنا لکچر شروع کیا۔ انہوں نے شراب خوری۔ اور عیاشی کی براہیوں کا وہ
 خاک کھینچا کہ ہر فرد بشر ان کے موثر الفاظ اور فصیح لکچر سے باولا ہو گیا۔ لکچر کے
 خاتمہ پر صاحب بہادر نے ایک جسٹریٹ میز پر رکھ دیا۔ اور حضار مجلس سے درخواست
 کی کہ اگر میرے لکچر سے کچھ اثر ہوا تو اس جسٹریٹ میں اپنی قلم سے اپنا نام درج
 کرو۔ کہ آج سے ہم نے شراب خوری کو ترک کر دیا۔ اور عیاشی سے ہاتھ دھوئے
 درنہ یاد رکھئے کہ ”آپ اپنے ملک کو اپنے سمیت بس دنوں میں ہی غرق ہوا
 دیکھیں گے۔“

ناظرین !

آہا ہا۔ واہ کیا عمدہ موقع تھا۔ لاہور کی عیاش پارٹی کے جلسہ ممبران
 نے جن میں سے بعض اصحاب کے نام آپ پڑھ آئے ہیں۔ جسٹریٹ میز پر رکھ کر
 بڑی خوشی اور دلیری سے سٹرگڈ ہارٹ کے جسٹریٹ کو اپنے اسماء گرامی کے
 اندراج سے دیکھتے دیکھتے سیاہ کر دیا۔ لکچر ختم ہوا۔ لوگ گھر چلے گئے۔ اور ہم سوچتے
 رہ گئے۔ کہ یہ لوگ جو مے فوڈ شول اور رنڈلوں کے روزی رساں ہیں۔ اپنے

لکھتے پڑھتے رہ سکیں گئے۔ ہمارے دل نے ہمیں کہا کہ کس جتن میں پڑے ہوئے
ہو۔ وہ بیچارے تو صرف ڈپٹی کسٹر اور کپتان صاحب اور دیگر معززین اور غلام
شکر کو ہٹانے کے لئے کہ ہم کیسے پاک صاف اور پرہیزگار ہیں۔ دستخط کر گئے ہیں۔
ورنہ وہ لوگ اور عیاشی سے قطع تعلق۔ ہائے بالکل ناممکن۔

اور واہ رے ہم۔ کسی نے پاس ہی سے ہمارے خیال کی تاثیر بھی کر دی ہو
یو لاء! اچی ایسی ایسی سینکڑوں کیٹیاں ہوئیں۔ ہزاروں جلتے ہوئے۔ مگر ب
ٹوٹ گئے۔ وجہ یہ کہ جتنے بڑے بڑے پیٹ واسے آدمی ہیں۔ لوگوں میں
تو پرہیزگار بننا چاہتے ہیں۔ مگر اندرون خانہ ان کا وہ حال ہے کہ تو
ہی بھلی۔

”واہ واہ خوب کہا“ یہ فقرہ ایک تیسرے شخص نے کہہ اٹھا اور کبھی اڑا دیا
کہ ”جی اگر یہ لوگ اپنی زبان کے پچھے ہوتے۔ تو آج لاہور میں شراب کی ایک
بھی دوکان نہ رہتی۔ شراب کے علاوہ رٹیلوں کا بھی نام و نشان نہ رہتا کیونکہ
یہ دونوں کام دولت والوں کے مشغل ہیں۔ اور دولت واسے ہی لوگ ہیں جو کتاب
پر تو جھٹ پٹ دستخط کر گئے۔ مگر دل میں ویسے کے ویسے۔“

چودھواں باب

گورنمنٹ کالج کا مہتر

بی عیاشی اتیرے کیا ہی کہنے۔ یہ تجھ میں ہی وصف ہے۔ کہ جو تیرا دوست بنا
اسکی تونے وہ مٹی پلیم کی کہ دین دینا کا نہ چھوڑا۔ تو تو کوئی چریل ہے۔ عمدہ رنگ
ڈھنگ بنا کر لوگوں کا دل بہا لیتی ہے۔ اور پھر ایسی پیچلتی ہے کہ تجھ سے پیچھا چھوڑنا
شکل ہو جاتا ہے تیرے بہت سے دوستوں کا ہم نے خاک اڑا دیکھا جسے ہم نے مختصر اپنے
ناظرین کے آگے پیش کیا اور ہمیں امید ہے کہ۔ تیری کرتوتیں دیکھ دیکھ کر ادھیں
تو کم از کم ”مسٹر زبافت لاہور“ کے پڑھنے والے تو ضرور تجھ سے نفرت کرنے
لگ جائیگے تو تو چاہے کہنے ہی بھیس بدل کر آنکھ پاس نہیں پھڑکنے دینگے۔
لالہ گنگا رام کی تو نے جو روگم کر دی۔ اتنا رام کی تو نے جان لے لی شہزادہ خیر
محمد خاں اور دیوانہ دیوانا تھک کو ایک دوسرے کی جان لینے پر آمادہ کر دیا۔
ڈاکٹر شرف الدین کو حالات میں پہنچایا۔ لالہ رام کشن کو تو نے کبڑوں کے
آگے پھاڑا دیہ پٹاٹ برجموہن ناتھ کو وہ جو تیاں ماریں کر کیا ہی یاد کرینگے۔ لالہ
علی ماس کو خفام تک بدنام کر دیا۔ اسے صاحب ایسے حزر زگرہ لالہ نور کی عورت
سے ناتھ جانا لالا۔ اور ان کے ساتھیوں کی دُگت نہائی مسٹر لالہ ایسے لکھار کو فیل
وفا کر کیا۔ لالہ لکھار نے بھی نہ چھوڑا۔ صاحب جلال اور
برائے نام تیری ہی طرف سے تو کوئی قصہ تو نہ آئے کہ تجھ سے نہایت مرگاہی

نکی۔ مہتاب اور گنگارام کی زوجہ اور شرمدا اس کی بیوی۔ ان تینوں نے بھی تیرے ہتھکنڈوں کی خوب ہی لذت چکھی غرض کہ کیا راجہ اور کیا رانا جو تیرے قابو میں آگیا کہیں کا نہ رہا۔

ناظرین! یوں تو ہمارے ناول کا یہی مدعا ہے کہ آپ کرہ عیش و نشاط کی حدود و ارجح سے خوب واقف ہو جائیں۔ اور جو کچھ اب تک ہم نے لکھا ہے وہ اس مدعا کے دائرہ کرنے کیلئے کافی ہے۔ مگر چونکہ لکھتے لکھتے ہم اس کتاب کو ایک داستان کے پیرایہ میں لے گئے ہیں۔ اس لئے آئیے سلسلہ کو پکڑ لیجئے۔

ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ڈسٹرکٹ ہارٹ کی گفتگو سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ رائے صاحب اور ان کی پارٹی پر جو عدم ثبوت کوئی قانونی بلاناظر نہیں سکتی تھی چنانچہ یہ لوگ یوں تو بچ گئے۔ مگر ان لوگوں کی جو بدنامی ہوئی وہ انہیں عاقبت تک یاد رہیگی۔ اے صاحب کی صاحب جان اور مہتاب کی خوشامدیں کرتے زبان گھس گئی۔ بلوئی کی جادو اثر زبان انسپکٹر پولیس اور کپتان صاحب کے آگے بیگناہی کا شور مچاتے مچاتے دوہری ہو گئی۔ خدا جانے کیا کچھ خرچ ہوا۔ کہاں کہاں جانا پڑا اور تب مخلصی حاصل ہوئی۔ باقی ہے لالہ علجی اس صاحب اور دیوان دینا نا تھا اور سپاہی زادہ۔ سوان کا حال ہم آپ کی خدمت میں عرض کرینگے۔ تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ ٹیمپرنس سوسائٹی کے جلسہ ہونے سے پہلے مذکورہ بالا اشخاص پر کیا گزری تھی۔ جب دیوان صاحب اور بھاگو ننتی پر پڑ کے آموں کے درختوں کے پاس پہنچے۔ بھاگو ننتی اپنے سپاہی زادے نے سوچا کہ اب تو اسٹیشن بھی نزدیک آگیا۔ کچھ کرنا ہے تو جلد ہی کر۔ درختوں کے سایہ کو غنیمت جان کر سپاہی زادے نے چپ چاپ اپنی جیب سے وہ پستول جو ہر وقت اس کے پاس رہتا تھا۔ نکال لیا۔ جی میں آیا کہ چل جاؤں۔

شانتی یعنی رحم نے ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا کھڑ جا۔ جلدی نہ کر۔ اپنے نازک ہاتھ کو خون
 آلودہ نہ ہونے کے مبدل ان جنگ تو نہیں کہ کسی بہادر پرورد ضروری ہو وہ تو بازاری
 رنڈی ہے۔ اب بھی زندہ درگور ہے۔ ہٹ جا۔ بلکہ زیوروں پر بھی خاک ڈال اسلئے
 ایک آدھ منٹ صبر سے کام لیا۔ مگر بھائی کی موت کا سین آنکھوں کے آگے پھر کھڑ گیا
 اور اشتعال طبع کو روکتے روکتے بھاگ دنتی کا بال بال کا پننے لگ پڑا۔ آخر نہ رہا گیا
 اور ہائے سپاہی امے نے پستول کا ایک فائر داغ ہی یا مگر واہ ری واہ (رحم) تو جاہل مہنود
 کے ایک ایک ٹنگے میں اپنا پکا ڈیر اچائے بیٹھی ہے تو کس طرح بے خبر رہ سکتی ہے تو نے بھاگوتی
 کے نشانہ کو لگتے لگتے روک کر ایک طرف کو دیا بھاگوتی کی خون بھری آنکھوں نے نشانہ خطا ہوتے
 دیکھ کر دوسرا فائر کیا مگر واہ ری قدرت قادر تو جو اس کنواری لڑکی کی عصمت اور توقیر کی۔
 ایک ایک منٹ نگہبان تھی۔ نوکب اُسے فائدہ کے رذیل لقب سے ملقب ہونے دیتی
 تھی۔ اب کے تو نے اس کی آنکھوں میں اندھیرا کر دیا۔ اور یہ وار بھی خالی گیا۔
 بہر حال غصہ اور جوش نے بھاگوتی کو ضرور پاگل بنا دیا۔ اور وہ شیر مادہ کی طرح جست
 کر کے۔ صاحب جان کی چھاتی پر سوار ہو گئی۔ اُس کے منہ میں تھوکا۔ اور کانوں میں سے
 بالیوں کو نوچا۔ اور اس جنون کی حالت میں اور کچھ بن پڑا ایک علاوہ اپنی سونے کی مالا اور
 ہروں کے ہار کے کئی ایک اور زیورات بھی نوچ کھسٹ لئے۔ اور چھوڑتی دفعہ صاحب جان
 کی جوتی اُسی کے منہ میں پڑی اور اُسکے کان میں کہہ لے چنڈال کی بچی۔ اگر اب بچکٹی ہے تو پھر
 نہیں بچے گی۔ میرا پریشہ تجھے ساری عمر دکھ اور مصیبت میں ہی رکھیں گا۔ اتنا کہ اور جہ
 کچھ ملا اسے بغل میں دبا کر بھاگوتی نے قدم اٹھانے کے لئے اور دھڑ دھڑ دیکھا۔ تو
 دیوانہ صاحب کو عین سر پر کھڑے ہوئے پایا۔ وہ بھاگوتی کے پستول کو جاسے ہاتھ
 سے اس عجیب بیچ و تاب میں پر گرا پڑا تھا۔ ہاتھ میں لئے اور کھڑے پرانگوٹھا کھٹ
 ہونے بھاگوتی کی منہ میں بیٹھ چکے تھے۔ مگر وہ سمجھی کہ شاید کوئی سر نہ آ پینچا۔

فوراً جیب میں ہاتھ ڈالا کہ پستول نکالے۔ مگر نہ ارد۔ وہی ہاتھ جیب سے نکال کر اوجھارا
 اور پوچھا۔ ”تو کون؟“ دیوانہ صاحب نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ ”ہوش کرو میں ہوں۔“ تب تو بھاگتی
 کی آنکھ کھل گئی۔ اور کہا۔ ”معاف کیجئے گا مجھ سے خطا ہوئی۔ مگر آداب یہاں الٹ ہیں۔“
 یہ سب کچھ دیکھتے چشم تر دن کا واقعہ تھا۔ اور اب یہ دونوں ہاں سے کافر ہو گئے۔ اور پر پٹکے
 سبز اور چکنے گھاس پر سے کودتے پھانڈتے باوامی باغریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔
 وہاں لاہور کی طرف سے راولپنڈی کو جانے والی ریل گاڑی آیا جا رہی تھی۔ اور مسافر
 خانے کے چھوٹے سے برآمدے کے اندر باہر لوگوں کا ایک ہجوم مہرہا تھا۔ مسافر
 خانے کے باہر ایک چھوٹا سا کٹواں ہے۔ یہ دونوں اس کنوئیں کے پکے اور ٹھنڈے
 ٹھنڈے چوتھرے پر بیٹھ گئے۔ اور ابھی ان کا پسینہ بھی خشک نہ ہونے پایا تھا۔ کشتہ
 کی طرف سے ایک سفید پوش شخص ڈرتا ہوا آتا دکھائی دیا۔ اُس کی آہٹ سن کر بھاگتی
 نے دیوانہ صاحب کے کہا۔ ”یہ بیچے کوئی آگیا شاید؟“ دیوانہ صاحب نے مسکرا کر کہا۔ ”تم پاگل
 ہوئے جانتے ہو۔ کوئی آگیا ہے تو ہمیں کیا۔“ کتنے میں وہ شخص ان کے پاس آگیا اور
 بولا۔ ”کیوں جی۔ گاڑی آئی تو نہیں؟“ دیوانہ صاحب نے جواب دیا۔ ”بس آئی کہ
 آئی۔ آپ جلد ٹکٹ لے لیں۔“ ناظرین یہ لالہعلبی اس صاحب تھے جو رائے صاحب کی
 پارٹی اور مہتاب کو صاحب پٹی کشتہ بہادر اور پولیس کے ساتھ گفتگو میں مصروف چھوڑ
 نکلے تھے۔ ہیران سے آگے ہی اسٹیشن پر پہنچ گیا تھا۔ چنانچہ لالہ صاحب نے اُس کو
 تعزیدی بھائیا۔ اللہ یہ اُسے اُس مجمع کی جس میں سے یہ ابھی نکل کر دوڑائے تھے جیسا
 پٹسہادی کیفیت کا جہان تک انہیں سننے کا وقت ملا۔ لب لباب سمجھا کر آپ تو
 جہلم کا ایک سیکنڈ کلاس ٹکٹ خریدتے ہی سوار ہو گئے۔ اور اسے مہتاب کی خبر گیری
 کے لئے لاہور میں چھوڑ گئے۔ دیوانہ صاحب اور بھاگتی نے ان کی سب باتیں سن
 لیں۔ اور جب ریل روانہ ہو گئی۔ تو بھاگتی نے ان سے کہا کہ ”اگر وہ سب

دگ ابھی تک سڑک پر ہی موجود ہوئے تو بڑی خیرانی ہو گئی چلو کسی اور طرف سے گھر
 کو چلیں۔ مگر دیوانہ صاحب چند ایک اشخاص کے پیچھے پیچھے جو اپنے دوستوں
 یا رشتہ داروں کو وداع کر کے شہر کو واپس جاتے تھے۔ ہوئے۔ دیوانہ صاحب نے
 کہا: ہمیں کیا خوف ہے۔ تم آؤ جو ہو گا دیکھا جائیگا۔ چنانچہ یہ آپس میں آہستہ
 آہستہ کئی ایک باتیں کرتے واپس کس کے کارخانہ کے پاس پہنچ گئے۔ وہاں سے
 انہوں نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ تو عین جو راستہ میں دو بگھیاں اور کئی ایک آدمی کھڑے
 نظر آئے۔ دیوانہ صاحب تب بھی نہ گھبرائے اور اپنے رفیق کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے
 بڑھتے چلے گئے۔ جب یہ راستہ سے پچاس قدم رہ گئے۔ تو انہوں نے ایک صاحب
 بہادر کو اس مجمع میں سے گھوڑا نکال جھٹ پٹ رخصت ہوتے دیکھا۔ دیوانہ صاحب
 نے بھاگوتی سے کہا: اس شخص نے جس انگریز کا ذکر کیا تھا۔ وہ تو وہ دیکھو چلا
 گیا۔ بھاگوتی خاموش رہی۔ اور اب یہ دونوں اپنے آگے جانے والے آدمیوں
 کے ساتھ شامل ہو گئے۔ پولیس وائے جو اسے صاحب کی پارٹی کو گھیرے
 کھڑے تھے۔ ان لوگوں کو دیکھا کہ گرجتے ہوئے بولے: ہاٹ۔ حکم دے۔ ان میں
 کسی نے کہا: حوالدار جی اپنے اسی آن۔

پولیس والا: اپنے کون۔ اپنے تھے چور ہونے نے۔

ایک شخص: جی میں تمہارا اپنے پتروں کو ڈن گیا ہو یا ساں۔

یہ سب لوگ کھڑے ہو گئے تھے۔ مگر دیوانہ صاحب ایک بڑے مددگار نے پیچھے
 سے آکر وہ راستہ چھوڑ دیا۔ راستہ: کہتے ہوئے ایسے جیسے کوئی بڑے نواب صاحب ہوتے
 ہیں۔ آگے نقل ہوئے۔ ان کی قلعہ وضع اور چاندنی میں بامیرانہ لباس کو دیکھا کہ پولیس
 والے بھی کچھ نہ پوچھ سکے۔ اور یہ بھاگوتی سمیت وہاں سے نکلتے قلعہ کی فصیل کے
 نیچے نیچے سمیت گئے۔ کے ہاں پہنچ گئے۔ سلمیٰ زادہ نے بھاگوتی سے کہا۔

دیکھو! باسٹر۔ اب تو آپ کا خوف دور گیا نہ " بھاگ ورتی تے کہا " آپ بڑے
بیخوف ہیں "

دیوان صاحب " اور آپ مجھ سے کیا کم ہیں "
بھاگ ورتی " مجھے اور تو کچھ خوف نہ تھا۔ البتہ یہ خیال تھا کہ میرے پاس
پستول کی لائسنس کا کاغذ نہ تھا "

دیوان صاحب " مگر لائسنس تو حاصل کی ہوئی نہ "
بھاگ ورتی " ہاں مگر وہ ڈیرہ اسماعیل خاں کے ضلع کے لئے ہے۔ اور ہے بھی
میرے مرحوم بھائی کے نام کی "

دیوان صاحب " تو آپ اسے اپنے نام پر کیوں نہیں تبدیل کر لیتے "
بھاگ ورتی " میں نے اس کی بابت صاحب کمان افسر کی سفارش کرائی
ہوئی ہے۔ مگر ابھی تک جواب نہیں آیا "

دیوان صاحب " اچھا تو آپ فرمائیے کہ اب کہاں چلے گا "
بھاگ ورتی " اب میں گھر کو جاؤنگا۔ والدہ انتظار کرتی ہوگی "
دیوان صاحب " تو چلے میں آپ کو پہنچا آتا ہوں "
بھاگ ورتی " نہیں اب آپ اور تکلیف نہ کریں "

دیوان صاحب نے اپنے رفیق کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور کہا " نہیں
جی۔ تکلیف کا ہیکہ۔ ایسے میں آپ کا مکان بھی لگتے ہاتھ دیکھ آؤنگا "
بھاگ ورتی " نہیں اب آپ آرام کریں " دیوان صاحب اس وقت سپاہی زادہ
کے حسن و جمال کو دیکھ دیکھ کر لٹو مور ہے تھے۔ اور دل ہی دل میں دعا مانگ
رہے تھے۔ کہ خدا ایسے خوبصورت ہو نہار۔ اور دلیر لڑکے کو دنیا میں تاقیامت
سلامت باکرامت رکھے۔ اس کی ہمراہی میں کیسی خوشی ہے اس کے ساتھ

رہتے ہیں اور ہو ہو کیسا آئندہ ہے۔ اور بھگاک دنتی جو یہ سوچ رہی تھی کہ اب ابا کا کیا خوب صورت اور نوجوان شخص ہے۔ بچے درجہ کا وقار اور بہادر پریشرا کے بال بال کو ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور اسے صحبت بد سے بچاتا ہے اسکی عزت میں فرق نہ آئے۔ دولت اور شمت کا مالک ہو۔ ابا کا کیا خوب ہو۔ جو یہ امتحان میں کامیاب ہو جائے۔ ابا کا پھر یہ حاکم ہو جائیگا۔

اسے جد کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ مگر کیا کروں ابھی اپنا آپ بھی ظاہر کرنا مناسب نہیں کیا ہی خوب ہو جو مجھے تھوڑے ہی دنوں میں اور بھی کافی ثبوت مل جائے کہ اسکی عادات بالکل ہی سہ سہ گئی ہیں۔ اور پھر میں اسے لکھا کہ مدد کریں بھگاک سنگھ نہیں بلکہ بھگاک دنتی ہوں۔ نئے الحال اگر میں اس کے ہاتھ کو شکر گزاری کے طور پر چوم لوں تو کیا عیب ہے؟ عیب تو کچھ بھی نہیں۔ اس نے میری مدد کی۔ میرا نگہبان ہے۔ تو پھر یہ لو۔ . . . ان الفاظ کے ساتھ بھگاک دنتی نے دیوان جی کے ہاتھ کو جسے وہ کمال اشتیاق سے ابھی تک ہاتھ میں لئے کھڑی تھی۔ لبوں تک لانے کی کوشش کی۔ مگر ابھی تک یہ اس مربی ہاتھ کو سینہ تک بھی نہ لائی تھی۔ کہ دیوان صاحب کے ایک دوست آپہنچے۔ اور انہوں نے بڑی خوشی اور پھرتی سے اُچھلتے کودتے۔ دیوان صاحب انگریزی زبان میں ”گڈ ایوننگ“ کہتے ہوئے انکا وہی ہاتھ جو بھگاک دنتی کے ہاتھ میں تھا۔ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ ”آپ آج کہاں تھے۔ میں شام سے اسوقت تک چھ مرتبہ آپ کے مکان سے ہوا آیا۔ اور آپ کا پتہ نہ ملا۔“

دیوان صاحب ”کیوں خیر تو ہے؟“

دوست ”کیا آپ کو خبر نہیں“

دیوان صاحب ”کس بات کی؟“

دوست: ”آپ کو جیف کوٹ نے تین مہینے کے لئے: آفیشیٹل منصف“
مقرر کر دیا ہے“

دیوان صاحب: ”مسکرا کر“ کسجگہ“؟

دوست: ”گجرات“؟

دیوان صاحب: ”(مسکراتے ہوئے)“ آپ کو کس طرح معلوم ہوا“؟

دوست: ”مجھے دیوان صاحب کے اردلی نے کہا۔ وہ شام سے آپ کے ہاں
لقافہ لئے پھر رہا ہے“

دیوان صاحب: ”یہ سب آرمی صاحب اور دیوان صاحب کی مہربانی ہے مگر
میں اس اسامی کو منظور نہیں کروں گا“

دوست: ”ہیں! ہیں! وہ کیوں؟“

دیوان صاحب: ”کئی ایک باعث ہیں“

چنانچہ دیوان صاحب اپنے دوست سے اپنے کئی ایک بواعث کے بتلانے میں
مصروف ہوئے۔ انہیں مصروف پا کر بھالوتی ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی اور ابھی کچھ
سوچنے ہی لگی تھی کہ کسی کے منہ سے اس نے ”بد النساء“ کا نام نکلتا سنا۔ دیکھا
تو اسکی بیٹھ بیٹھ دو آدمی کھڑے تھے بد النساء کی یا بہت کچھ بات چیت کر رہے تھے
ایک ان میں سے کہہ رہا تھا کہ ”یارا وہ شکلوں تے چوڑا نہیں دسد“ دوسرے نے
جواب دیا: ”آخر گرہ سے تے چوڑا ہی نہ فیر بھی“ پہلے نے ایک آہ بھر کر کہا: ”اچھا
بد النساء پیاری جاہن تمینوں چوڑے تے ہنر مبارک ہوں“

دوسرے نے مسکرا کر کہا: ”واہ او گلاب دن نولں بچا کار ہے چارو وکیل
دایا خاہ صہان کریا کرتے رات نولں جن ورگی مشوہ بغل و ج جاوایا کرے“

بھالوتی اور بھی کچھ سنتی مگر دیوان صاحب نے اسے پاس بلا کر ”آؤ بیٹھ جاؤ“

مکان پر چلکر وہ چٹھی تو دیکھیں اس میں کیا لکھا ہے۔
 بھاگ ونٹی نے کہا مبارک ہو چلئے۔ دیکھئے پر میشر نے میری دعا کو جوابی میں
 دل میں آپ کے حق میں مانگ رہا تھا۔ کتنی جلدی منظور کر لیا۔

دیوان صاحب نے سپاہی زادہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور سکرانے ہوئے
 کہا۔ آپ کی مہربانی۔ مگر میں اس سامی کو شاید ابھی منظور نہ کروں۔
 عرض بھاگ ونٹی صاحب جان کا وقوع قطع بھول کر دیوان صاحب ان کی نئی سامی
 کی بابت مباحثہ کرتی ہوئی۔ ان کے ساتھ ان کے مکان پر جا پہنچی۔ دیوان صاحب کے
 خبر رساں دوست بھی ساتھ ہی تھے۔ ڈھبڑی کے باہر سے نہالا کو آواز دی۔ اُس نے
 ”ایا مہاراج“ کہہ کر فوراً دروازہ کھول دیا۔

دیوان صاحب ”گرمی اور می کوئی نہیں۔ ٹھا کر کو بھیج دے پتکھا ہلائے۔ پتکھا
 جھلنے لگ گیا۔ اور دیوان صاحب اپنے دونوں دوستوں سمیت کھڑکیوں کے آگے
 بیٹھ گئے۔ ابھی بیٹھے ہی تھے۔ کہ نہالا نے ایک سرکاری لفافہ دیوان صاحب کے
 ہاتھ میں دیکر کہا۔ ”مہاراج۔ مبارک ہو۔ تے بے بے ہوئی کندے نے ساڈی
 طرفوں بھی مبارک ہو دے۔“

دیوان صاحب راسکرتے ہوئے اور لفافہ کھاتے ہوئے ”لمے ہوئی اجے
 نہیں آئے۔“

نہالا۔ ”مہاراج۔ انہماں نوں خبر مو گئی ہے۔ او نہماں اسی چڑا اسی کو لوں ایہہ
 لپھا پھہ لیا سی گا۔ تے اُس فولد پنج روپے بشکیش دے دتی سی گی۔ تے
 سینوں کہن لگے کہ بھائی تیری بشکیش آپے نا تھہ اوری آپ ان کے دین گے۔“
 دیوان صاحب دمسکرا کر ہلکے ہلکے () ”آخو پرادہ آپ کتھے پیگے
 نے۔“

تھالا جی اوہ تو ہاڈے اگے اگے ہی باہر نکلے بیگے نے۔
 لٹاؤ کھولا تو اس میں ایک انگریزی چٹھی پائی۔ جس کا یہ مضمون تھا۔
 ”مینام دیوان دینا تھا۔ بی۔ اے خلف دیوان شکر ناتھ مرحوم سابق رئیس
 جاگیر وار وغیرہ۔“

”میں حسب الایامے چیف کورٹ پنجاب آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا
 آپ تین ماہ کے لئے قائم مقام منصف گجرات مقرر ہونا پسند کرتے ہیں؟ من بعد
 اگر آپ امتحان اسٹرا اسٹنٹی میں جس میں شامل ہونے کے لئے آپ کی درخواست
 موصول ہو کر منظور ہو چکی ہے۔ کامیاب ہو گئے تو آپ کے کاغذات مع سفارش
 منجانب چیف کورٹ پنجاب بحضور جناب لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر پیش کئے
 جائیں گے۔ کہ آپ کو جلد اسٹرا اسٹنٹی کی اسامی پر مقرر کیا جائے۔ اخیر میں اتنا
 ایذا کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ گورنمنٹ کے لئے یہ عین خوشی ہے
 کہ نامور ویشی شرفا کے نوجوان لڑکے اس قابل ہوں کہ انہیں ملک کی حکومت کے
 مختلف عہدے دئے جائیں۔“

دس۔ دستخط

آپ کا تابعدار وغیرہ رجسٹرار چیف کورٹ پنجاب
 دیوان صاحب نے چٹھی پڑھ کر ایک طرف رکھ دی۔ اور اپنے رفیق سپاہی زادے
 کی طرف بڑے شوق سے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا یہ ہاں سردار صاحب۔ اب اپنے نایے
 کہ آپ کے لئے کھانا جھٹ پٹ رنگاؤں نہ۔“

سپاہی زادہ ”میں جہاں بھی کامضون شکر ہی میر ہو گیا ہوں۔ مجھے تو اب آپ سے
 اجازت حاصل کرنی ہے۔ کیونکہ آپ کو معلوم ہے۔ کہ گھر میں انتظار کرتے ہوئے
 دیوان صاحب ”تو مجھ جئے نہ ملک آپ کو مکان تک پہنچاؤں۔“

سپاہی زادہ "آپ کی کمال مہربانی۔ آپ اتنی تکلیف نہ اٹھائیں۔ بلکہ اگر ناگوار نہ ہونو ڈیوڑھی میں آکر میری عرض سُن لیں۔"

دیوان صاحب لارہا جارام صاحب سے اجازت حاصل کر کے اپنے رفیق کیساتھ ڈیوڑھی میں چلے گئے۔ وہاں سپاہی زادے نے اُن سے پوچھا۔

"کیا آپ اس آسامی کو منظور نہ کریں گے؟"

دیوان صاحب "آپ کی کیا رائے ہے؟"

سپاہی زادہ "میں یہی کہ آپ فوراً منظور کر لیں۔ اور پریشہ نہ چاہتا تو آپ دنوں میں منتقل کسٹراسٹنٹ کسٹرو ہو جائیں گے۔ اور پھر ہر ہفتے بڑھتے کیا کے کیا ہو جائیں گے۔"

دیوان صاحب نے مسکراتے ہوئے پوچھا یہ کیا ہے چاہئے؟ چاہئے؟

سپاہی زادہ (کانپتی ہوئی زبان سے) "میرا مطلب ہے کہ آپ کسی اور معزز رتبے پر پہنچ جائیں گے۔"

دیوان صاحب ابھی کچھ کہنے کو تھے کہ ہمارے سپاہی زادے نے اُن کی بات کاٹ کر کہا۔

"دیوان جی۔ اگر آپ سچ پوچھتے ہیں۔ تو جب تک آپ لاہور سے کہیں باہر نہیں جاتے تب تک بدر النساء کا خیال آپ کو نہیں چھوڑتا نظر آتا۔ میری التجا ہے کہ آپ اُسی خیال سے اب ہٹ جائیں۔ کیا آپ کی اور آپ کے کالج کے ہنرمند کی ایک حیثیت ہے؟"

دیوان صاحب (ترش کلام ہو کر) اس کے کیا معنی جی؟

سپاہی زادہ "اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ غصہ کو بالائے طاق رکھیں۔ اور

دیوان صاحب کہتے تو مسمیٰ

سپاہی تراوہ "میں مختصر بات یہ ہے کہ آپ کی پیادہ بدلتا آجکل آپ کے گورنمنٹ کالج کے جمہور بہتر سے خوب مل جلی ہوئی ہے۔ اور مجھے شرم آتی ہے کہ میں آپ سے کیا کہوں۔ مگر اگر آپ میں کچھ بھی حمیت قومی ہے تو کیا آپ ایک مہتر کے قریب ہونے پر خوش ہیں؟"

یہ الفاظ سننے ہی دیوان صاحب کا سینہ جلنے لگ گیا۔ بلکہ وہ ان الفاظ کو برداشت نہ کر سکے۔ اور کھڑکھڑائے اپنے کاپٹن لگ گئے۔ کہ یا تو اُس پھلے جاتے تھے۔ پوچھا۔ آپ کو کس طرح معلوم ہوا؟ مجھے آپ کی بات پر یقین نہیں آتا۔

سپاہی تراوہ "اتنے کنگن کو اندر سی کیا۔ اب تو فری دیر ہو گئی ہے کل بات کو؟ آپ میکہ ساتھ کسی اور پھیس میں پھرا رہی۔ آنکھوں سے دیکھ آئیے گا۔"

دیوان صاحب "بہت بہتر۔ مگر آپ ضرور تشریف لائیے گا۔"

سپاہی تراوہ "اچھی بات۔ لیکن اب مجھے آپ پر شکاویں کہ آپ منصف کی مغز اسامی کو منظور کیوں نہیں کرتے؟"

دیوان صاحب "میں اسوقت کچھ نہیں بتا سکتا۔ میری طبیعت درست نہیں۔ کل عرض کرونگا۔"

اسوقت سپاہی زادے کے چہرے پر بڑو پڑھنی کی لال ٹین کا جو نہالانہ ابھی ابھی روشن کی تھی۔ چاندنا پڑتا ہوا اسکے حسن کو ایک عجیب آب و تاب میں ظاہر کر رہا تھا۔ رخصت ہونے کے لئے اس نے دیوان صاحب کے ہاتھ سے ہاتھ جو ملایا اور مسکراتے ہوئے ان سے اپنے مکتبہ الفاظ کے لئے معافی مانگ کر ان کی مدد کا شکریہ جو ادا کیا۔ تو دیوان صاحب کی آنکھیں اس کی آنکھوں میں لڑکھیں۔ اور جوں جوں غصہ نظر آنے لگا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا۔ "اگر آپ نے میری طبیعت کو دیکھا

کراے دل تجھے یہ فرشتہ سیرت نو جوان دوست بدر النساء کے جام وصل سے
مردہ محفوظ رہنے سے کیوں باز رکھتا ہے ؟

جواب ملا کہ اور تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی البتہ اتنا خیال ہے کہ شاید اس
شخص کو خط و کتابت کی خبر ہو چاسکے والد مرحوم اور آپ کے دوست سائے راج نارائن
صاحب کے مابین آپ کی شادی وغیرہ کی بابت ہوئی تھی۔ کیونکہ یہ اُسی بھاگ تہی کا
بھائی ہی تو ہے۔ جسکے ساتھ آپ کی سگائی کی تجویز تھی۔ تو پھر کیا عجب ہے۔ کہ اس
شخص کے دل میں ایسا ہو کہ شاید آپ ان کے گھر میں بیاہے جاویں۔ اگر ایسا ہو
جائے تو پھر آپ کا وہ تعلق جو بدر النساء کے ساتھ پیدا ہو رہا ہے۔ انہیں کب پسند
آئیکا۔ اور آپ بھی کس طرح پسند آسکتا ہے۔ مگر آپ اس سے اتنا فوریافت کریں کہ
ایسا کو خط و کتابت کی خبر بھی ہے۔ یا نہیں ؟

دیوانہ صاحب نے جواب الجواب میں دل سے کہا "مگر اس وقت طبعیت دست
نہیں۔ بدر النساء کی شان میں اس شخص نے بڑے کثرت الفاظ زبان سے نکالے
میں وہ مجھے ابھی تک نہیں بھولے اور ٹیش آ رہا ہے۔ پھر دو چھوٹے۔ اور یوں تو
یہی وجہ ہے جو تو نے بتلائی۔ وہ خاص خط و کتابت تو چاہے اس نے پڑھی ہو
یا نہ۔ مگر اتنا تو یہ مجھے آج شام کو کہہ چکا ہے کہ ہمارے خاندان کا اور میرا ذکر و کار
اکثر ان کے گھریں ہوتا رہا۔ بہر حال اب اسے رخصت کرنا بھلا ؟

چنانچہ دیوانہ جی نے اپنے رفیق کا ہاتھ ہلا کر کہا "نہیں نہیں۔ اس میں معافی کی
کوئی بات نہیں۔ آخر آپ میری بہتری ہی کے لئے کہتے ہو گئے۔ مگر ستر بھاگ سنگھ
میں آپ سے پہلے بھی آج ڈیڑھ مہینے سے زیادہ عرصہ ہوا کہ چکا ہوں کہ میں ^{حقیقت}
بدر النساء کے حسن و جمال کا متعرف بلکہ چاہنے والا ہوں۔ لیکن اگر وہ ایسے گندے
اشخاص سے سنا کر دل کرتی ہے تو میں اس کے پیچھے کیوں غم کھاؤں گا۔ میں تو

جگہ یہ جانتا ہوں۔ کہ اگر میں اس کے ساتھ ایک پاؤ بھر محبت رکھتا ہوں تو میرے
 ساتھ ایک سیر بھر رکھتی ہے۔ اور اس تعلق کو میں آج تک بڑا مانا کرتا تھا۔
 سے کہاں تک لے جاتا لیکن چونکہ میں آپ کو اپنے دھرم کا وعدہ لے چکا تھا۔
 کہ جب تک آپ کا خط نہیں آئیگا۔ تب تک میں اسکی شکل بھی نہیں دیکھوگا۔
 اس لئے اب تک قسم کا بار اٹھاتا رہا۔ ورنہ آج تک میں اُسے اپنا نہ بنا لیتا۔
 سپاہی زادہ۔ اچھی بات۔ تو پھر یہ تو آپ نے مجھ سے ارادہ کر لیا ہے۔ کہ اگر
 آپ نے اپنی آنکھوں سے اپنے کالج کے ہنر کو جو آپ کا پاخانہ صاف کرتا ہے۔
 بدر النساء سے ہم نوالہ دہم پیار دیکھ لیا تو پھر آپ کا اُس دُشت جنی سے قطع تعلق
 عمر بھر کے لئے قطع تعلق۔“

سپاہی زادہ کی تقریر کے الفاظ دیوانہ صاحب کو خنجر آبدار کے شدید زخموں کی طرح
 کاری لگے۔ مگر یہ غصہ کوہنی گئے۔ اور بولے یہ بہت اچھا آپ کل آئیئے۔
 ہی نہ۔“

سپاہی زادہ۔ بیشک اور بالفرد۔“

جس
 اتنی بات چیت کے بعد ہمارا سپاہی زادہ وہاں سے رخصت ہوا اور دیوانہ
 اپنے دوست لالہ راجہ رام کے پاس جا بیٹھے۔ مگر چونکہ بدر النساء کا حال سُنا ان کی
 طبیعت صدمہ خیز ہو گئی۔ اس لئے راجہ رام صاحب کو دس پندرہ منٹ کے بعد
 کچھ بات چیت کر کے انہوں نے رخصت کر دیا۔ مہموں صاحب آگئے۔ اور انکی
 اور نیک سیرت نامی لکی مہا کیادیوں۔ اور عاؤں سے بالامال ہو کر ہمارے
 دیوانہ صاحب کچھ عرصہ کے بعد پانک پریٹ گئے۔ لیٹے لیٹے کئی ایک منظر چھاپے
 دیکھے۔ اور کئی آنیولی صبح کی امید پر اور صحیح سلامت گھر پہنچ گئی۔ مگر اسے اپنی ہم کی
 قطع موشی پر کچھ زیادہ خوشی نہ ہوئی جس کا باعث سولے اس کے اور کی ہو سکتا

تھا۔ کہ وہ دیوان صاحب کو رخصت کے وقت اضطراب کی حالت میں چھوڑ آئی تھی۔
 بہر حال اپنی والدہ سے جو کچھ بیتی تھی۔ کہہ سنائی۔ اور اس کے آگے اپنا پُرانا
 ہر دس کا بار اور طلائی مالا اور چھوٹے موٹے گہنے رکھ کر کہا۔ ماجی۔ چلو جو ہتھ
 آیا سوئی اچھا۔ والدہ زیورات کو وصول کر کے باغ باغ ہو گئی۔ اور بولی۔
 پُر بھاگ دیتی۔ جے تیرے اوتے کوئی مشکل آن بندھی تے فیر کی ہندا۔
 بھاگ نئی نے جواب دیا۔ کہ ماجی جہناں دل پر میشرانہاں توں کسڈ ڈر۔
 والدہ نے زیورات کو ایک صندوقچے میں رکھ دیا۔ کئی ایک باتیں ہوئیں جو کچھ
 کھانہ دات پکایا تھا۔ کھایا۔ اور آخر کارے بھی سو گئیں *

پندرھواں باب

ماسٹر جو گراج صاحب

”آج کیا تاریخ ہے“

”۲۴۔ اگست“

”خیر آج پورا ایک مہینہ ہو گیا۔ آہ“

”کس بات کو پورا مہینہ ہو گیا۔ ہ“

”کچھ نہیں۔ یوں ہی کچھ جی میں آگیا تھا۔ ظاہر کرنے سے رک نہیں سکا“

”مگر آپ تو خاصہ دہلی والے بنے جاتے ہیں۔ اپنی پنجابی میں بات کرو“

”چلو پنجابی ہی سہی“

”بچھا تاں ایہہ کی گل بیگی اے“

”دس والی گل نہیں“

”پر مینوں دی“

یہ گفتگو لاہور کے ان دو دوستوں میں ہو رہی تھی۔ جو اس وقت خدا کے فضل سے

عمدہ تہوں پر ممتاز ہیں۔ اور اہل ہندو کو انکی ذات پر نہ صرف قوم کی ترقی کا بلکہ ملک

کی بہتری کا بھی از حد بھروسہ ہے۔ تاریخ پوچھنے والے صاحب کا نام لالہ جو گراج

صاحب۔ گورنمنٹ کالج کے ایک ہونہار طالب علم اعلیٰ کلاس کے۔ اور جواب دینے

والے صاحب کا نام دت صاحب۔ لالہ جو گراج کے سہیل فیملی کے۔ دس میں ان

”جماعت کم۔ اور پرائیویٹ وقت میں انکے شاگرد۔“

جوگراج: ”اور میرا بھائی تیرے کولوں کی چھپا ہینگا“
 شام دت (مسکرا کر) ”تو فیڑتیں دے کیوں نہیں“
 جوگراج: ”قسم ہے کہ توں کے توں دسیں گارے“

شام دت: ”میں نے اپنے والد دی قسم ہے میں کے توں دساں“
 جوگراج: ”تاں گل ایہہ ہنگی لے کر میں اچ پورے اک ہمینہ نہیں تیرا
 جے بہت خیال کرنا چھوڑتاں تاں ایہہ ایہہ باعث ہینگا کہ میں اک مستحق
 دی تماشہ چہ ہینگاں میں اسوں صرف ایک فدا ایسے شام دیلے ایس جگا اتے
 ای دیکھیا سی۔ فیڑ کے اوہ نظر نہیں آیا“

شام دت: (کچھ لجا کر) ”لیکن اوہ ہینگا کون سی“
 جوگراج: ”بس عین بین تیرا نوٹ“

شام دت: ”تیں باسٹری میرے نال مخول بھی کرن لگ پیندے او“
 جوگراج: ”مخول کرن دالے دے متہ وچ پیشاب“

شام دت: ”لیکن میں کچھ خوبصورتاں دچوں ہینگاں“
 جوگراج: ”میرے دل کولوں پچھناں“

شام دت: ”ہچھا فیڑا وہ کدہر گیا“

جوگراج: ”بس ایہہ معلوم ہوئے تاں فکر کاہدا“

شام دت: ”لیکن کچھ قطع وضع۔ ڈیل ڈول“

جوگراج: ”بس خاکی زین دی انگریزی قطع دی پوشاک سی گی۔ تے سرتے

بڑی مزہ دار رنگی تے اسے وچ اک فندہ باری کاہدا“

شام دت: ”تیں تے باسٹری پرائے عاشق کولوں دی سبقت یسے

5

23

2

1

2

1

七

5

2

7

1

;

1

7

2

کبوتر باز آنکھ نے اپنا گم گشتہ معشوق پاس سے گزرتا اور ہیرا منڈی کی طرف گئے دم
 قدم اٹھاتا دیکھ کر کانپتے کانپتے اپنے دوست شام تک کو اشارے سے ایک طرف ہٹا لیا۔
 جو گراچ دانگی کے اشارے سے "ہائے ہائے" تھاں اوہ جانتا پیا ہی "۔

شام دت رانکھیں بھاڑ کر دیکھتے ہوئے "کتھے کتھے" ماسٹر جی "۔

جو گراچ "آؤ۔ آؤ۔ آؤ۔ اور اپکھا کر بیٹے "۔

شام دت۔ چلو چلو۔ پرہوڑو ناما ماسٹر جی "۔

یہ گفتگو چوروں کی طرح بڑی دلی زبان میں ہوئی۔ اور لالہ جو گراچ اور شام دت
 اس شخص کے پیچھے ہوئے اور چل چل چل چل وہ آگے آگے اور یہ پیچھے پیچھے ٹہپی میں
 جا پہنچے۔ مگر وہ اسے ماسٹر جو گراچ تیری کارگیری کیا مجال ہے جو اس لوندے کو اپنے

پاؤں کی آبیٹ بھی پانے دی ہو۔ ٹہپی میں جا کر ان کا نام معلوم اور نا آشنا معشوق

کھٹا کھٹ بی صاحبان کے مکان میں داخل ہوا۔ اور اُسے اندر گئے۔ ابھی

دو چار منٹ ہی ہوئے ہونگے کہ ماسٹر صاحب بھی اپنے رفیق سمیت اندر چلے گئے۔ بی صاحب

جان کے اندر ایک فرخ صحن تھا۔ جہاں چند کرسیاں رکھی تھیں جن سے کچھ

فاصلہ پر مقابل کی جانب بی صاحب ایک پلنگ پر گاؤ تکیہ کے سہارے نیم دراز

ہونٹوں ہی ہونٹوں میں "ہائے ہائے" کر رہی تھی۔ اسکے کانوں پر پٹیاں

بندھی ہوئی تھیں۔ اور ایک نوکر بیچاری کا سر دبا ہا تھا۔ صحن میں صرف

چاند کے اجالے کی روشنی تھی مگر پاس کے کمرے میں لپٹ غیرہ روشن تھے۔

ماسٹر صاحب کا گم گشتہ معشوق جاتے ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور شاید

اُس نے ابھی بات بھی نہ کی تھی کہ ماسٹر صاحب بھی پہنچ گئے۔ اور اپنے

نامعلوم دوست کے پاس اُن کرسیوں پر بیٹھ گئے بی صاحب نے "ہائے ہائے"

کرتے ہوئے پوچھا "خدا شہادہ کہ جو گراچ" اس کے تینوں ایکسٹریکٹوں کے مابین

اس سوال کے جواب میں ماسٹر صاحب کا معشوق تو کچھ نہ بولا۔ المبتہ یہ بول اٹھے کہ کچھ گانا سنئے آئے تھے۔

صاحب جان ”جی آئے حضور۔ مگر آج طبیعت کچھ بیمار ہو گئی ہے۔“
ماسٹر صاحب ”کیوں۔؟ کیا ہوا۔؟ خیر باشد۔“

صاحب جان ”جی میرے کناں نوز درد ہو گا۔“
ماسٹر صاحب ”تو پھر ان میں ہسپتال سے تیل لیکر ڈالئے۔“

صاحب جان ”جی ہاں۔ حکیم دا علاج شروع کیتا ہو یا۔ ہاے اللہ۔“

ناظرین آپ کو معلوم ہے۔ یہ ہمارے سپاہی رائے کی ساری مہربانی تھی۔ جس نے اس کے کانوں کی بالیاں نوچ کر چھیدوں کو پھاڑ دیا تھا۔ صاحب جان ابھی تک فریق تحقیقات مقدمہ تھی۔ اور پولیس کا سارجنٹ ابھی ابھی اس سے وقوعہ پریڈ کی نسبت کچھ مزید حال دریافت کر کے اٹھ کر گیا تھا۔ وہ وقوعہ بھی تو ابھی کل شام ہی کا تھا۔ پیچاری کو گانا تو ایک طرف اپنا آپ نہیں سوچتا تھا۔ بیماری کا حال سن کر ماسٹر جی نے کہا ”بڑا افسوس ہے۔ ہم تو آئے تھے۔ کچلو کچھ سنیں گے۔“

صاحب جان نے آہ بھر کر کہا ”بچھا جی۔ جے راضی ہو گئے تھے لکھ دار موقع ہو سی۔“ اب ماسٹر جی کے معشوق نے بالکل نئے فیشن کی اردو زبان میں دریافت کیا لیکن ادھر کا طرف کوئی اور کون ہے۔ کون گانے والا کنجری۔“

صاحب جان ”جی ہو ساڈیاں بہناں چندیں ہزار ہو گیاں نے۔“
ماسٹر جی نے اپنے نامعلوم معشوق سے بات کرنے کا خوب موقع پایا۔ وہ بول اٹھے ”چلئے اگر آپ کو زیادہ شوق ہے۔ تو بد النساء کے ہاں چلے چلیں۔“
بد النساء کا نام سنئے ہی صاحب جان تو مسکرائے لگ پڑی۔ بلکہ ہنس پڑی

”اوہ تے ہن ہوئی چوڑیاں جوگی“

ماسٹر صاحب ”اوہ کس طرح یار“

میرا سی۔ اوہ کس طرح؟ تیس خیر نال ایہہ کالج والے سکول کدی گئے

او کہ نہ“

ماسٹر صاحب ”گئے کی اسیں او تھے اسی تے پڑھنے ہاں“

میرا سی ”تے بس خدا تو ہانوں نیکی دے۔ ایہہ تو ہاٹے لوکاں دا ای گوہ

سٹن والا منتر ہیکا جے نہ۔ جیہڑا ہن اندر بیٹھا ہو یا مجلس کر رہیا جے“

ماسٹر صاحب ”تو بہ۔ تو بہ۔ نہیں استاد۔ ایہہ کدی ممکن ہو سکدا ہے؟“

میرا سی (دکھا دکھا کر ہنستے ہوئے) ”مکن شکن تے اسیں پڑھے نہیں رہیگے

پر جے حضور نوں ساڈی گل او تے اعتبار نہیں ہیکا تے چلو خاں میں تو اُنہوں

چل کے دکھا لیا وناں ہاں“

شام دت ”ہو ویکا ماسٹر جی۔ کی عجب ہیکا؟ بلکہ سچ ہو سی!۔“

ماسٹر صاحب۔ (اپنے آئیندہ معشوق سے مخاطب ہو کر مدیکوں سٹرا

چلو یہ تماشا بھی دیکھ لیں“

جواب ملا ”بہت بہتر چلے“

بد النساء کا مکان پاس ہی تو تھا۔ یہ تینوں تماشین وہاں جا پہنچے صاحب

کا میرا سی بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس نے انہیں بد النساء کے مکان کے باہر

ٹھہرا کر کہا۔ تیس ایتھے ٹھہرو۔ تے میں پہلا اندوں ہو کے دیکھ آواں“

ماسٹر جی نے کہا، ہچھی بات۔ مگر جلدی آنا“

میرا سی اندر چلا گیا۔ اور ماسٹر صاحب اپنے آئیندہ معشوق سے کچھ پوچھنے لگے تھے

کہ وہاں ایک یورپین جنٹلمین آ پہنچے۔ بد النساء کے مکان کی ڈیوڑی کے آگے کھڑے

کھڑے ہو کر ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے ماسٹر جی سے مخاطب ہو کر کہے "یادِ نشان کا یہ گھر ہے؟"
ماسٹر صاحب "یس سر" (ہاں جناب)

صاحب بہادر "اندر کل کیا ہوتا ہے؟"

ماسٹر صاحب "انگریزی میں؟" بد النساء کا یہی ہے۔"

صاحب بہادر "دہندوستانی میں؟" گانا کس کے آگے ہوتا ہے۔ کوئی صاحب لوگ ہیں؟"

ماسٹر صاحب "مسکرا کر انگریزی میں؟" صاحب لوگ تو کوئی نہیں۔ کہتے ہیں
کہ گورنمنٹ کالج کا ایک مہتر عیش اور اربا ہے۔"

صاحب بہادر چپ ہو گئے اور وہاں سے تیز قدم رفو چکر۔

ماسٹر صاحب اپنے نئے معشوق سے کہا "یہ بھی کوئی بد النساء کا عاشق معلوم ہوتا ہے؟"
جواب ملا "شاید۔"

صاحب بہادر جوں جوں ٹپی کی بارونق گلی سے گزرتے جاتے تھے۔ جا بجا سے یہی
تذکرہ سنتے جاتے تھے۔ کوواہ اوچوٹریا تیری قسمت تے رخ لعنت نی بدروتینوں۔"

صاحب بہادر کے چلے جانے کے بعد ماسٹر صاحب کے گناہ معشوق نے کہا "تو بیچے
جناب میں بھی جاتا ہوں۔ یہ ناچ تماشا آپ کو ہی مبارک ہو۔"

ماسٹر صاحب "نہیں۔ نہیں۔ مسٹر ٹھیر جاؤ ہم بھی چلتے ہیں۔"

گروہ شخص ان سے ہندگی کتا چل پڑا۔ تب تو ماسٹر جی نے بھی قدم اٹھایا۔ اور
کہا "تو پھر ٹھیرے مسٹر۔ ہم بھی آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔"

لیکن اس شخص نے ماسٹر صاحب کی التجا پر کچھ توجہ نہ کی۔ بلکہ وہ بھی صاحب بہادر
کی طرح تیز قدم اسی طرف نکل گیا۔

باقی تیسری جلد میں ہے۔

اطلاع

مستر زائف لاہور کی پہلی اور دوسری جلد چھپ کر طیار ہو چکی ہے اور

تیسری جلد زیر طبع ہے۔ وہ بھی غریب چھپ کر تیار ہو جائیگی۔ کوئی صاحب

بھائی دیانگھ کی اجازت کے بغیر ان تینوں جلدوں کے چھپانے

یا کسی اور زبان میں ترجمہ کرنے کا قصد نہ فرمادیں *

جس کتاب پر بھائی دیانگھ صاحب کی مہر نہ ہوگی۔ وہ مال مسروقہ

سمجھا جائیگا۔ کئی شخص نے ٹکے کمانے کی خاطر اس کتاب کے نام کی اور کئی

ایک کتب لکھ کر فروخت کرنی شروع کی ہوئی ہیں۔ انہیں ان کی

جائا کی مبارک اور ہمارے ناظرین کو یہ ناچیز کتاب مبارک * یہ

بھائی دیانگھ تاجر کتب لوہاری دروازہ لاہور

خوشبختی

ایک نعمت بے بہا

کوئی کچھ ہی کہے اور جتنا جی چاہے منطق چھٹا کرے۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ دنیا کی ساری نعمتوں کا لطف خاک میں ملجاتا ہے اگر دنیا دار اُس نعمت سے غلام ہے کہ جسکی بابت دنیا کی آبادی ہوزیادہ تر مفصل الفاظ میں میرا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ شخص کہ جو نام کو تو ہو مگر کسی وجہ سے فعل مجامعت کو پورے طور پر ادا کرنے کے قابل نہ ہو تو اس کو جو خوشی اُس طاقت کے حاصل کرنے سے ہوگی کہ جو اسے دنیا داری کے اس فعل میں پورا اتار سکے وہ اور کسی نعمت کے حاصل کرنے سے ہو نہیں سکتا بھلا اتنا تو بتلائیے۔ کہ دنیا میں کون ایسا شخص ہے کہ جسکو نامرد یا پسننگ کے حقیق نام سے نامزد ہونے میں خوشی ہوتی ہو؟ ایسا کوئی شخص نہیں اسی طرح کوئی کچھ کہے میرا یہ خیال دور نہیں ہو سکتا کہ مرد میں ایک تعداد خواہش ایسی موجود ہے کہ جو اسے بوقت مجامعت عورت پر غالب آئینکی طرف متوجہ اور راغب کھتی ہے اور سچ پوچھئے تو جب تک مرد فعل مجامعت میں عورت پر غالب آنے کے قابل نہ ہو تب تک علاوہ اس خوشی کے جو اس فعل سے طریق کو حاصل ہوتی ہے۔ عمدہ اور تندرست اولاد بھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ الغرض قوت جماع یعنی قوت باہ ایک ایسی قوت ہے کہ جو جتنی بڑھے مرد کو خوشی اور لطف

ہی بخشی ہے۔ بلکہ یہ قوت ہے کہ جس پر انسان کے بدن کی دوسری طاقتوں کا بہت سا
 دار مدار ہے۔ کیونکہ اس طاقت کی بناء زیادتی اور عمدگی خون اور مٹی پر ہے۔ کہ جن
 کی کمی بیشی پر زندگی کا انحصار ہے پس خوشباش پوڈر وہ عجیب و غریب دوائی
 ہے کہ جس نے عیش و نشاط کی دنیا میں میری وہ مدد کی کہ جو بیان سے باہر ہے پیو
 بڑی تلاش اور محنت سے میرے ہاتھ آیا ہے اسکی تعریف اگر کوئی اشتہاری حکیم
 لکھنے لگے لوگوں کو حیرانی کے عالم میں ڈال دے مگر اسکا مشہور نہیں ہوں کہ جس کو
 اوایل سے ہی حکمت کی صرف اس شاخ سے محبت اور انس ہے کہ جس کی بناء
 سائنس پر ہے۔ کیونکہ سارٹیفیکٹڈ علما ج سے حکیم اور مریض دونوں کی خاطر
 جمعی رہتی ہے کہ ہوا کو اینٹیں نہیں ماری جا رہی ہیں۔ بلکہ مریض کا مناسب علاج
 ہو رہا ہے۔ اس لئے میں اس دوائی اوصاف کو مبالغہ کے چٹو میں ڈال کر اس کی
 اصلی تاثیر کھونا نہیں چاہتا بلکہ ملتس ہوں کہ اس پوڈر کو آپ کسی ایسے حکیم یا
 ڈاکٹر کے پاس بیجائے کہ جو علم کسٹری یعنی علم کیمیا سے واقف ہو اور درخواست
 کیجئے کہ اس پوڈر کا امتحان کر کے بتلا دے کہ آیا اس میں ایسی اجزاء موجود ہیں۔
 کہ نہیں کہ جو بھوک کو بڑھا دیں۔ ہاضمہ کو درست کریں۔ تازہ خون اور عمدہ
 مٹی کو پیدا کریں۔ رگوں اور پٹھوں کی کمزوری اور ڈھیلا پن کو دور کریں اور
 اس طرح اس قوت باہ کو کہ جس میں کسی وجہ سے ضعف آگیا ہو۔ چند یوم میں
 ہی از سر نو پیدا کر کے ان بد علامات کا کہ جو ضعف باہ سے محسوس ہونے لگ جاتی
 ہے۔ خفا جلدی ٹھک جانا۔ خیالات کا منتشر رہنا۔ مجامعت سے خوف اور جلدی
 فراغت وغیرہ کا نشان تک نہ رہنے دیں۔ جب یہ نسلی ہو جائے تو آپ اسکا
 استعمال کریں مرنہ دوائی واپس کر کے مجھ سے اس کی قیمت واپس منگائیں۔ مگر وضع
 ہے کہ اسکا استعمال ساٹھ برس کے عمر سے زیادہ اشخاص کے لئے چندان مفید نہ ہوگا

ایسے اصحاب اُن اشتہاری حکیموں کے پاس جاویں کہ جو پیران ہشتاد سالہ کو بارہ برس کا چھوکر اپنا دینے کا دعوے کرتے ہیں۔

نوٹ۔ خوشباش پوڈر طالب علموں۔ وکیلوں۔ دفاتر کے کلارکوں اور دیگر ایسے اشخاص کے لئے کہ جو یوں تو صحیح اور تندرست ہوں مگر دماغی طاقت کے زیادہ خرچ کرنے والے ہوں ایک نہایت ہی بے بہا نعمت ہے کیونکہ اس کے استعمال سے قوت حافظہ جسکا بہت سا تعلق دماغ سے ہے نہ صرف قائم ہی رہتی ہے بلکہ دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اس پوڈر کی دو تین خوراک سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ دوائی کیا ہے نرا پڑا جاوے۔ قیمت فی ڈبیہ جس میں ایک ماہ کے لئے کافی دوائی ہے۔ محصول ڈاک و کمیشن و بیورو پے ایبل تین روپے بلا محصول و کمیشن دو روپیہ و سٹل آنہ لاہور میں بھائی دیاسنگھ کتب فروش لوہارہ دروازہ سے اور گجرات پنجاب میں حکیم میاں اس صاحب کالری دروازہ سے مل سکتی ہے۔

المشہر

ڈبلیو۔ سی۔ خوشباش۔ مصنف مسٹر یزاف لاہور

ملازم پنجاب پوسٹل ڈیپارٹمنٹ

ہنت جی کا بال اڑانے کا بیضر پود

یہ کوئی بازاری پوڈر ویسی ادویات سے تیار کردہ نہیں ہے۔ جو کہ کسی قسم کا تکلیف دہ ہو۔
اس کو ہم نے بہت تجربہ کے بعد نہایت کوشش سے تیار کیا ہے۔ جس کی فروخت باعث
کامیابی عرصہ بین سال سے دن بدن ترقی پر ہے۔ اس پوڈر کے استعمال سے بال اڑ
جاتے ہیں اور جلد صاف اور ملائم کل آتی ہے۔ یہ عام پوڈروں کی طرح چوڑے۔ پیرتال سنکھیا۔
اور آدھ صغیر اجزاء سے تیار نہیں کیا گیا۔ اور اسی واسطے بے ضرر مشہور ہو گیا ہے۔ یہ جلد کو
کسی قسم کا نقصان نہیں کرتا۔

نقول اور حیدر بیگلہ

(۱) میں نے اپنے گھر میں بذات خود ہنت جی کے پوڈر کا استعمال کر لیا۔ درحقیقت بہت ہی
مفید پایا۔ بیشک اس چیز کا ہونا بہت ہی ضروری تھا۔ دستخط خان بہادر محمد حسین خاں
اسٹنٹ سرجن آنریری مجبشر شاہ پور۔

(۲) میں نے ہنت جی کے بال اڑانے کے پوڈر کا استعمال کیا۔ اور فائدہ مند پایا۔ اس کے استعمال سے
جلد پر کسی قسم کا داء نہیں پڑتا۔ دستخط مول چند پنشنر اسٹنٹ سرجن سوئرمنڈی لاہور
اور میں نے ہنت جی کا بال اڑانے کا پوڈر کے نمونہ کا استعمال کیا۔ اور مفید مطلب پایا۔
دستخط کرپارام اسٹنٹ سرجن شفا خانہ جھنڈا ریاست ٹیپالہ۔ قیمت فی کس (۱۰) اکھائے۔
علوہ محمولہ لاگ۔

الشت

ہنت چرن داس انڈین سوز و ازان لاکر کلی

لاہور

ایک نور آدمی ہزار نور پس

ناظرین دنیا میں سے پہلے اپنے لباس کو عمدہ رکھنا چاہئے کیونکہ صحت بھی تب ہی ٹھیک رہتی ہے جبکہ عمدہ لباس ہو۔

اس واسطے ہم نے پہلے کی خاطر ایک کارخانہ سلائی متصل سے انارکلی بنام۔ بی ڈی کھٹہ اینڈ کمپنی کھولا ہوا ہے اگر آپ کو حسب خواہش عمدہ اور خوب صورت باکفایت کپڑے سلائے منظور ہوں۔ تو ہمارے کارخانہ میں تشریف لائیے اور کپڑے ٹھیک اقرار پر طیار کر دئے جائیں گے۔ اور اگر سلائی یا کٹائی میں کسی قسم کا نقص ہو تو بلا عذر دام پارچہ واپس کر دئے جائیں گے۔

بی ڈی کھٹہ اینڈ کمپنی متصل سے انارکلی

شعلہ نور عمدہ عمدہ شعر اور غزلیں

ملا و پیازہ لطیف و غیرہ

دورما چندر اولی مصنف حسن

دورما آفتاب اجودھیا مصنف غلام علی

خوشحال و سبقتی ناول

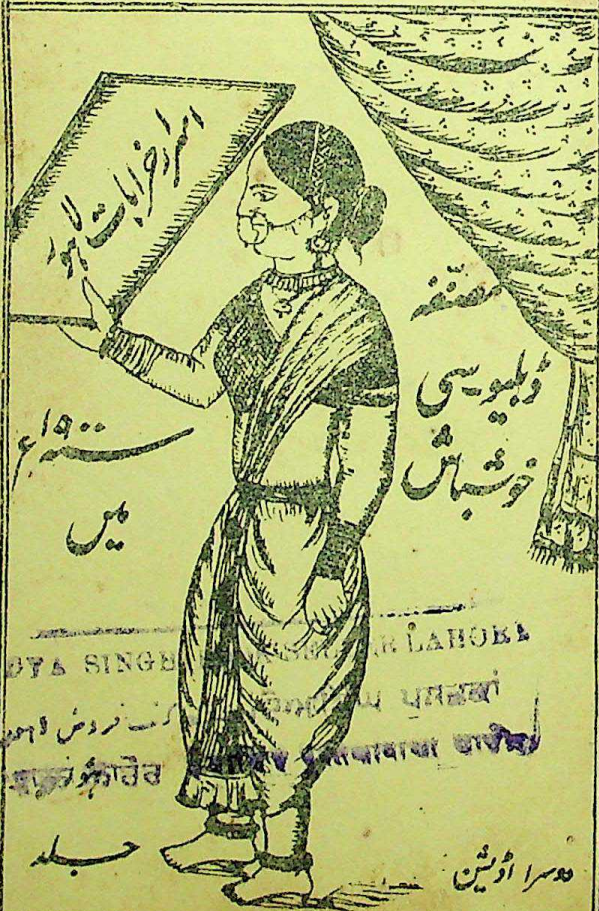
دنگلدار مصنف شر

منصور موبینا مصنف شر

پتہ بھائی داس سنگھ اینڈ سنز کاک ڈیولو ہارنجیٹ

زبان پیشین کتابوں میں حق کا نام پرانیٹ بھائی دیا سنگھ کو دیا گیا ہے راقم خوشباش

میرزا فلاح پوٹہ سوئم حسب
فرمائش بھائی دیا سنگھ ضانا جگر حسب



BYA SINGH LAHORE

کتاب فروش دہلی

موسرا اوشین

[illegible]

تیسری جلد کا دیشا

(کتاب شروع کرنے سے پہلے دیباچہ پڑھ لینا چاہئے)

”سٹریٹ آف لاہور“ کی پہلی اور دوسری جلد میں باوجود تاکید تبلیغ کے کاتب نے کئی ایک غلطیاں
 ڈالی ہیں جن کے ملاحظہ سے آپ کو ناراض ہوئے ہی ہونگے مگر میرے دل میں جو رنج پیدا ہوا وہ
 ہی ہی جانتا ہوں۔ پہلی جلد کے صفحہ نمبر ۷۰ کی آخری سطر کے اختتام پر تین چار الفاظ ہی غائب
 ہیں۔ وہ سطر اس طرح پر ہے۔ کھڑکی میں بیٹھے بیٹھے دیوان جی دس پندرہ منٹ تک بدرالنسا کی یاد میں
 گزرتے مگر کاتب نے ”بدرالنسا“ کے آگے لکھا ہی کچھ نہیں۔ شاید اس سے ڈر گیا ہو گا۔ صفحہ ۱۱۶ کی
 ۱۵ویں سطر میں ”شرداس“ کے بدلے ”تم تارام“ کا نام لکھ دیا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور کئی ایسی
 اور بزرگوار سے متعلق غلطیاں ہیں جو کاتب نے کی ہوئی ہیں۔ دوسری جلد کے صفحات نمبر ۱۵ اور
 ۹۶ پر جو انگریزی عبارت لکھی ہے وہ سراسر غلط ہے۔ پہلے کچھ لکھا تھا کاتب نے کچھ لکھ ڈالا اب کی
 موجودہ جلد چھپنے لگی تو میں نے اس انگریزی عبارت کو ہی اڑا ڈالا اور صرف ترجمہ ہی رہنے دیا۔
 میں براخوش قسمت ہوں کہ باوجود اسے ان غلطیوں کے بھی پبلک نے نہایت ہی شوق سے
 مطالعہ خوشی ظاہر کی۔ خیال کیجئے کہ پہلی جلد نے ۱۸۹۴ء میں لکھی مگر لوگوں کے دل میں اس کے
 مطالعہ کے سلسلہ کے مطالعہ کا شوق ایسا جم کر بیٹھا کہ برابر دو سال تک دوسری جلد کے چھاپنے کے
 لئے ان کی طرف سے مجھے خطوط کی وہ بوچھاڑ ہوئی کہ مجھے ہی معلوم ہے۔ ۱۸۹۶ء میں سینے دھری
 ہو گئی۔ اس کے پڑھنے سے تیسری جلد کے مطالعہ کا شوق دانگیر ہوا اور وہ شوق پورے تین چار سال
 تک ایسا گرم رہا ہے کہ پبلک کی طرف سے اس وقت تک میرے پاس اس کے جلدی شایع

کرنے کی تاکید می پھیلاتی آتی رہیں۔ اور اب مقام شکر ہے کہ تیسری جلد بھی چھپ گئی۔ رہی پہلی جلد یعنی آخری جلد سو جہاں میں چھپ گئیں وہاں وہ بھی چھپ جائے گی۔ اور تب یہ کتاب جو اب لاہور کے بڑے بڑے فرشتہ صورت اشخاص کی درپردہ کرتوتوں کا کارنامہ ہے مگر تالیف ہوئی ہوتی ناول کی صورت بگاڑ گئی ہے مکمل ہو جائے گی۔ میرا ارادہ ہے کہ چوتھی جلد میں دیوانہ اور شرعی متی بھاگ دیتی کے تعلق کا جلد ہی خاتمہ کر کے باقی صفحات جو کم از کم ایک سو کے قریب ہوں ان اشخاص کی کرتوتوں سے متعلق لکھے جاویں کہ جنہوں نے پچھلے چار پانچ سال کے ایک مہینے میں محض اپنی ذاتی اغراض کے پورا کرنے کے لئے کئی ایک بنی بنائی اور چنگی بھلی سوسائٹیوں کو اٹا پٹا کر دیا ہے +

(۱۲) پنجاب۔ مالک مغربی شمالی اور دیگر صوبہ جات کے ان انگریزی اور اردو اخبارات کا کہ جنہوں نے جس کتاب کی پہلی اور دوسری جلد پڑھ لیوں "رقم فرمائے اور نیز ان اصحاب کا کہ جن کے علم و عنایت نامہ جات میرے ناقص کام کی تعریف میں میرے پاس پہنچے۔ میں تیر دل سے شکر ہوں مگر افسوس کرتا ہوں ان لوگوں پر کہ جو ان دونوں جلدوں کے مقبول عام ہونے پر ٹوٹی جلد پائیوں پر لیٹنے لگ گئے اور تب ہی اٹھے کہ جب محض ٹکے مکمانے کی خاطر انہوں نے میری کتاب سے ملتے جلتے ناموں کی دیگر کتابیں چھاپنی شروع کر دیں۔ کسی نے "لاہور کیان کا کچا چھٹا" نام دیکر ایک پمفلٹ لکھ مارا۔ کسی نے بجائے "سٹریٹ آف لاہور" کے جو میری تصنیف کردہ کتاب کا نام ہے "لاہور کی سٹریٹ" نام رکھ کر ایک دو ورق کی کتاب چھپی تھی کہ وہی کر دی۔ غرض ان جاہلوں نے میرے مدعا سے واقف ہو سکنے کی قابلیت نہ رکھنے کی وجہ سے میری کتاب کے نام کی بدولت ہی بہت کچھ کمایا۔ چنانچہ دس ہند رہ دن ہوئے کہ میرے ایک دوست ایک آٹھ صفحہ کا چھپا ہوا کاغذ میرے پاس لا کر کہنے لگے "بیچئے سٹریٹ خوشباش۔ جدید سٹریٹ آف لاہور ہے اس کو پڑھئے گا۔"

پڑھا تو معلوم ہوا کہ سٹریٹ یعنی غدر کے زمانہ سے پہلے کی ایک داستان کا سوال وجواب کے پیرایہ میں تذکرہ لکھنا کسی نے شروع کیا ہے۔ لیکن ندم رکھ دیا ہے +

ہے "جدید سٹریٹ آف لاہور" میں نے اپنے دوست سے پوچھا کہ اس کا مصنف کون ہے؟ وہ بولے یہ تو معلوم نہیں مگر "دوار کا نام تھے انید کپنی" کے ہاں یہ چھپ رہی ہے۔ عندالذریافت معلوم ہوا کہ چونکہ "دوار کا نام تھے انید کپنی" کو میں نے ۱۹۵۷ء میں سٹریٹ آف لاہور کی پہلی جلد کو دوبارہ (مگر صرف آٹھ سو کاپیاں) چھاپ لینے کی اجازت دی تھی اور وہ کاپیاں اُن کے قریب کے ہاں سے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئیں اس لئے لاچ میں بھیس کر مہنوں نے ایک معمولی کمائی کو یہ نام دے کر چھاپنا شروع کر دیا ہے۔ اس کے جواب میں جو کچھ میں نے کہا تھا وہ بھی وا

(۳) اس ضابطہ سے بچانے کی خاطر اپنے ناظرین کی خدمت میں یہ گزارش کرنا ضروری ہے کہ میری کتاب کا نام "سٹریٹ آف لاہور مصنفہ ڈی بی۔ سی۔ خوشباش" ہے۔ اور یہ کتاب بھائی دیا سنگھ کتب فروش لاہور لوہاری دروازہ سے مل سکتی ہے۔ اور میں نے حق کاپی رائٹ ہمیشہ کے لئے اُن کو دے دیا ہے۔

(۴) اخیر میں میں اپنے دوستوں کی دنیا کے سردار اور سرتاپا خوبی محترمہ لیان چند صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل ڈی۔ پلیڈر۔ راول پنڈی کی اس حد کا جو مجھے تو ان تینوں جلدوں سے متعلق دی تیرہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یہ مہتمہ صاحب کی ہی تحریک تھی کہ جس سے حوصلہ پا کر میں نے اس ناول کو لکھنا شروع کیا تھا۔ ورنہ میرا خیال تھا کہ میری کوشش رائگاں جائے گی۔

آج مہتمہ صاحب مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ "کیوں سٹریٹ خوشباش کو اتنی مشہوری کسی اور ناول کی ہوئی کہ جتنی آپ کی سٹریٹ آف لاہور کی ہوتی ہے" ہے مگر گھر میں اس کا چرچا کہ نہیں؟

میرا مدعا مفصل طور پر پہلی اور دوسری جلد کے درمیان ہو چکا

الراستم

آتم بنده وزیر خزانہ

ملازم پنجاب پوسٹل ڈویژن

مشریز آف لاہور کی تیسری جلد

سلسلہ کے لئے دیکھو جلد اول و دوم

سولہواں باب

منشی کرم نرائن

ناظرین

ابھی تو ماسٹر جو گرجا کا دل خوشی سے جھل رہا تھا کہ اتنی مدت کے کم شدہ گناہم
دلربا کے ساتھ اتفاقاً ایک آدھ گھڑی مل بیٹھنے کا موقع مل گیا یا ابھی اُس کے دفنہ
اُس یورپین صاحب بہادر کے پیچھے دوڑ جانے سے یہ حال ہو گیا کہ اپنا سامنے لے کر
ماسٹر جی قدم قدم پر لڑکھڑانے لگے اور شام دت سے بھد شکل یوں ہم کلام ہوئے کہ
جوگ راج ”دس بھی شام دت ہن کی کر بیئے“

شام دت جو خود بھی ایک خوش شکل نوخیز اور بانکا چھوڑا تھا اور ماسٹر جی کا دل
نوازی بھی۔ اس وقت بشارت سے کام لے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ مسکراتا ہوا بولا۔

”پرانا یا ہم کرو“

جوگ راج ”اس داکی مطلب۔“

شاہدوت "مطلب ایہ کہ پڑانا یا م کر کے پتہ لگاؤ کہ وہ کتنے چلا گیا ہو گا اور فیر بھی
 تھا گئے پھندے وچ کد سی آوسی کہ نہ۔"

جوگ راج "خوب۔ توں بھی مین ساڈے نال محول گرسن جوگا ہو پیا اس ۹
 شاہدوت دت مسکرا کر محول کون کو الے ماسٹر جی۔ میں تاں نیک صلاح تہا توں نے
 اے۔ لوگ جے کہہ رہے تے کہ ماسٹر موری لوگ بھیاں وچ بڑا کمال رکھتے
 نے ایس کر کے میں کہیا کہ اچ اوہ علم ایٹھے ای کم آجائے۔"

جوگ راج "ہلا پیٹھے کہہ لے جو تیری مرضی اے۔"

القصد اس قسم کی باتوں میں ماسٹر جی کی بے قرار طبیعت کو کونکے پسند نظر شاگرد نے
 قدرے درست کر لیا اور یہ دونوں بھی اُسی طرف نکل گئے کہ جس طرف ہمارا سپاہی اڑ
 اُسے صاحب بہادر کے پیچھے دوڑ گیا تھا۔

ہمارے نظر میں سمجھ گئے ہونگے کہ وہ یو دین خٹکین جس کا بھی ہم نے ذکر کیا ہے
 دیوان وینا نا تھا ہی تھا۔ اور یہ بھی کہ باوجود بھیس بدلتے کہے وہ ہمارے سپاہی اڑے
 کی نظر سے بچ سکا اور پہچانتے ہی سپاہی زادہ دیوان صاحب کے تعاقب میں چلا
 گیا تاکہ جلدی اُن سے مل کر ذری پوچھے تو سہی کہ کیوں مہاراج اپنی معشوق کی کیا خبر
 لگائے ہو۔ اور اُس کے چمن حسن میں کیسے کیسے گھنچیں دیکھ آئے ہو۔ مگر فسوس دیوان
 صاحب بہت دور نکل گئے اور سپاہی زادہ اُن کو پکڑ نہ سکا۔ اسی طرح ماسٹر صاحب بھی
 سپاہی زادے کو باوجود تعاقب کرنے کے نہ پاسکے۔ بلکہ وہ تو اپنے مکان پہنچا کہ دخل دفتر
 ہو گئے۔ لیکن سپاہی زادہ اپنے مکان پر پہنچنے سے پیشتر ایک ایسی مصیبت میں پھنس
 گیا کہ جس کا ذکر کئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے۔ وہ بیچارہ تیز قدم اٹھاتا اور راستہ پوچھتا تب
 اُس میدان میں پہنچا جو کنور تو تہال سنگھ کی عالی شان حویلی کے اندر واقع ہے تو
 دہاں اسے ایک پستہ قد اور مقطع وضع کا شخص ایک مکان کے گے گھر نظر آیا۔ پس

جا کر اس نے اُس سے دریافت کیا کہ کیوں جی۔ وچھوالی کو کدھر سے جانا چاہیے۔
 اُس شخص نے سپاہی زادے کے چہرے کو بڑی توجہ سے امتحان کر کے صاف جواب
 دینے کی بجائے پوچھا۔ ”آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ کیا آپ لاہور کے ہی رہنے
 والے ہیں۔“

سپاہی زادہ۔ ”میں دالانویں لاہور کا ہی ہوں۔ مگر اس محلہ میں سے پہلے کبھی
 نہیں گذرا۔ اس لئے مہربانی کر کے مجھے وچھوالی جانے کے لئے نزدیک
 راستہ بتا دیجئے۔“

وہ شخص۔ ”کیا کوئی جلدی کا کام ہے؟ اگر نہیں تو آئے غریب خانے چل کر ایک آٹھ
 بان کی گاوری ہی منظور کیجئے۔“

سپاہی زادہ۔ ”صاف فرمائے۔ بادل ٹھیک آیا ہے اور مجھے گھر میں جلدی پہنچنا ہے۔“
 وہ شخص۔ ”تو چلئے میں آپ کو آپ کے مکان پر پہنچا آتا ہوں۔“

سپاہی زادہ۔ ”آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں؟ مجھے صرف راستہ بتا دیجئے۔“
 وہ شخص۔ ”ذرا تکلیف کی خوب کہی۔ آئیے آئیے۔“

اتنا کہ اُس شخص نے سپاہی زادہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اُسے وہاں سے لے
 نکلا۔ سپاہی زادے نے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ سے فوراً نکال لیا اور کہا۔ ”اگر آپ ضرور
 تکلیف ہی گوارا کرنا چاہتے ہیں تو ذری آگے ہو جائے۔ اور جلدی جلدی مجھے بازار میں
 پہنچا دیجئے۔ پھر میں چلا جاؤں گا۔“ وہ شخص بولا۔ ”بہت اچھا۔ بازار کچھ بہت دور
 نہیں۔ یہ ساتھ ہی تو ہے۔ آئیے آئیے۔“ جنانچہ وہ شخص سپاہی زادے کو تھوڑی دور
 آگے لاکر کھڑا ہو گیا۔ اور بولا۔ ”لیجئے جناب۔ اگر یہی مرضی ہے تو پھر آپ اس سامنے کی
 کوچہ بندی میں داخل ہو کر دائیں ہاتھ ہوجائے۔ پورے پچاس قدم کے بعد آئیے وچھوالی
 کے بیچ یعنی ہر چہرے مصر کی چوٹی کے پاس پہنچ جاویں گے۔ یہ بہت ہی نزدیک راستہ

ہے۔ بنگلی ۴۰

سیاہی زادہ اُس شخص کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سامنے کی کوچہ بندی کے اندر داخل ہو گیا۔ کوچہ بندی اُس دروازے کہتے ہیں جو گلی کے باہر اس غرض سے بنایا جاتا ہے کہ رات کو بند کرنے کے بعد گلی میں کوئی فالتو شخص نہ آ سکے۔ یہ دروازوں کو اکثر کیواڑیں لگی ہوتی ہیں مگر آج کل بہت ایسی کوچہ بندیاں کیواڑوں کے بغیر بھی بنائی جا رہی ہیں۔ جس کوچہ بندی کا ہم ذکر کرتے ہیں۔ اس کو کیواڑیں لگی ہوئی تھیں۔

ابھی دس ہی قدم گیا ہو گا کہ ایک موٹر آگیا۔ سوچا کہ اس موٹر کا اختتام شاید بازار میں ہو گا لیکن جب موٹر سے اگے قدم رکھا تو کچھ نہ تھا۔ گلی بند اور دیوار۔ تب تو سیاہی زادہ کو نہایت ہی بے قراری ہوئی اور خیال پیدا ہوا کہ دھوکے میں پھنس گئے۔ جیب سے پستول نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور واپس ہونا چاہا کہ کسی نے پیچھے سے اگر دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ مخلصی کے لئے چارہ بے فائدہ تو نہ ہوتا مگر فسوس و آدمی دہاں اور آہنیچے اور اکیلا سیاہی زادہ ان تینوں کے بس میں آگیا۔ گلی ایک برائے نام گلی تھی۔ یعنی نہڑ لہائی میں ہی بس دس بارہ قدم بلکہ مکان بھی اُس میں صرف دو ہی تھے۔ اور وہ بھی ایک دوسرے کے مقابل۔ حملہ کرنے والوں نے کوچہ بندی کی کیواڑیں اندر داخل ہوتے ہی بند کر دی تھیں۔ اس لئے وہ جگہ اب پوری حوالات بنگلی۔ معمولی عورت ہوتی تو شاید اتنے پری چیخ چیخ کر مر جاتی۔ مگر یہ بھاگ دنتی تھی ۴۱

ہاتھ پائی میں اس ایک اکیلی جان کو ان تینوں بد معاشوں سے مخلصی تو نہ ہو سکی مگر اس پستول کو کوٹ کے کسی پاکٹ میں بڑی پھرتی سے چھپایا۔ کیونکہ ایک تو اسے ڈانٹتا موقع نہ ملا دوسرا اسے خیال آیا کہ اگر ان بد معاشوں نے پستول قابو کر لیا تو جان کی خبر نہ ہوگی۔ ان تینوں میں سے دو نے تو اُس کے دائیں بائیں کھڑے ہو کر اس کے ایک ایک ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں قابو کر لیا اور تیسرا بد معاش اس کے عین مقابل کھڑا

ہوا بصدقت و سماعت کہنے لگا۔ میرے دلبر دو بوسے رخسار کے اور ایک بوسے

بکا غنایت کر دیجئے اور پھر رخصت یا

ہلے تو سپاہی راوے نے اس شخص کو نہ پہچانا کہ کون تھا کیونکہ کلی میں سخت اندھیرا
تھا اگر آواز سے معلوم کیا کہ یہ تو وہی شخص ہے جس نے راستہ بتلایا تھا اپنا فقر ختم

کے جو ہیں اُس بد معاش نے سپاہی راوے کو بغل گیر کرنے کے لئے دونوں

ہاتھ پھیلائے۔ اُس نے اُس کی چھپاتی میں ایک ایسی زور کی لات ماری کہ اسکے

بوٹ کی آئین دار ایڑی کی ضرب اُس کے کلیجے کو منہ تک لے آئی اور وہ شخص

باتے اوطالم بکا پکارتا ہوا دلوار کے ساتھ پیچھے کے بل ٹھوکر کھاتا زمین پر گر پڑا اور

دھڑا اور دھڑکیا سپاہی راوہ رہا ہو گیا کیونکہ وہ دونوں بد معاش اسے چھوڑ کر سے بھاگنے

لگ گئے۔ بس پھر کیا تھا۔ ہمارا بہادر کوچہ بندی کا دروازہ کھولتے ہی باہر نکل گیا اور

ایک کوچہ میں سے (جو معلوم نہ تھا کہ کدھر کو جائے گا) تیز قدم گذرنا آخر کار بازار میں جا

ہی پہنچا۔ جہاں سے ایک پولیس والے کی مدت سے یہ اپنے مکان پر بخیر و عافیت

پہنچ گیا۔

اب اُس بد معاش کی سنتے کہ بوسے کے عوض جوتی کھا کر وہ زمین پر گر پڑا ہی بے

ہوش ہو گیا۔ اُس کے ساتھیوں نے بہتیرا جتن کیا مگر وہ ہوش میں نہ آیا۔ اسلئے

وہ دس پندرہ منٹ انتظار کر کے اُسے اٹھا کر اسکے مکان پر لے گئے۔ یہ وہی مکان

تھا جس کے گے سے سپاہی راوہ ملا تھا۔ مکان پر پہنچتے ہی کہرام مچ گیا۔ لاہجی

کو کیا ہوا؟ اسے منشی صاحب کو کیا ہوا؟

کوئی حکیم کی طرف دوڑ گیا۔ کوئی ڈاکٹر کی طرف۔ کوئی بستر سجھانے لگ گیا۔ کوئی نگینہ

گرم کرنے لگ گیا۔ کوئی مالش کے لئے تیل لانے چلا گیا۔ تب تو معلوم ہوا کہ وہ شخص

جسے ہم بد معاش کہتے تھے۔ بد معاش ہونے کے ساتھ ہی متمول بھی تھا۔ تھوڑی

دیر تک سینہ پر سبک جو کیا۔ اسے ہوش آگئی لیکن درد کی شدت سے بیکراہی بہت تھی

اتنے میں خان بہادر ڈاکٹر جیم خان صاحب جن کے لائے کے لئے آدمی اور
 کے تھے۔ تشریف لے آئے۔ خان صاحب اپنی قابل تصرف عادت کے موافق
 واپسنگان خان کی قسم لی کہ گئے اور بیمار کے ہمارے ایک کرپٹ ڈی
 کر بیٹھ گئے۔ پوچھا کہ کیوں منشی صاحب کیا ہوا۔ منشی صاحب نے لائے
 کر کے بولے۔ کیا بتاؤں۔ ان لوگوں سے جو چھوٹے چھوٹے تو پتہ کرنے کی
 طاقت نہیں۔ یہ منشی صاحب نے غالباً یہ عذر اس لئے پیش کیا کہ معلوم
 ان کی سب ہوشی کی حالت میں لوگوں سے دیکھتے ان دونوں شخصوں نے
 جو اس کے ہمارے تھے) لوگوں کے سامنے عاجز کی کیفیت کو کس طرح بیان
 کیا ہے۔ اور اب اگر ان کا بیان ان کے بیانات سے مختلف نہکے تو حقت
 رسوائی ہو۔ چنانچہ جب خان بہادر موصوف نے نوکروں سے دریافت کیا تو
 انہوں نے کہا کہ تجویزات تو کچھ بھی نہیں منشی جی اپنے دروازے کے باہر کھڑے
 ہوئے تھے ہم لوگ بھی پاس تھے۔ ادا کو دیکھ کر منشی جی نے کہا کہ دو چار قدم اٹھ آؤں
 بس دس بارہ قدم ہی گئے ہونگے۔ کہ ایک سچچڑ اور ڈاکٹر آگیا۔ منشی جی مٹ کر ایک طرف ہو
 گئے تھے کہ اس سچچڑ نے ان کی چھاتی میں زور کی گری جس سے منشی جی گر پڑے
 اور بے ہوش ہو گئے۔ بس ہم نہیں اٹھا کر لائے آئے خان بہادر نے پوچھا
 کیا اس سچچڑ کے سینک تھے؟ جواب ملا جی نہیں۔ اس کے بعد خان بہادر
 نے منشی صاحب کا سینہ خوب خور سے دیکھا بھالا اور فرمایا۔ کچھ فکر نہ کیجئے آرام فرمنا
 عرض ڈاکٹر صاحب نے کاغذ قلم منگا کر ایک نسخہ لکھ دیا۔ اور کہا کہ جب تک نسخہ تیار نہ
 ہو جائے تاہین کے تیل کی مالش کرتے جاؤ اور دو گھنٹے کے بعد جب دوائی تیار
 جائے تو ایک خوراک چاکر گرم گرم روٹی باندھ کر انہیں لے دینا۔ نیند آجائے اور صبح
 میں سچچڑ کو دیکھوں گا۔ دس روپے قبل خان بہادر کی منگائی گئی۔ اور غصہ نہ کیا
 بابت حیرت اور ڈاکٹر صاحب کی نفرت کو وغیرہ سے معلوم ہوا کہ مرض کا نام منشی آدمی

نہ۔ اور شاید کسی سرکاری ادارے پر نشان لگنا ہے۔

سوطھویں باب کو ختم کرتے ہوئے ہم اپنے ناظرین کو تھوڑی سی تکلیف دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ اگر آپ مہربانی کر کے ہمارے اُس وعدے کو پورا دھویں باب میں ہم کر آئے ہیں (مسٹریز آف لاہور جلد دوم صفحہ ۱۱۵ و ۱۱۶) کہ لالہ علی بی داس۔ سپاہی زادہ اور دیوان دینا ناتھ کے ساتھ جو واقعات ٹمپرس سوسائٹی کے جلسہ منعقدہ باولی صاحب سے پیشتر پیش کئے۔ انہیں ہم عرض کر نیکی۔ ایک دفعہ پھر پڑھ لیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ پورا دھویں پورا دھویں۔ اور سوطھویں باب میں جو حالات ہم نے بیان کئے ہیں وہ سب اُسی وعدے کے مطابق ہیں اور اُن سب کا وقوع اُس تاریخ سے پیشتر کا ہے کہ جس کو مسٹر گڈنارٹ نے باولی صاحب میں لکچر دیا تھا گو یا تھوڑا باب جس میں مسٹر گڈنارٹ اور اُن کے جلسہ کا ذکر ہے اصل میں اپنے واقعات کی تاریخ کے لحاظ سے سوطھویں باب کے بعد اس کتاب میں درج ہونا چاہئے تھا تاہم ہرج کی کوئی بات نہیں۔ واقعات کے ساتھ ساتھ تاریخیں اور تفصیلیں درج ہیں اور آپ لوگ کوئی ایسے استحاج نہیں کہ ناول کے دھنگ کو نہ سمجھ سکیں۔ آپ کو یاد دلاتے ہیں کہ اب ہمارے ذمہ صرف لالہ علی بی داس کے جہلم جانے اور وہاں سے واپس آنے سے متعلق دو چار الفاظ لکھنے کے سوا اور کوئی تذکرہ باقی نہیں رہا۔ کہ جس کی خاطر آپ کا لطف کھٹا ہو گا..... یا جس کے کی خاطر اس وقت تک کی بیان شدہ داستان کا سلسلہ بگڑ جائے۔ بلکہ ہم یقین سے کہ جب لالہ علی بی داس کے سفر جہلم کا حال ہم میان کر چکینگے تو آپ خود بخود اپنا اشتیاق ظاہر کرنے لگ جائینگے کہ چچا جی پر سب کچھ تو ہوا اگر وہ تو کہتے کہ تمہیں سو سائٹی کے رجسٹر پر لاہور کی غیاش پارٹی کے دستخط ہونے اور جلسہ کی برخواستگی کے بعد داستان کدھر کو پہلی۔ سو اب ہم دیر

نہیں کرتے اور جھٹ پٹ آپکو سنائی دیتے ہیں کہ جب لالہ علی صاحب
 جہلم پہنچے تو وہاں انکے افسر نے اُس دفتر کے حساب کو کہ جس کی پڑتال کے لئے یہ
 گئے تھے نہایت ہی خراب حالت میں پایا اور یہ لاچار سی امر ٹھیکر اکہ لالہ علی صاحب
 صاحب کو اس خراب حساب کو صاف کرنے کے لئے کم از کم دو مہینے کے لئے جہلم میں ہی
 رکھا جاوے۔ چنانچہ مسٹر تری سٹی۔ نے صدر دفتر لاہور سے لالہ صاحب کے جہلم میں
 کے لئے بذریعہ تار اجازت منگوالی اور بن کا عارضی ڈیر اوڈنڈا جہلم میں مقرر کر دیا۔
 لالہ صاحب نے بھی بقول شخصہ کہ قہر درویش برجان درویش۔ تار خربے کر
 اپنے ملازم میر اکبر ضروری اسباب کے اپنے پاس بلالیا اور تا صدور حکم ثانی انہیں
 جہلم کے آب و دانہ پر رہنا پڑ گیا۔

ستارہواں باب

ایک باقریہ اور مغز محبس

۱۸۸۲ء کے ۱۵ جنوری کی ۲۷ تاریخ کی شلم کو میں نے ہماری داستان کے دوستان
 میدان پر پورے پانچ مہینے بعد ہم اپنے ناظرین سمیت دیوان دینا نامہ صاحب
 کے در دولت چل کر ایک جگہ میں شریک ہوتے ہیں۔ یہ جگہ کس تقریب پر ہوا
 اور اس میں کون کون اصحاب تشریف لائے۔ اس کی تفصیل کرنے سے پیشتر
 ہم اتنا بیان کر دینا یہاں مناسب سمجھتے ہیں کہ پریڈ کے وقوع کے بعد جب کہ صاحب

دران کی پارٹی۔ مسٹر بجنی و صاحب جان۔ اور ممتاز غیرہ کی بوجہ عدم ثبوت
 توالی کی کھینچ نان سے رہائی ہو گئی۔ او او دھڑ لالہ لعلی داس صاحب جہلم کو تشریف
 لے گئے اور اس سے اگلے زور کے وقوع محلہ بئی کے بعد جب مسٹر جوگ اچ بھج
 تمام دست ہمارے سپاہی زادہ کے اشتیاق و ملاقات سرگردان اپنے مکان کو
 لوٹ گئے اور جب ہمارا سپاہی زادہ صاحب جان کو دروازہ ہمارے گوش میں
 مبتلا چھوڑ دیوان دینا ناتھ صاحب کے تعاقب میں بدر آگیا کہ مکان کا سرسری
 نظارہ دیکھ اور راستے میں ایک بدعاش کے بچے سے مشکل رہائی پا کر اپنے مکان پہنچ
 گیا۔ تب سے ۲۷ جنوری ۱۹۱۷ء تک ہمیں کوئی دل چسپ واقعہ دیکھنے یا سننے کا موقع
 نہ ملا۔ سوائے اس جلسے کے جو مسٹر گڈ ہارٹ نے باولی صاحب میں منعقد کیا کہ مسکا
 بیان ہم کر گئے ہیں۔ لیکن جب ۲۷ مارچ ماہ جنوری ۱۹۱۷ء کو ہم دیوان دینا ناتھ
 صاحب کے مکان پر گئے تو وہاں سے ہم کو اپنے احباب متعلقہ ناول کے کئی ایک
 حالات جو اس بابچہ مینے کے عرصے میں ہمیں معلوم نہ ہوئے تھے۔ دستیاب
 ہوئے جنہیں بدینہ نظر بن کیا جاتا ہے۔

اس شام کے سات بجے کے قریب کہ جب جنوری کی سردی مزے مزے سے
 چمک رہی تھی۔ دیوان صاحب کے مکان پر لاہور کے نامی گرامی خاندانوں کے کئی
 ایک رگوں اور نوجوانوں اور شہر کی اعلیٰ سوسائٹی کے کئی ایک چیدہ ارکان کی ایک
 مجلس لگ رہی تھی۔ اس مجلس کا انعقاد ایک نہایت ہی عالیشان کمرے میں
 ہوا کہ جس میں نئے نئے سوانح شستوں کا انتظام ہوا ہوا تھا۔ کمرے کی سچ دھج بالکل
 سادہ تھی مینے فرش پر تو ایک خوب صورت دری بھی تھی اور دری پر لگی ہوئی لکی بید کی
 بٹی ہوئی کرسیاں رکھی تھیں۔ روشنی کا نور برسانے کو سقفی لمپ ادیزاں تھے جو
 دیواروں کے ساتھ بڑے بڑے نامی گرامی رقیق سروں، شاعروں، منصفوں اور

بادشاہوں کی سچ و سچ سے لگائی ہوئی نقاد ویر کا حضور مجلس کو درشن کر رہے تھے
 کمرے کے ایک سرے پر خوب صورت میز فرش سے کچھ بلند بنا ہے ہوئے چوڑے
 پر رکھی تھی جس کے پاس چار پانچ لڑکیاں دھری تھیں۔ جب سات بج گئے
 تو ایک محترم شخص نے جکے رگ و ریشہ سے شرافت کا نور برساتا تھا اٹھ کر دو چار
 الفاظ میں دیوان صاحب کے ناموں صاحب سے التجا کی کہ وہ صدر کی کرسی پر
 رونق افروز ہوں اور اپنے نیک نژاد بھائی یعنی دیوان دینا ناتھ صاحب کو اپنے
 پاس بٹھلائیں تاکہ لاہور کے رؤسائے اہل ہند و اسلام کی طرف سے اُن کی خدمت
 میں دیوان دینا ناتھ صاحب کے اکسٹراسٹنٹ کمشنر مقرر ہونے پر ایڈریس
 مبارکباد پیش کیا جاوے۔ چنانچہ یہ التجا قبول ہوئی اور خوشی کی تالیو نکلی ٹپ ٹپ میں
 دیوان صاحب کے ناموں صاحب اپنے بھائی کے مقرر جگہ پر براجمان ہو گئے۔ ان ایک
 اور محترم شخص نے جو اہل اسلام کے ایک نامور بزرگ تھے اٹھ کر ایک تحریری ایڈریس
 پڑھا۔ جس کا لب لباب یہ تھا کہ ”لاہور کے باخداگان کیا اہل ہند و اور کیا اہل اسلام کو
 دیوان دینا ناتھ صاحب کے اکسٹراسٹنٹ کمشنر ہونے پر آج جو خوشی حاصل
 ہوئی ہے اُس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں کہ جنہوں نے کچھ دیر پہلے کسی باغ
 کے خوش ذائقہ پھل پھولوں کا رس چکھ کر لطف حاصل کیا ہو مگر بد قسمتی سے اُس
 باغ میں کچھ عرصے کے لئے خزاں نمودار ہو جائے اور انہیں اُس رس اور لطف
 کی یاد میں تڑپنا پڑے اور خدا نخواستہ اگر کے پھر بہار کا منہ دیکھیں۔ اے رؤسا و بزرگ
 لاہور اس مثال سے میرا مطالب آپ سمجھ گئے ہونگے اور ہم میں ابھی تک ایسے
 صاحب موجود ہیں جنہوں نے دیوان دینا ناتھ صاحب کے والد ماجد اور جد امجد کی
 حقیر لاہور کیا پنجاب بھر کو ایک وقت کشن ارم کا نمونہ بنا ہوا دیکھا۔ اور جنہوں نے
 جی بھر بھر کر ارم اور حرم کے خوشے چنے لکر اُن فرشتہ سیرت باغبانوں کے چلے

جانے کے بعد ایک عرصہ تک بے چینی سے ایک ایک ساعت کو گریں کر کھاتی تھیں کہ
 بڑی انتظار کے بعد آج پھر وہ دن ہمیں نصیب ہوا کہ ہمیں آرام و آسائش دینے
 والے خاندان کی یادگار یعنی دیوان دینا ناتھ صاحب کو خداوند کریم نے انکے آباؤ
 اجداد کی طرح ہم پر حکم ان بنایا۔ اور پھر اسی لاہور میں کہ جہاں انکے بزرگ ہمارے
 سرپرست اور نگہبان رہ چکے ہیں۔ تو بس اس تقریب پر ہم حسبِ اسی مختصر و مفید
 باشندگان لاہور اس عالیشان ایوان میں حاضر ہو کر دیوان دینا ناتھ صاحب اور
 ان کے ماموں صاحب کو اس جلیل القدر مرتبہ اور عزت افزائی پر جو گورنمنٹ برطانوی
 کی عنایت سے دیوان صاحب کو حاصل ہوئی تیرہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں اور خدا
 سے دعا کرتے ہیں کہ دیوان صاحب کا دن بدن مرتبہ بلند و عمر طرز ہو اور ہر دلچسپ
 اور ناموری میں اپنے پیڑگوں کی طرح چار دانگ عالم میں مشہور ہوں!“
 ناظرین جب وہ مہتمم شخص اُس ایڈریس کو جس کا لب لباب بلکہ بہت ہی مختصر
 اختصار ہم نے اوپر کی جید سطور میں یہاں درج کیا ہے۔ پڑھ چکا تو اُسکے جواب میں
 پہلے دیوان صاحب کے ماموں صاحب نے پنجابی زبان میں روضہ باشندگان
 لاہور کا نہایت ہی انکساریہ الفاظ میں شکریہ ادا کیا اور عوام کی اُس دعا میں جو
 دینا ناتھ کی درازی عمر اور ترقی جلال کے لئے ایڈریس مذکورہ میں لکھی گئی تھی۔
 اپنی بھی دلی شرکت ظاہر کی۔ من بعد دیوان دینا ناتھ صاحب نے ایک نہایت
 ہی نصیب تقریر کی جس میں انہوں نے بندگان موجود الوقت کا دم ملک اور قوم کی
 بہتری کے لئے از بس ضروری اور غنیمت ثابت کیا اور ان سے اپنے اور اپنے
 ہم عمر لوگوں کے حق میں ہمیشہ دعا خیر کرنے کی استدعا کی۔ اور ساتھ ہی اُس
 ہمدردی کا کہ جو حضار جلسہ اور باشندگان لاہور ان کے لئے ان کے آباؤ اجداد کے
 ساتھ وقتاً فوقتاً ظاہر کرتے رہے تیرہ دل سے شکریہ ادا کر کے کہا کہ یہ سب ان کے

خیر خواہوں کی دلی عنایت و مہم دہی کا نتیجہ ہے کہ اُن کو خدا اور گورنمنٹ انگریزی
 نے ایک ایسا موقع بخشا ہے کہ جس کے ذریعہ وہ اپنے ہم وطنوں اور بھائیوں کی
 خدمت گزاری کا فخر حاصل کر سکیں گے۔ یہ سطور بھی اے ناظرین اس تقریر کا جو دیوان
 صاحب نے کی اختصار کا اختصار ہیں۔ اور چونکہ ہم اس جلسہ کی کارروائی کو بہت ہی
 تھوڑے الفاظ میں بیان کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اب اتنا ہی ایذا کرنا باقی رہا
 گیا ہے کہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے یہ مجلس اُن اشخاص سے پر تھی جو دیدہ و
 دانستہ کسی کی بُرائی میں شاذ و نادر ہی شامل ہوتے ہونگے بلکہ یہ سب کے سب
 پاک منش اصحاب تھے کہ جو پر اوپر کا رہنے رفاه عام میں دل کے دل سے ہر دقت
 مصروف رہنا اپنی زندگانی کا اعلیٰ معیار سمجھتے تھے۔ البتہ ان میں ہمارے ایک
 پرانے مہربان تھے جنہیں ہم اس تعریف کا جو ان لوگوں کی ہم نے کی پورا مستحق نہیں
 سمجھ سکتے۔ وہ کون تھے۔ بس ہماری داستان کے بانی یعنی لالا گنگارام صاحب
 ٹھیکہ دار۔ لالا صاحب موصوف آج کل اپنے گزشتہ شعیب دار چلین کو بڑی سرگرمی
 سے درست کر رہے تھے اور دل سے اس بات پر کمر بستہ تھے کہ کسی طرح سے انہیں
 نیک آدمیوں کی صحبت ملتی رہے۔ اور چونکہ وہاں کے موجودہ الوقت اصحاب کا انتخاب
 ایک ایسی کمیٹی نے کیا تھا کہ جس میں صرف وہی لوگ شامل ہو سکتے تھے کہ جن کو اپنے
 عمدہ چلن اور نیک عادات پر نہ صرف فخر بلکہ تحکم حاصل ہو اُس لئے۔ لالا گنگارام صاحب
 کا اس مجلس میں دکھائی دینا ہمارے ناظرین ایک مبارک شگون خیال کریں۔ اور
 ہمارے ساتھ مل کر دعا مانگیں کہ لالا صاحب کے چال چلن کے برخلاف ہمیں
 کوئی شکایت کا موقع نہ ملے عرض مفصلہ بالا کارروائی کے بعد جب جلسہ برخواست
 ہونے لگا تو دیوان صاحب کے ماموں صاحب نے ہاتھ جوڑ کر حضار محفل سے ہٹا
 کی تشریف لے جانے سے پیشتر سب اصحاب مہربانی کر کے دوسرے کے ہاتھ

محفوظی دیر کے لئے رونق افروز ہوں اور ایک ایک کول (پالیاں) چاہ کا پیٹے جائیں
 چنانچہ یہ درخواست منظور ہوئی اور بڑی پاکیزہ منی مذاق میں چاہ کا دو رو جو بنیا
 بڑا پر تکلف تھا ختم ہوا۔ لوگ خضت ہوئے اور سب سے پہلے پہلے دیوان صاحب
 اپنے اصلی باشندگان خانہ کے ساتھ وہاں گئے مگر جب چاہ والے کمرے سے نکل کر
 دیوان صاحب اپنے سونے والے کمرے میں جانے لگے تو صحن میں سے کسی نے
 ان کے مقابل ہو کر دونوں ہاتھ جوڑ کر بڑی نرم اور حلیم آواز سے کہا: "منسکار بہاراج
 اس تابعدار کی بھی مبارک قبول فرمائیے" یہ فقرہ جو ہم نے اونپر لکھا ہے ابھی ابھی
 والا نکال ہی رہا تھا کہ دیوان صاحب اسی کی شکل کو فوراً پہچانتے ہی کمرے سے فوراً باہر
 نکل پڑے اور اس شخص کو بغل گیر کرنے کے لئے اُس کی طرف اس طرح دوڑے
 جس طرح مقتناطیس لوہے کو پکڑنے کے لئے بڑھتا ہے۔ مگر اُس شخص نے بڑی زانی
 اور ہمت سے ایک دو قدم پیچھے ہٹ کر دیوان صاحب کو اپنی طرف آتے اپنے
 ہاتھوں پر پنجال لیا یعنی اپنے دونوں ہاتھوں سے اُن کے ہاتھ پکڑ لئے اور مسکراتے
 ہوئے کہا: "آگے تو صرف دیوان صاحب تھے اب ڈپٹی صاحب بھی ہو گئے اس لئے
 ہم آپ کی یاد میں اب کیونکر رہ سکیں" وہ شخص تو اپنی ہمت اور استقلال سے بات
 بھی کرتا جاتا تھا اور مزاج پُرسہی بھی۔ مگر دیوان صاحب کا یہ حال تھا کہ اُن کا سارا بدن
 ماسے خوشی کے کانپ رہا تھا اور کچھ بن نہ آتا تھا کہ وہ کیا کہیں اور اپنے دل کی خوشی
 کو جو انہیں اُس شخص کے ملنے سے ہوئی کن الفاظ اور کس زبان سے ظاہر کریں۔ آخر
 جو کچھ کہا گیا وہ انگریزی زبان میں یہ تھا کہ "آؤ آؤ" میرے پیارے دوست مجھے ایک
 دم کے لئے بیٹھ جانے دو تاکہ میں بات کرنے کی تاب اور ہوش پیدا کر سکوں۔ ان
 الفاظ کے ساتھ ہی دیوان صاحب نے اپنے دوست کو اُس کمرے میں جس میں اٹیڈیٹس
 پیش ہوا تھا کھینچ کر ایک کرسی پر جا بٹھایا اور آپ ایک آرام کر رہے ہیں پر دم سے گر پڑے

ان کا دوست ان کی اس ساری حالت سے سمجھ گیا کہ انہیں اس کی ملاقات سے
 اصلی اور دلی خوشی حاصل ہوئی ہے اور یہ اس خوشی کا خوش ہے جو انہیں پہلے قرار
 کر رہا ہے۔ بہر حال دیوان صاحب نے ڈبڈباتی ہوئی آنکھیں اپنے دوست کی آنکھوں
 سے جس میں بھی آنسو بھر آئے تھے ہلا کر پوچھا۔ ”ولائی مائی ڈیر مسٹر بھاگ سنگھ۔ آپ اتنی
 مدت کہاں رہے اور اس وقت کہاں سے تشریف لائے۔ دیوان صاحب کا ہاتھ تقریباً
 تھا جس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ انہیں اُس وقت پسند خاطر اور موزوں الفاظ
 کہ جن سے وہ اپنے دوست کی مزاج پرسی کریں اُس وقت ملنے مشکل ہو گئے تھے۔
 ان کے اُس شوق کو جو انہیں اس دوست کی ملاقات کا تھا دیکھ کر کون اُنکی
 مفصلہ بالا مزاج پرسی کو کافی سمجھ سکتا ہے۔ مسٹر بھاگ سنگھ نے کہا مجھے بھی
 تھوڑا سا دم لے لینے دیجئے اور پھر عرض کرتا ہوں۔“ اسپر دیوان صاحب نے گہرائی
 جہی آواز سے پوچھا۔ ”خیر وہ تو سب کچھ بھیجے کہا سنا جاوے گا۔ پہلے آپ تو یہ بتائے
 کہ آپ نے کھانا تو ابھی نہیں کھایا؟“ اس سوال کے جواب میں مسٹر بھاگ سنگھ
 مسکراتا ہوا بولا۔ ”جی میں کھانا دانہ کھا کر آیا ہوں“

امٹھا رصواں باب

بچھڑے ہوئے دوستوں کی ملاقات

بھاگ سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا ”آپ کی سہیلانی میں گھر سے کھانا کھا کر نکلا تھا۔“

دیوان جی ”تو بچھڑا ایک پیادہ چلے گا تو ضرور پی لیجئے۔“

بھاگ سنگھ ”جی اُس کی بھی اس وقت خواہش نہیں۔“

دیوان صاحب ”پڑ پڑا آواز سے“ ”مخوب۔“

بھاگ سنگھ ”جس چیز کی مجھے ضرورت ہوگی میں خود عرض کر دوں گا۔“

دیوان صاحب ”بہت بہتر۔ اچھا تو آپ فرمائیے کہ آپ اتنی دیر تک یہ کیا لاپرواہی یا کسی اور جگہ۔“

بھاگ سنگھ ”کیا آپ کو پیرید والے وقوعہ کی تاریخ یاد ہے۔“

دیوان صاحب ”تاریخ کیا ایک ایک منٹ اور گھنٹہ یاد ہے۔“

بھاگ سنگھ ”اچھی بات۔ اور اُس سے اگلے دن کی شام کے وقوعہ کی تاریخ یاد ہے۔“

دیوان صاحب ”مسکراتے ہوئے“ ”کوئی کونسا وقوعہ؟“

بھاگ سنگھ ”مسکراتے ہوئے“ ”کیا اُس کی تفصیل کی ضرورت ہے۔“

دیوان صاحب ”اُسی شناس حالت میں“ ”نہیں ماسٹر۔ کوئی ضرورت نہیں۔“

مجھے سب کچھ یاد ہے۔ آپ اپنا مطلب فرمائیے۔

بھاگ سنگھ۔ ”بس اُس دن سے لیکر کل شام تک ہم لوگ لاہور سے باہر تھے

ہیں اور کل چار بجے شام کے پھر اس جگہ واپس آئے ہیں۔“

دیوان صاحب۔ ”خوب۔ لیکن یہ کس جگہ؟“

بھاگ سنگھ۔ ”یہ سب کچھ ہی عرض کرنے تو میں آیا ہوں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ

شاہد میری داستان کے سننے کے لئے آپ کے پاس وقت نہیں۔“

دیوان صاحب نے یہ جواب سنتے ہی اپنی کرسی سے اُٹھ کر مسٹر بھاگ سنگھ کی کرسی

کے بہت ہی نزدیک کر لی اور اُس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑتے ہوئے

کہا۔ ”مائی ڈیر فرنڈ۔ آپ کی داستان اور اُسکے سننے کے لئے میرے پاس وقت کا نہ

ہونا! آپ نے ایک ہی کہی۔ مائی ڈیر مسٹر بھاگ سنگھ۔ اگر دنیا میں سچائی کوئی

چیز ہے تو آپ اُسکو اپنے اور میرے درمیان ضامن جان کر میری بات یقین کریں

کہ جو خوشی مجھے اس وقت آپ کے ملنے سے ہوئی ہے۔ وہ نہ تو اکسٹرا سٹائی

کے ملنے سے ہوئی ہے اور نہ ہی لوگوں کے اس مبارک بادی ایڈریس سے آپ

سے ملنے کی خوشی کا بلکہ مجھ سے اس وقت کسی ہی طرح اظہار نہیں ہو سکتا۔

زبان ہے۔ وہ مائے خوشی کے پھول گئی ہے۔ ہاتھ میں وہ خوشی سے کانپ

رہے ہیں۔ پاؤں ہیں انہیں کھڑا ہونے کو زمین نہیں ملتی۔ عرض میرا تن اور

من اپنی کل طاقتوں سمیت اس وقت آپ کے چہرے پر پرتا رہا ہے میں کہ آج آپ کے

دل میں ایسا کونسا غنائت کا خیال آیا کہ میرے غریب خانہ کو آپ نے بلا میری درخواست

کے اپنی تشریف آوری سے منور اور روشن کر دیا۔ مسٹر بھاگ سنگھ آپ سچ جانتے

کہ اگر پریشہ کو میری آئندہ بہتری کا خیال ہے تو مجھ پر ضرور وہ دن لاوے گا کہ

جب میں آپ کو بجائے دوست کے ”بھائی“ کے پیارے لفظ سے مخاطب کیا

کر دنگا

ناظرین۔ جب دیوان جی سڑ بھاگ سنگھ یعنی ہمارے سپاہی زادے
 کی آنکھوں میں آنکھیں لگا کر متذکرہ بالا الفاظ اس کو مخاطب کر رہے تھے تو
 اُن کی عجیب کیفیت ہو رہی تھی۔ بھاگ سنگھ کے حُسن خداداد پر پچھلے پانچ
 مہینے کے عرصہ میں جو بن کا وہ رنگ آگیا تھا کہ اب اُس کی طرف نظر تھیر کر
 دیکھا بھی نہیں جاتا تھا۔ بلکہ وہ خود بھی اپنے زنا نہ بدن کو مردانہ لباس میں
 بڑی مشکل سے چھپا سکتا تھا۔ چنانچہ یہ باتیں کرتے جاتے تھے۔ اور
 گھوڑوں پر سپاہی زادے کے حُسن پر لٹو ہوتے جاتے تھے۔ دل ہلے
 حیرانی کے بیچ و تاب کھا کھا کر اچھل رہا تھا کہ اگر کوئی روک ٹوک نہ ہو تو فوراً
 باہر نکل کر اُس بُت سمیں کی بلائیں لینی شروع کر دے۔ اور سچ پوچھئے تو
 سپاہی زادے کی آب و تاب اُس وقت ایسی بڑھ چڑھ کر تھی کہ جس پر
 درو دیوار بھی قربان ہو رہے تھے۔ سر پر تو اُس کے وہی گنگی اور ایک
 تھوڑا سا کلاہ تھی جو وہ پہلے پہنا کرتا تھا۔ مگر موسم سرما کی وجہ سے اُس وقت
 بو کوٹ اُس نے پہنا ہوا تھا وہ ایک غضب برپا کر رہا تھا۔ یہ ایک اعلیٰ
 قسم کے سمور کا کوٹ تھا جس کی چاروں طرف بیضیہ رنگ کا شفاف اور
 مایم سمور کا حاشیہ تھا اور چمکیلی سیاہ کنڈیز کی زمین اُس میں سے پیارے پیارے
 نقشے اور گلابی گردن جس انداز سے نمودار ہو رہے تھے وہ دیوان صاحب کی
 خوبصورتی پسند نوجوان کو شش اتصال سے بے قرار کر رہے تھے۔ غرض
 دیوان صاحب نے جب اپنے دل کی کیفیت کو اپنے رفیق بظاہر کر دیا
 تو اب اُس کے بولنے کی باری آئی۔ چنانچہ وہ اپنی عادت کے مطابق پڑے
 اس سے بول لگے دیوان جی۔ جو کچھ آپ نے میری عزت افزائی میں

کی ہے اس کام میں دل سے شکر یہ ادا کرتا ہوں۔ اور بجائے اس کے کہ
 آپ پر یہ ثابت کروں کہ میں آپ کی اس قدر عنایت کا مستحق نہیں ہیں آپ
 داستان کو شروع کرتا ہوں۔ جسے براہِ نوازش درسی غور سے سنئے گا۔
 داستان شروع ہونے سے پہلے دیوان صاحب نے کمرہ کے دروازے پر
 بند کر دیے اور رامی صاحبہ کو اندر کھلا بھیجا کہ وہ ان کی انتظار نہ کریں بلکہ آرام
 سے سو جائیں۔ ان کے ایک دوست آگئے ہیں جن کے ساتھ کچھ دیگر
 تک گفتگو میں مصروف رہینگے۔ اور چونکہ مبارکبادی جلسہ بھی کھانے کے
 وقت کے پیچھے ہوا تھا اس لئے دوستوں کو خضعت کرنے کے بعد دیوان
 صاحب اور ان کے وابستگان خانہ کے لئے دراصل سولے آرام کرنے کے
 اب اور کوئی کام نہ تھا۔ چنانچہ جب بے فکری ہو گئی تو سیاہی زاد سے
 حال حسب ذیل بیان کیا۔ وہ بولا: "لیجئے دیوان صاحب۔ میں آپ کی خدمت
 میں سب کچھ عرض کئے دیتا ہوں۔ ۲۷۔ اگست ۱۸۸۷ء کی شام کو جب آپ
 پوربن بھیس میں بدالنسا کے مکان کے آگے سے اُس کے ہاں گئے سچانے
 شور سنتے ہوئے اور میری اُس بات کی جو میں نے ۲۶۔ اگست کی شام کو
 ساتھ آپ سے خضعت ہوتے ہوئے کی تھی تصدیق کرتے ہوئے اپنے
 اور ایک مہتر کی عشق بازی کا حال سنئے ہوئے بچی کی گلی سے نکل گئے۔
 بھی آپ کے پیچھے ہو لیا۔ مگر افسوس میں آپ کو بکڑی سکا ورنہ ضرور پوچھ
 کہ کیوں مہاراج ابدالنسا کے جو بن کی بہار کے منہ لٹھنے میں مہتر
 جو ہرے بھی آپ کی طرح اچھلاشی رہتے ہیں۔ بلکہ وہ لوگ تو بے خوف
 نظر اپنا مطلب نکال لیتے ہیں۔ لیکن آپ ایسے شریف اور لائق و فاضل
 بادجو وال و مسلح کے صانع رہنے کے جتنی تکتے رہ جاتے ہیں۔

خیریت۔ اس بات سے متعلق فی الحال میں کچھ اور کہنا یا آپ کی طبیعت کو بہتر
رہا نہیں چاہتا۔ بلکہ ان دو چار لفظوں کے لئے بھی جو میرے منہ سے نکل گئے
میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔“

دیوان صاحب چاہے جو کرسی پر بیٹھے سپاہی زادے کی تقریر اور
مستور چہرہ کی طرف متوجہ تھے۔ انگریزی میں بول اُٹھے۔ ”بہت اچھا۔ پھر کیا
ہو۔“ آپ کہہ گئے۔ ”وہ بولا۔“ بس آپ کے تعاقب میں ناکامیاب رہ کر میں
ایک گلی میں نکل گیا جو آگے میں نے کبھی نہ دیکھی تھی اور چونکہ بادل جھبک
لے گئے تھے۔ اور مجھے مکان پر پہنچنے کی بہت جلدی تھی اس لئے میں نے
ایک شخص سے جو ایک بڑے عالیشان مکان کی ڈیڑھ سی کے آگے کھڑا تھا
پوچھا کہ کوئی کون نکل جانے کا راستہ پوچھا۔ مگر وہ شخص نہایت ہی شیطان سیرت
کا۔ اُس نے مجھے غلط راستہ بتلادیا۔ غلط راستہ کیا مجھے اُس نے ایک بند
پل کی زد میں داخل کر دیا اور دو آدمی لے کر مجھ پر آ پڑا۔ مگر خیریت گزری اور
میں کو جب آپ جس طرح ہوا میں اُن بد معاشوں کے پنجہ سے خلاصی پا کر آخر کار اپنے مکان
پر پہنچ گیا۔“

اس جگہ دیوان صاحب نے اس کی بات روک کر پوچھا۔ ”لیکن اُس شخص
نے آپ پر حملہ کیا کیا اور کیوں کیا؟“ اُس نے آپ سے کچھ چھیننا چاہا تھا
اس سوال کے جواب میں سپاہی زادہ کچھ لہجاتا ہوا بولا۔ ”وہ شخص کچھ بدظن
اور بدکردار سا معلوم ہوتا تھا مگر اپنے ارادے میں کامیاب ہونے سے پہلے ہی
وہ اپنی سزا پا گیا اور میری مخلصی ہو گئی۔“

دیوان صاحب۔ ”مہربانی کر کے اس ماجرے کی ذری تفصیل دیجئے۔ بھی
کچھ سمجھ میں۔“

سیا ہی زادہ مسکرتا ہوا بولا "تفصیل یہ ہے کہ جب اُس شخص نے مجھے
غلط راستہ بتلا کر ایک ایسی گلی میں داخل کر دیا جو آگے جا کر میں نے بند پائی
تو میں پچھلے پاؤں لوٹ پڑا۔ مگر قبل اس کے کہ میں اُس گلی سے باہر ہو جاؤں
وہ شخص مع دو اور شخصوں کے مجھ پر آ پڑا۔ ان دو شخصوں نے میرے
کھڑے ہو کر میرے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور وہ شخص میرے عین سامنے کھڑے
ہو لاکہ دو تین بو سے دے دے۔ اور پھر جدھر چلی جا رہے چلے جاؤ۔ مگر جو نہی اُس
مُنہ سے یہ الفاظ نکلے میں نے اُس کی چھاتی میں لوٹ کی ایک ایسی ٹھوکر
مار سی کہ وہ بے ہو کر زمین پر گر پڑا اور وہی دونوں شخص جو مجھے پکڑے
کھڑے تھے فوراً اُس کو سنبھالنے لگ گئے۔ بس میں رہا ہو گیا اور دو تین
گلی میں سے نکل کر بازار میں پہنچ گیا۔ جہاں سے پوچھتا پوچھتا میں اپنے
مکان پر چلا آیا۔"

دیو الضاحب "اور وہ بد معاش مرا کہ بچا؟"

سیا ہی زادہ "پریشہ کو معلوم۔"

دیو الضاحب "لیکن اُس کو پہچان تو اب بھی سکتے ہو نگے؟"

سیا ہی زادہ "شاید سنجو بی نہ پہچان سکوں۔"

دیو الضاحب "اور اُس کا مکان تو نہیں بھولا۔"

سیا ہی زادہ "مکان کا پتہ تو البتہ ہے۔"

دیو الضاحب ایک بی سانس یکسر چپ ہو گئے اور دو تین سیکنڈ کے بعد

اچھا صاحب پھر؟"

وہ بولا "بس مکان پر پہنچ کر کچھ مجھ پر بتی تھی میں نے والدہ سے کہنا

پھر یہ کہہ دیا۔ مگر والدہ نے کہا کہ اُس شخص نے تجھے کڑوا کر دے

چٹھی لاکر ہمیں دی۔

ان الفاظ کے ساتھ سپاہی زادے نے گورے گورے ہاتھ سے سموی کوٹ کی جیب سے ایک چٹھی نکال کر دیو انصاحب کو دیدی۔

دیو انصاحب نے وہ چٹھی لیکر مسکراتے ہوئے فرمایا۔ ”تو آپ اپنی دستان سے متعلق کاغذات وغیرہ بھی اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔“

سپاہی زادہ بولا۔ ”بیشک۔ کیونکہ مجھے آپ ایسا ہمدرد اور مہربان رفیق جو میری داستان کو دل سے سنے بلا مشکل ہے۔“

دیو انصاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”یہ آپ کا حسن ظن ہے۔“ اور پھر چٹھی کو دیکھنا شروع کیا۔ سب سے اول لفظ کو دیکھا۔ اُس پر انگریزی میں لکھا تھا۔

”پاس شری سٹی بھاگ دنتی دختر دیوان برج لعل مرحوم سابق رسالہ ارمحہ و چھو الی لاہور۔“ چٹھی بھی انگریزی تھی جس کا ترجمہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:-

مورخہ ڈیرہ اسماعیل خاں - ۲۶ - اگست ۱۸۸۰ء

”مائی ڈیر بھاگ دنتی - میرے خاوند نے نیشن حاصل کر لی ہے۔ اور ہم لوگ تقریباً ایک ہفتہ تک انگلستان کو روانہ ہو جائیں گے۔ کچ کر نل برون اور میں بڑی دیر تک آپ کے والد مرحوم کی باتیں کرتے رہے اور اُس شریفانہ برتاؤ کی جو وہ میرے خاوند کے ساتھ خصوصاً اور رسالہ کے دیگر لوگوں کے ساتھ عموماً رکھتے تھے۔ بڑی تعریف ہوتی رہی۔ اور آخر کار کرنل صاحب نے مجھ سے التجا کی کہ میں آپ کو ایک دعوتی رقعہ لکھوں کہ اگر آپ اپنی والدہ سمیت ہم لوگوں کو جاتی دفعہ الوداعی درشن عنایت کریں تو ہم بڑے خوش ہوں گے۔ اپنی والدہ کو ہمہ کن خدمت میں میری اور کرنل صاحب کی ارزو بھری سلام کہہ دیجئے۔“

اپنی صہق
ایمن برون

دیوان صاحب نے چٹھی پڑھ کر فرمایا۔ ”مگر یہ تو آپ کی ہمشیرہ کے نام ہے۔“

سپاہی زاوہ۔ ”جی ہاں۔“

دیوان صاحب۔ ”لیکن آپ کا تو اس میں ذکر تک بھی نہیں۔“

سپاہی زاوہ۔ ”جی اسکی وجہ وغیرہ میں آپ سے عرض کر دوں گا۔“

دیوان صاحب۔ ”بہتر۔ تو یہ“ ایلیں بروں کر نل بروں کی میم صاحبہ ہیں۔“

سپاہی زاوہ۔ ”جی۔ اور کرنل صاحب رسالہ کے کمان افسر تھے۔“

دیوان صاحب۔ ”خوب۔ اچھا۔ پھر۔“

سپاہی زاوہ۔ ”بس یہ چٹھی دیکھتے ہی ہم لوگ اسی شام کو ڈیرہ اسماعیل

خان کو روانہ ہو گئے اور ۳۱۔ اگست ۱۸۵۷ کو واپس جا پہنچے۔ کرنل صاحب اور

اُن کی میم صاحبہ نے ہم کو اپنے قریبی رشتہ داروں کی طرح اپنے بنگلہ پر اتارا

کمال مہربانی اور محبت سے ہمارا اسرار حال پوچھا۔ عرض ہم سے بدلنے پر

از بس خوشی ظاہر کی۔ یہاں تک کہ میم صاحبہ تو بھاگ و ہنسی کو اپنے پاس

سے ایک منٹ بھی جدا نہیں کرتی تھیں بلکہ اُنہوں نے کئی دفعہ برسے صدق

دلی اور جوش بھری خواہش سے بھاگ و ہنسی کو اپنے ساتھ ولایت لیجانے

کی ہماری والدہ سے اجازت مانگی مگر والدہ کو اُس کی جدائی کب منظور ہو سکتی

تھی۔ وہ میم صاحبہ کی اس امر میں معافی ہی مانگتی رہی۔ آخر الامر میم صاحبہ

نے رخصت ہونے سے ایک دن پیشتر رسالہ کے یورپین اور دیسی افسروں

اور نیز سپاہیوں کی غور۔ توں کو اپنے ہاں مدعو کیا اور سب کو والدہ صاحبہ اور

بھاگ و ہنسی سے ملایا۔ وہاں ایک عجیب بہت شانہوا۔ میم صاحبہ نے تجویز

پیش کی کہ آؤ سب کے سب مل کر ایک عکسی تصویر اترائیں اور اُس کی ایک
ایک کاپی ہر ایک لیڈی جو حاضر ہے اپنے پاس بطور یاد نگار رکھے۔ اس پر
رسالہ کی آدھی عورتیں تو راضی ہو گئیں اور آدھی داناں سے چلی جانے کو
اٹھ کھڑی ہوئیں۔ کوئی کچھ کہتی تھی اور کوئی کچھ اور میم صاحبہ ہر ایک کی بات
کا بڑی خندہ پیشانی اور خوش سلوپی سے جواب دیتی تھیں۔ غرض بڑی بحث
کے بعد گیارہ مستورات کی ایک تصویر اتروائی گئی۔ جو میں ابھی آپ کو
دکھلاؤنگا۔ دوسرے دن جو رخصت کا دن تھا۔ کرنل صاحب اور میم
صاحبہ نے بھاگ دنتی کو چند ایک تحائف عنایت کئے کہ جب اُس کی
شادی ہو تو اُن کی طرف سے جہیز میں رکھے جا دیں۔ ان تحائف کی قیمت
عقربا دو ہزار روپیہ کے ہوگی۔ اُسی دن ہم نے بھی کئی ایک چیزیں جو
والدہ مرحوم نے مختلف مقامات سے بطور سوغات منگائی ہوئی تھیں۔
میم صاحبہ کی نذر کیں جو انہوں نے برے اصرار کے بعد منظور کیں جس وقت
رخصت کا عین موقع آیا اُس وقت میم صاحبہ نے ایک اور الوداعی
تصویر اتروائی جو بڑی ہی خوب صورت ہے۔ اس تصویر میں کرنل صاحب
تو میری والدہ اور بھاگ دنتی سے مل کر ٹوپی ہاتھ میں لئے ایک طرف
کھڑے ہیں اور بھاگ دنتی اور میم صاحبہ ہاتھ ملا کر رخصت ہو رہی ہیں
یہ تصویر بھی میں ابھی آپ کو دکھلانا ہوں۔ غرض جب ہمارے آقا اور
اُن کی بیگم صاحبہ شکر میں بیٹھ گئے تو اُس وقت میم صاحبہ نے بھاگ دنتی
کو ایک بند لفاظ دیکر کہا کہ یہ آپ کے واسطے نہیں ہے۔ بلکہ جس کو واسطے
ہو اُس کو آپ نے جب ملود پڑایا۔ اس کے بعد کرنل صاحب اور میم
صاحبہ تو رسالہ کے حوازیں دمر کے فخر و ثناء سے مسرت کی دھوم سے روانہ

ہوئے۔ اور ہم لوگوں کو اب سالہ کے دیسی افسروں نے جو میرے والد کے
 کے ساتھ اور ماتحت کئی ایک لڑائیوں میں شامل رہے تھے۔ دعوتیں
 دینی شروع کیں۔ چنانچہ پورے ڈیڑھ ماہ کے بعد ہم لوگ ڈیرہ سہیل خاں
 سے رخصت ہوئے۔ پہلے تو ارادہ واپس لاہور آنے کا ہوا لیکن والدہ کی
 یہ صلاح ٹھہری کہ لاہور چلنے سے بیشتر فیسروں پر ہوتے جائیں تاکہ
 بھاگ دنتی کی شادی سے متعلق جناب ماموں صاحب سے صلاح و مشورہ
 لیتے چلیں۔ چنانچہ ہم سالہ کے کئی رخصت پر جانے والے عہدہ داروں
 کے قبائل کے ساتھ ڈیرہ سے روانہ ہو کر ملتان پہنچے۔ مگر ملتان اور
 دہلی کے درمیان جو واقعہ ہمارے ساتھ پیش آیا۔ اُس میں اگر بھاگ دنتی
 ذری بھی بہت مار جاتی تو شاید علاوہ ہمارے مال و متاع کے نقصان ہو
 جانے کے بھاگ دنتی اور دوسری تین چار عورتیں کی جو اُس کے
 ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں جان بھی جاتی پڑے۔

اتنا کہہ کر سپاہی زادے نے تھوڑا سا دم جو لیا تو دیوان صاحب
 بے قراری ہو کر بول اُٹھے۔ ”ماں۔ ماں۔ اس واقعہ کا حال بیان کیجئے
 گا۔“

سپاہی زادہ بولا۔ ”اُس واقعہ کا اس طرح پر حال ہے کہ ہم لوگ ملتان
 رات کی کارڈی میں سوار ہوئے۔ اور وہ اس لئے کہ علی الصبح رات دہلی
 پہنچ کر فیروز پور روانہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ جب شکاری کے ایشیوں سے مل
 روانہ ہوئی تو آٹھ بجے بارش شروع ہو گئی۔ رات بھی گھٹاؤپ اندھیری تھی
 اس بے بھاگ دنتی اور اُس کے ساتھ کی چار عورتیں جو ہمارے رسالہ کے
 عہدہ داروں کی عورتیں تھیں۔ انہیں اندھیرے میں رکھ کر اُس کے

لیٹ گئیں۔

دیوان صاحب۔ لیکن یہ عورتیں کونسے درجے میں تھیں؟
 سپاہی زادہ۔ ہوں تو رسالہ کے ایڈیٹر صاحب نے ہم کو اور رسالہ کے دوسرے
 عہدہ داروں کو بھی قیامیل سمیت دوسرے درجہ کا پاس دیا تھا مگر ملتان سے
 جب ہم روانہ ہونے لگے تو دوسرے درجہ میں انگریزوں کی بھیڑ بھاڑ دیکھ کر ہم لوگوں
 نے اسٹیشن ماسٹر سے تیسرے درجہ کا ایک خانہ مستورات کے واسطے علیحدہ
 لے لیا۔ اور روانہ ہوئے۔ دوسرے کمرہ میں بیٹھ گئے۔ گویا مستورات ایک
 علیحدہ کمرے میں تھیں؟

دیوان صاحب۔ اچھا۔ پھر؟

سپاہی زادہ۔ بس پھر یہ ہوا کہ منگمری سے ابھی دو تین میل ہی ریل چلے ہوئے
 کہ اُس عورتوں کے کمرہ کی دونوں طرف کی کھڑکیوں میں سے بیٹھے پورب اور گچم
 کی جانب سے دو شخص اندر گھس آئے۔ بد قسمتی سے وہ کمرہ دوسرے کمرے
 سے کیڑا کی دیوار ہونے کی وجہ سے بالکل علیحدہ تھا۔ بس عورتوں کے تو ان کی شکل
 دیکھتے ہی اوسان خطا ہو گئے اور وہ لگیں جتنی چیلانے لگے تھاکے دہشتی نے حوصلہ
 کو اتھسے نہ دیا۔ اُس نے گرج کر ان سے پوچھا۔ تم لوگ کون ہو؟ اس سوال
 کے جواب میں ان میں سے ایک نے پستول دکھا کر تھاک دہشتی سے کہا۔ اگر تم
 ہمارے خیر مانگتی ہو تو سب کی سب اپنا اپنا زور ہمارے حوالہ کر دو۔ ورنہ جانے ہاتھ
 دھو بیٹھو گی؟ یہ حال دیکھ کر دوسرے نے جھٹ پٹ دوسری مستورات کے سر پر مارنے سے ایک
 ڈبہ اٹھا کر انیل میں ڈال لیا مگر تھاک دہشتی اُس پر چھٹی پڑی اور پشتر اسکے کہ وہ اسکی چھٹی کا
 تواسہ تیار کیا۔ کش کش میں مودہ کے پورب والی کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر جا پڑا عرف
 ہی نہیں کر لگا وہ عورت جسکا ڈبہ لگا رہا تھا کھلی ہوئی کھڑکی سے اُس کی کھڑکی سے

نیچے گر پڑی۔ تب تو بھاگ و نشتی کو بڑھتا ہوا آگیا۔ اور اُس نے حیل کی نہ تھی۔
 اُس پستول والے شخص کو گالے سے پکڑ لیا اور دوسری عورتوں کی مدد سے
 اُسے نیچے پر گرا کر اسی کی پکڑی سے اُس کی مشکبیں باندھ دیں مشکبیں بھی اپنی
 باندھیں کہ ہسکا بچلا دم نیچے اور اوپر کا اوپر ہونے کو لگیا۔ یہ کہے بھاگ نشتی نے
 وان پر کھڑی ہو کر پہلے تو اُس رستی کو جو گارڈ کی گاری سے انجن تک لگی ہوتی ہے
 رنوٹ۔ یہ رستی آجکل نہیں رہی زور سے دو تین دفعہ بلایا تاکہ گارڈ یا ڈرائیور نے انکو
 کی حرکت اور اُس کے ساتھ لگی ہوئی گل کی آواز کو سنکر ریل کو کھڑا کرے اسکے بعد
 اُس نے ساتھ والے کمرہ میں رسالہ کے مردوں کو بلانے کے لئے جھانکا۔ مگر نہ
 وہاں انہیں سے کسی کو نہ پایا۔ یہاں دیوان صاحب پھر بول پڑے۔ پوچھا۔ گارڈ
 کہاں تھے؟ کیا آپ بھی اُن رسالہ والے اشخاص کے ساتھ ہی تھے؟ سپاہی زاد
 نے مسکراتے جواب دیا۔ میری بابت آپکو اقتتام داستان پر سب حال معلوم ہو
 جائیگا کہ میں کہاں تھا۔ ابھی آپ سنتے جائیں ۴
 دیوان صاحب۔ بہت۔ اچھا۔ پھر ۵

وہ بولا۔ بس پھر تو بھاگ و نشتی کو بھی تردد سا ہو گیا کہ نہاے کے لوگ
 رکھ گئے۔ اور اب وہ لوگوں کو اپنی مدد کے لئے بلانے ہی لگی تھی کہ ریل کی
 رفتار میں کچھ استنگی سی معلوم ہونے لگی۔ ابھی استنگی ہوئی کہ ابھی ایک جھٹکا
 سا لگا اور آخر کار ایک دم سے کھڑی ہو گئی۔ ریل کے کھڑے ہونے پر
 و نشتی کو بڑی خوشی ہوئی۔ وہ جان گئی کہ یا تو گارڈ نے اور یا ڈرائیور نے اسکو
 والے نے رستی کی حرکت پر ریل کو کھڑا کر دیا ہے۔ چنانچہ اُس کا خیال صحیح نکلا
 ریل کے کھڑے ہونے کی دیر تھی کہ ایک فرنگی گارڈ ماتھے میں ایک روشن تیلی
 کے ساتھ ساتھ کھڑا ہوا اور ایک ایک گاڑی کے

لوگوں سے باواز بلند ہو گھٹنے لگ گیا۔ کہ رسی کو کس نے بلایا تھا۔ ابھی دو
 تین کاریوں میں سے ہی اُس نے دریافت کیا تھا۔ کہ بھاگ دنتی اُسکی آواز
 سن کر اپنے کمرہ سے بزبان انگریزی بڑے زور سے بول اُٹھی۔ ”اس طرف آئیے
 مسٹر گارڈ۔ اس طرف۔ میں نے رسی بلائی تھی۔“ یہ سنتے ہی وہ بھاگ دنتی کے پاس
 پہنچ گیا۔ اور اُس نے اُس کو کل ماجرے کی کیفیت کہہ سنائی۔ چونکہ بھاگ دنتی
 نے انگریزی زبان میں گفتگو کی اس لئے گارڈ نے کچھ حیران سا رہ کر سب اُدل
 اُس سے بڑے ادب سے یہ کہا۔ کہ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آیا آپ سچ سچ
 ہندوستانی لیڈی ہیں جیسا کہ آپ کہہ چکی ہیں یا آپ کے اپنے آپ کو ہندوستانی
 لباس سے ملبوس کرنے میں کچھ راز یا مصالحت ہے۔ کیونکہ آپ کی رنگت اور
 گفتگو سے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اصل میں کوئی یورپین لیڈی ہیں لیکن
 کسی مصالحت سے آپ نے ہندوستانی لباس زیب تن کیا ہوا ہے۔ اس کے
 جواب میں بھاگ دنتی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”مسٹر گارڈ میں اصل ہندوستانی
 لیڈی ہوں۔ مگر چونکہ میں نے سچپن سے اپنے باپ کی لطیف جو صیغہ جنگ میں
 ایک نامدار افسر تھے یورپ میں طریق پر تعلیم تربیت اور پرورش پائی ہے۔ اس لئے میں
 نے اپنے مطلب کو انگریزی زبان میں بیان کیا ہے۔“ غرض جب گارڈ نے بتی کی
 روشنی سے اُس شخص کو جو مستورات کے کمرہ میں مشکیں باندھے پڑا تھا۔ دیکھا تو
 وہ نہایت ہی متحجب ہو کر چلا اُٹھا کہ ”ہیلو۔ اس شخص کو تو میں جانتا ہوں۔ اسے
 فتح دین تم کہاں؟ مائی گاڈ! گارڈ ابھی یہ کہہ ہی رہا تھا کہ اجن دریاور بھی وہاں
 آہنچا۔ آتے ہی اُس نے گارڈ سے کل صل دریافت کرنا شروع کر دیا۔ اب اسے
 اس کے وہ جوان بھی جو دوسری گاڑی میں بیٹھے ہوئے تھے وہاں آئے۔ ویلونی
 بھاگ دنتی نے انہیں قہر کی حقیقت سنائی۔ وہ تو اسے غصے کے لال لال

ہو گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی تلواریں پھینچ لیں اور چنچ کر بیچارے کا دروازہ
 ڈرایو ر کے سر پر سوار ہو گئے کہ ”لاؤ وہ دوسرا شخص کہ صر ہے۔ ہماری عورت
 کہ صر ہے؟“ اتنا کہتے ہی انہوں نے فتح دین کو دیکھنے اس شخص کو جس کی مشکلیں
 بندھیں تھیں، کمرہ سے نیچے پھینک کر اپنے پاؤں سے زمین پر کینڈ کی طرح اٹکا
 شروع کر دیا مگر ابھی دو چال ہی تھو کریں مادی ہو گئی کہ بھاگ دنتی نے اُن کو ایک
 نہایت خشکیں آواز سے بکا کر کہا کہ ”بس جی چھوڑ دو۔ ورنہ بچھتاؤ گے“ اس پر اُن
 لوگوں نے اُسکی خلاصی تو کی مگر وہ اُن کی آن میں نیم مردہ سا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر گارڈ
 نے جیب سے ایک سیٹی نکال کر بجا دی اور جب ڈرایو ر انجن کی طرف جاتا نظر آیا۔
 تو وہ دو چار دس لوگ بھی جو شور و غل اُن کر کے ل سے نیچے اُتر آئے تھے۔ اپنی
 اپنی گاریوں میں بیٹھ گئے فتح دین کو بھی اُسی مستورات کے کمرے میں بٹھا دیا
 گیا۔ لیکن اب اُس کے ساتھ رسالہ کے سوار بھی اُسی کمرہ میں بیٹھ گئے۔ اور
 ریل واپس منٹگری کو چل پڑی گارڈ اور اُس کے دونوں نائب بریک والی
 گاری کے پایہ دان پر لال ٹین روشن کر کے کھڑے گئے۔ تاکہ اُس دوسرے
 چور اور اُس عورت کو جو کھڑکی سے نیچے گر گئے تھے۔ ڈھونڈ نکالیں چنانچہ جب
 میل ڈھنڈھ میل ہی واپس گئے تو گارڈ نے انجن ڈرایو ر کو سُرخ بتی دکھا کر ریل
 کو کھڑا کروایا۔ اور نیچے اُتر کر جو دیکھا تو وہ چور اور وہ عورت ایک خشک نالے
 میں ایک دوسرے سے بیٹل کر کے فاصلے پر گرے ہوئے تڑپ رہے تھے۔
 جب اُن کو غور سے دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ اُس چور کے تو بہت ہی سخت چوٹ
 آگئی تھی۔ لیکن پریشیر کی مرضی وہ عورت بال بال ایسی میچ گئی گویا کسی نے سچ
 میچ نے ہاتھ دب کر رکھ لیا۔ چنانچہ وہ دونوں کو بھی اُسی مستورات کے کمرہ
 میں ڈال دیا اور ہم لوگ اُن کی آن میں واپس منٹگری کے اسٹیشن پہنچ گئے

اب بارش تھم گئی اور نصف گھنٹہ کے اندر اندر ہم لوگوں کے ارد گرد پولیس والوں کا اجتماع ہو گیا۔ ایک ڈاکٹر بھی آمو جو ہوا۔ اور جب گارڈ اور ڈرائیور کے بیانات قلمبند ہو چکے۔ تو وہ ریل کو لاہور کی جانب لے گئے اور ہم لوگ منٹا مری میں رہ گئے۔

قصہ کوتاہ ہمیں وٹاں پورا ایک ہفتہ ٹھہرنا پڑ گیا۔ اور خوشی کی بات ہے کہ ان دونوں بد معاشوں کو کافی سزا مل گئی۔ یعنی وہ شخص جو ریل سے نیچے گرا تھا تو چوتھے روز ہسپتال میں ہی مر گیا۔ اور دوسرے شخص کو عدالت سیشن سے ابھی دس بندرہ روز ہی ہوئے ہیں۔ چھ سال قید سخت کافتوئے ملے ہیں۔ بس یہ تو اس مقدمہ کا نتیجہ ہے۔ لیکن اس میں جو عین مطلب اور دلچسپی کی بات ہے وہ جب میں آپ سے کہہ سناؤں گا تو آپ بالکل ہی حیران رہ جائیگے۔ اور ہمیشہ کی قدرت پر عرش عرش کراٹھیں گے۔

دیوان صاحب نے متعجب ہو کر پوچھا "خوب۔ وہ کیا ہے۔ مہربانی کر کے جلد بیان کیجئے گا۔"

سپاہی زادے نے کہا۔ وہ یہ ہے کہ وہ شخص جو ریل سے نیچے گرنے لے صدمے سے مراد وہ میرے بھائی آتمارام کے قتل میں صاحب جان کے ساتھ شریک تھا۔ بلکہ اسی شخص پر سے کل فساد برپا ہوا تھا اور اسی شخص کی ترغیب اور قیادت پر صاحب جان نے آتمارام کو زہر کا پیالہ دیا تھا۔ اس کا نام **نور علی** تھا۔

یہاں دیوان صاحب اپنی کرسی پر ہی بے قرار ہو کر بول اٹھے۔ "وای گاڈ۔ اُن کی قدرت۔ مگر آپ کو یہ کیونکر معلوم ہوا۔"

سپاہی زادہ بولا۔ "دیوان صاحب۔ خون سر پر چڑھا ہوا ایک نہ ایک ان ضرور

بول اٹھتا ہے۔ وہ شخص جو ہسپتال میں مرا۔ مرنے کا پانی دستانہ لگایا جس سے
مجھے اپنے بھائی کی موت کا پورا پورا حال معلوم ہو گیا۔ اس شخص نے اپنا نام نور عالم
بتلایا اور اپنے آخری بیان میں جو میڈیٹ اور پولیس والوں نے قلمبند کیا۔ اس نے
بڑے دردناک اور دلچسپ الفاظ میں جرم کا قبال کرتے ہوئے کہا کہ۔
لوگ جو کہتے ہیں کہ اس دیت کے علاوہ ایک دوسری دنیا بھی ہے جہاں انسان
کو اس کے عیب و ثواب کی سزا جزا ملتی ہے بالکل غلط ہے۔ وہ دوسری دنیا
اسی دنیا میں موجود ہے اور اس کا ثبوت میرے پاس یہ ہے کہ چھ سات ماہ کا
ذکر ہے کہ میں نے لاہور کی ایک مشہور طوائف مسماۃ صاحب جان نے
بشرکت اس شخص کے جواب میرے ساتھ گرفتار ہے۔ ایک سب گناہ زہر دیکر
مارا تھا۔ اور گواہ مجازی کی عدالت سے ہم لوگ روپیہ وغیرہ خرچ کر کے بچ گئے
مگر حاکم حقیقی کی آنکھ ہم پر سیراب تھی اس لئے اس نے ہم تینوں کو اس واردات
کے دن سے کچ تک سخت عذاب میں رکھا۔ اور آخر کار مجھ کو اور میری ظالم
مشتوقہ بی صاحب جان کو جہنم واصل کیا۔ جہاں کے ہم لائق تھے۔ باقی ماہیرا
دوسرا ساتھی فتح دین۔ سوچو کہ واصل اس کا قصور اس واردات میں میرے
اور صاحب جان کے قصور سے ذرا کم تھا اس لئے وہ زندہ رہ گیا ہے مگر امید
نہیں کہ اس کو بھی خداوند کریم چین کی زندگی بسر کرنے دے۔
یہاں دیوان صاحب نے پھر سپاہی زادے کی بات کو کاٹ دریافت کیا
کہ ”کیا صاحب جان بھی مر گئی ہے“

سپاہی زادہ بولا۔ ”جی ہاں۔ اور یہ بات ہم کو فتح دین نے مفصل سنائی۔ کہوں کہ
جب نور عالم اپنا بیان سن کر بالاکھو اچھٹا تو اس کے سر کی کھوپڑی کا زخم اس
دردناک تقریر کے اثر سے ایسا مہلک ہو گیا کہ اسے غش آگئی۔ اور اس نے پنداشت

میں ہی وہ راہٹے ملک بچا ہو گیا۔ اُس کے مرنے کے بعد اب فتح دین نے بھی
 جرم کا اقبال کر لیا اور ساتھ ہی نور عالم کے بیان کی تائید کی۔ اُس نے کہا کہ جس
 رات صاحب جان نے اپنے مکان واقعہ محلہ ٹٹی بمقام لاہور میں آہنا رام کو زہر
 کا پیالہ پینا کر مار ڈالا تھا۔ اُس رات میں بھی وہاں موجود تھا۔ مگر مجھ کو یہ خبر نہ تھی کہ
 جوہر صاحب جان نے ایک شبیشی سے نکال کر آہنا رام کو پلائی تھی وہ ایسی ہریلی
 تھی کہ اُس کا کام بالکل ہی تمام کر دیگی۔ میں نے تو یہ سمجھا تھا کہ کوئی بے ہوش کرنے
 والی دوائی ہے۔ مگر چونکہ میں نے اُس مقدمہ میں روپیہ کے پالچ ہیں اگر سچھی سچھی
 شہادت نہیں دی تھی۔ بلکہ صاحب جان کی دل و جان سے مدد کی اس لئے
 بقول نور عالم یہ بات درست ہے کہ اُس دن سے آج تک مجھ کو کبھی کوئی دم
 خوشی سے کاٹنے کا نہیں ملا۔ کیونکہ اُس واردات کے تھوڑے دن بعد میں
 ایک مقدمہ میں پھنس کر محکمہ پولیس سے موقوف ہو گیا۔ اور چونکہ مجھ کا مرنے لگا۔
 اس لئے اس بیچارے نور عالم کے ہاں ہی آگرا۔ اُس کے پاس بھی میری طرح
 بس اللہ کا نام ہی تھا۔ آخر یہ تنجوہر کی کہ صاحب جان کو بمبئی کی طرف لے
 چلیں۔ اور اُس کی کمائی سے اپنی شکم نہری کریں۔ چنانچہ ہم کہ اچھی شہر میں جا
 بیچے۔ مگر افسوس کہ وہاں رہتے ابھی ہمیں ایک ہفتہ بھی نہ ہوا تھا۔ کہ ایک
 رات صاحب جان شراب کے نشہ میں مغمور ہو کر کھٹے سے نیچے گر پڑی اور چونکہ
 مکان کی تیسری چھت سے گری بازار تک آئے آئے اُس کی جان نکل گئی۔
 اور ہم لوگ پولیس کی تحقیقات سے بمشکل تمام خلاصی پا کر خدا کا شکر یہ سجالا
 اپنے وطن کو واپس آ رہے تھے کہ تقدیر نے ہماری آنکھوں پر چڑی باندھ دی۔
 جسے جرم جس میں ہم ملوث ہیں مرزدہ ہو گیا۔ سو اب جو سزا دی گئی میں بھی بے ہوش ہو گیا۔
 تناقص بیان کیے سیاہی ترا سے قہر دلوان جی سے پوچھا کہ کیوں دلوان صاحب

کیا پریشور کی درگاہ سچی نہیں اور کیا گنہگار کو اُس درگاہ کا خوف نہیں کرنا چاہئے
دیوان جی نے کہا ”سُست بھاگ شکھ۔ اُس کی درگاہ میں راجہ اور فقیر دونوں
کا گناہ کی یادداشت میں ایک ہی حال ہوتا ہے۔ وہ اداہ بابا آپ نے خوب دیکھا
سنائی۔ اچھا پھر“

سیاہی زادہ بولا ”بس پھر کیا۔ پھر تو یہ ہوگا کہ آتما راسم کی موت سے جتنا صدمہ
ہم کو ہوا تھا اُس کا بہت حصہ ہمارے دلوں سے دُور ہو گیا۔ اور جب عدالت
سشن سے فتح دین کو بھی سزا ہو گئی تو ہم سب کو چین آیا۔ گویا این ترو دات سے
قطعی خلاصی بس آج دس ہند رہ دن ہی ہوئے ہیں کہ ہوئی“

دیوان صاحب۔ لیکن اس میل دل لے مقدمہ میں آپ کو اور آپ کی ہمیشہ کو عدالت
میں بھی تو کتنی دفعہ جانا پڑ گیا ہو گا“

سیاہی زادہ ”جی ہاں۔ پہلے تو ایک ہفتہ بھرتک ہم لوگ نشکمری میں ہی ہے
زاں بعد ہم فیروز پور چلے گئے۔ اور وہاں سے بھاگ دنتی موآن مستورات کے جو اسکے
ساتھ تھیں دو تین مرتبہ نشکمری گئی“

دیوان صاحب بذریعہ دبی ربان سے ”اور بھاگ دنتی کی بہادی کی
تو عدالت نے بھی کمال تعریف کی ہو گی“

سیاہی زادہ ”جی ہاں۔ بلکہ سشن جج نے سفارش کی کہ گورنمنٹ اُس کی
اس دلیرانہ کارروائی کی کچھ قدر کرے“

دیوان صاحب ”ضرور ہونی چاہئے۔ اور ہو گی“

سیاہی زادہ ”دیدہ باید۔ اب تھوری سی داستان باقی رہ گئی ہے مگر
آپ سن بیویں تو میں اور تکلیف زدہ نہ ہوں گا“

دیوان صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا ”وہ“

جان پر لاتے ہیں۔ آپ بڑی خوشی سے سب کچھ سنائیے۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ نور عالم
در فتح دین نے آتمارام کی زہر خورانی میں بدر النساء کا بھی کچھ تعلق ظاہر کیا
تھا۔

سپاہی زادہ دیکھ پس و پیش کرتے ہوئے ”میں نے اُن کے بیانات کے
لب لباب کو آپ کے گوش گزار کر دیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ وہ سیاری
کارروائی صاحب جان کی تھی۔“

دیوانہ صاحب ”ویسے مسٹر بھاگ سنگھ آپ کے بھائی کے مقدمہ کی
سادہ سیل میں نے بھی دیکھی ہے۔ اور آپ نے بھی۔ اس لئے اُن حالات کو
جو ہم پڑھ چکے ہیں دہرانے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی اُن نتائج پر جو ہم کے
دلوں میں پیدا ہوئے بحث کرنا سودمند ہے۔ کیونکہ یہ تو جیسا لوگوں کا پہلے
سے ہی خیال تھا ثابت ہو گیا ہے کہ آتمارام کو زہر کسی نے دیا تو وہ صاحب جان
نے دیا۔ مگر چونکہ آپ کو اصلاً اُن اشخاص کا جنہوں نے یہ کام کیا تھا
اقبال جرم سننے کا موقع مل گیا اس لئے میں اس بات کے دریافت کرنے
کا از بس خواہشمند ہوں کہ آیا اُن دونوں نے بدر النساء کا اس مقدمہ
میں کہاں تک تعلق جان کیا۔“

سپاہی زادہ ”مسکراتے ہوئے“ بدر النساء کا زہر خورانی میں کوئی تعلق
نہ تھا وہ بیچاری اُس مقدمہ بیگناہ تھی۔ اور یہ ان دونوں اشخاص یعنی نور عالم اور فتح دین
کی کارروائی تھی کہ وہ زہر والی شیشی بدر النساء کے مکان سے برآمد ہوئی۔ اس
بات کا اقبال بھی نور عالم اور فتح دین میرے سامنے کیا۔“

دیوانہ صاحب ”تو میرا خیال صحیح ہے۔“

سپاہی زادہ ”آپ کا کوئی ناخیال۔“

دیو صاحب۔ یہ کہ بدر النساء گو بازاری طوائف ہے۔ اور ایسے حال
 وچ سے قابل نفرت ہے۔ لیکن اُس کی قطع وضع اور طریقہ سلیقہ بلکہ گفتگو اور
 دھنگ سے یہ نہیں پایا جاتا کہ وہ ظالم یا شری النفس ہے یا
 سپاہی زادہ۔ کچھ ہو مگر اس قابل نہیں کہ آپ ایسے نیک نژاد و شریف
 معزز شخص کے دل کی وہ ملک بن سکے۔

دیو صاحب۔ خیر اپنی داستان کو پورا کیے۔
 سپاہی زادہ۔ مگر مجھے اس وقت ان طوائفوں کی شان میں ایک ہندو
 شاعر کے دو چار شعر کہے ہوئے یاد آگئے ہیں وہ سن لیجئے۔ کسی نے کہہ ہے
 تاحتمل ان پہ ہے مونی میں جفا کاری کا
 خوب آتے ہیں طریقہ انہیں عیاری کا
 پہلے عاشق کو بیچاتی ہیں یہ بن کر نالداں
 پھر وہ کرتی ہیں فحیرے کہ نہ ہو جھگالیاں
 ان اُلٹ پر محبت نہ بھوئے انسان
 کس کو پھیل ان سے لاکس کے برائے راں
 غنچہ خاطر اسٹردہ نہ کھلتے دیکھے
 سینکڑوں صاحب دل خاک میں ملے دیکھے

ان شعا کو سپاہی زادے نے کچھ ایسے دردناک لہجہ اور موثر دھنگ سے
 کیا کہ ایک ایک حرف دیوان جمی کی لوح دل پر کندہ ہو گیا۔ گروہ خاموش رہے
 اور سپاہی زادے نے اسنی درستان کو یوں ختم کیا کہ "تب سے اب تک
 ہم لوگ بیروز پور میں رہے اور وہاں جھاک و فتنی کی شادی سے متعلق
 ایسے صاحب سے کئی ایک شعر کہے جن کی میان کرکاس سے فتنی

ضروری نہیں۔ اور آج تیسرا دروازہ ہے کہ ہم پھر لاہور میں آگئے ہیں۔ یہاں ہینکل
 کہ آپ کو گورنمنٹ نے لاہور میں اسٹراٹسٹنٹ کمشنر مقرر کر دیا ہے۔ اور
 اس تقریب پر شہر کے عماؤ اور ارکان آپ کو ایک مبارک بادی ایڈریس
 پیش کرنے والے ہیں۔ سو جہاں سے شہر کے معززین نے آپ کی تقرری پر خوشی
 ظاہر کر کے آپ کو مبارک دی ہے وہاں میں بھی جو آپ کو اپنا سچا مددگار اور حامی
 بن چکا ہوں۔ مبارک عرض کرنے کے لئے آ حاضر ہوا ہوں۔ اور ساتھ ہی وہ دعائیں
 بھی آپ کے روبرو بیان کر دیتے ہیں جو آپ سے جدا ہونے کے دن سے
 آج تک ہم پر گزرے تھے۔ امید ہے کہ آپ اس تکلیف کے لئے جو میں نے آپ کو
 اس وقت اگر دی ہے مجھے معاف فرمائیں گے اور اگر نا مناسب سمجھیں تو آپ
 بھی اپنے حال احوال سے مجھے تھوڑا بہت آگاہ کریں۔

دیوان صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ ”مستر مہاگ سنگھ۔ میں آپ کی مہربانی
 کا نہایت مشکور ہوں بلکہ آپ کی اس جگہ تشریف آوری پر تو میں اتنا باغ باغ
 ہو رہا ہوں کہ مجھ سے اپنی خوشی کا بیان یا اظہار نہیں ہو سکتا آپ کو معلوم ہے
 کہ ہماری ایک دوسرے سے جان پہچان تو بس ایک دو دفعہ کی ملاقات سے ہی ہے
 مگر آپ سچ جانتے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم ایک دوسرے کے بچپن سے
 ہی دوست ہیں۔ گویا ہم اُسے درمیان کوئی ایسی کشش کام کر رہی ہے کہ جو
 ہمیں آپس میں جکڑ رہی ہے۔ میں اپنے اس خیال کو صرف اپنے ہی دل کی
 حالت کا اندازہ کر کے نہیں ظاہر کر رہا۔ بلکہ میں نے آپ کے دل کی کیفیت
 بھی بہت کچھ سمجھ لی ہے۔ بھلا آپ ہی انصاف کریں کہ میری آپ کی جان
 پہچان اور آپ نے کس دلیری سے اُس تماشا والی رات کو مجھے بدلتا
 سے میل جول رکھنے سے منع کیا۔ اور پھر میری یہ بات کہ میں نے آپ کو دھرم کا

ویدیا کہ جب تک آپ خط بھیجیں گے۔ میں اُس سے نہیں ٹوٹتا۔ زان بعد اس کے
 کے وقوع کی رات کو آپ نے کیسی ساوگی ہے مجھے اس کا ہم میں اپنا حامی بنایا
 قانونِ السج الوقت کے مطابق اب بڑا جرم ہے اور پھر میری طرف دیکھ کر
 نے اُس میں کس خوشی سے شامل ہونا پسند کیا غرض جب میں اپنے دل کی حالت
 خاکہ لینے بیٹھتا ہوں تو وہاں آپ کی تصویر کو پہلے سے ہی موجود پاتا ہوں۔ مگر
 ہے کہ آپ بھی مجھے دلی محبت سے دیکھتے ہوں کیونکہ آپ نے اس بات کا اظہار
 ایک دو مرتبہ میرے گے بڑی گرمجوشی سے کیا ہے جس پر مجھے سچے تھیں ہوا
 ہے مگر جس دلی محبت سے میں آپ کی رفاقت کا خواہاں ہوں وہ میرے سوا
 اور کوئی محسوس نہیں کر سکتا۔ تو اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ سچ کچھ کوئی درپردہ
 کشش ہمارے درمیان کام کر رہی ہے کہ نہیں۔ اور یہ بھی کہ مجھے آپ کے اس جگہ
 تشریف لے جانے سے تکلیف نہ ہوئی ہے بلکہ راحت۔ اور ساتھ ہی مجھے اور کتنی بڑی
 زاہد زہت ہوگی اگر میں اپنا بھی تھوڑا بہت حال آپ سے کہہ سناؤں۔ آپ
 میرے دل کی کمزوری پر نہیں گے۔ جب آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ کی یہ درخواست
 کہ میں آپ کو اپنے بھی حال احوال سے تھوڑا بہت آگاہ کروں میرے لئے بہت
 ہو گئی ہے کیونکہ اگر آپ بھی نہ کہتے تو بھی میں آپ کو یہاں سے اپنا حال سنائے
 بغیر نہ جانے دیتا۔ اور چونکہ جو کچھ میں آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔ وہ
 سب قریباً قریباً آپ سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے آپ سن لیں۔ میں
 دیر کا ہنسی۔

سیاہی زارہ دیوان جی کی تقریر سن کر جی میں بہت خوش ہوا۔ اور دیوان
 صاحب نے اپنا مطلب اس طرح بیان کیا۔ کہ سٹر بھاگ سنگھ۔ اُس رات
 کہ جب آپ نے مجھے میرا سنڈھی کے میدان میں اپنے حسبِ نسب سے واقف

کیا تو میرے دل سے کئی ایک خیالات جو اُس وقت سے پیشتر آپ سے متعلق
 میرے دامن گیر تھے یعنی یہ کہ خدا جانے آپ کون ہیں آیا دوست یا دشمن۔ دور
 ہوئے اور آپ کی بیاقت و شجاعت کو دیکھ کر میرے دل نے مجھ پر دباؤ ڈالنا
 شروع کیا ایک کوئی ایسی تجویز کرو کہ جس سے آپ کی والدہ مکرمہ کی خدمت میں
 میرے ماموں صاحب و دامی صاحبہ کہ جو اس وقت میرے والدین کی جگہ
 میری پرورش کر رہے ہیں بعدِ منت و سمانت گذارش کریں کہ آپ کی ہمیشہ
 شری مٹی بھاگ دنتی کا ناٹھ جو آپ کی والدہ نے میرے لئے تجویز فرمایا تھا برسرِ
 چشم منظور ہے۔ کیونکہ جس بہن کا بھائی ایسا لائق اور بہادر ہے وہ خود بھی کہیں
 نہ باسلیقہ ہوگی۔ چنانچہ اس معاملہ سے متعلق سب سے پہلے میں نے آپ ہی سے گفتگو
 کرنے کی بھائی۔ مگر افسوس اس رات کے بعد بھر کوئی ایسا اتفاق یا موقع نہ مل سکے
 کہ جب میں آپ سے اپنے دل کی کہتا۔ اور جتنی میں نے آپ کو پتہ دریافت کرنے
 کی کوشش کی اتنی ہی ناکامیابی ہوئی۔ اتنا تو البتہ معلوم ہو گیا کہ آپ لاہور سے کہیں
 باہر تشریف لے گئے ہیں مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ کون سی جگہ۔ انہی اتمام میں نے ہجرات
 کی منصفی منظور کر لی تھی۔ اس لئے میں وہاں چلا گیا۔ وہاں جو واقع ہوا وہ شاید
 آپ دل چسپی سے سنیں گے۔ وہ یہ کہ وہاں گئے ہوئے مجھے ایک مہینہ ہوا تھا کہ ایک روز
 شام کے وقت میں اپنے مکان کی شستگاہ کی کھڑکی میں بیٹھا تھا کہ بدر النساء کا تیرا
 میرا سنجش وہاں آ نکلا اور وعائیں دیکر کہنے لگا کہ بدر النساء سلام کے لئے حاضر ہو چکی
 اجازت مانگتی ہے۔ میں نے پوچھا وہ کہاں کہاں؟ وہ بولا اس بات کا جواب بی بی
 خود دینیگی۔ اس پر جلدی سے میرے مُنہ سے نکلیا۔ اچھی بات ہے آؤ ان کو چنانچہ
 تھوڑی دیر کے بعد وہ دوسرے میرا سلام رسول کو بھی ساتھ لے ہوئی میرے
 مکان پر آ گئی۔ معمولی مزاج پُرسی کے بعد معلوم ہوا کہ وہ جو آپ نے ذکر کیا تھا وہ

سچ ہی تھا یعنی بد النساء کی اُس گورنمنٹ کا لچ کے منتر کے ساتھ کئی ایک لڑائی
 جھگڑوں کے بعد بڑی گارھی دوستی ہو گئی تھی یہاں تک کہ اُس نے بہت سارے
 خیر کر کے پہلے تو دین اسلام کا شرف حاصل کیا یعنی منتر سے سلمان ہو گیا۔ اور
 زراں بعد بد النساء کا اس کے ساتھ نکاح ہو گیا۔ مگر نکاح کے تھوڑے روز
 بعد ہی پھر ناچاتی ہو گئی اور بد النساء اُس سے منحرف ہو گئی۔ اس پر اس منتر
 نے بد النساء پر بازو دھوئے اور کو دیا جس سے متعلق وہ حضرت شاہ دولہ صاحب
 کی مزار شریف پر حج گجرات میں موجود ہے دعاء مانگنے آئی تھی اُس کی
 داستان جس کا اختصار میں نے آپ سے کہہ سنایا ہے سن کر مجھے اُس پر کمالِ حرم
 آ گیا۔ اور میرے دل میں پختہ یقین ہو گیا کہ ہے یہ تو ضرور بازار کی طوائف مگر
 اُس کو طوائفوں کی سی چالیں نہیں آتیں۔ ورنہ اس قسم کی مصیبتوں میں پھنسنے
 سے بچی رہتی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے اُس سے نفرت بھی ہو گئی۔ اُس وقت
 آپ کے قول پر دل سے صاد گیا کہ سچ مچ ایسی گندی عورت سے تعلق پیدا کرنا
 تو محض بے عقلی ہے۔ تب تو بد النساء کی جس سادہ مزاجی سے میں تھوڑا بہت
 فریفتہ ہوا تھا اسی سادہ مزاجی پر نفرت کرنے لگ گیا۔ اور اُس نے خود بھی اس
 بات کا اقبال کیا کہ یہ صرف سادہ مزاجی ہی تھی کہ جس کی بدولت وہ برباد ہو گئی۔
 غرض تھوڑی دیر بیٹھ کر اُس نے مجھ سے رخصت مانگی۔ میں نے غیب سے دس
 روپیہ نکال کر اُسے دینے کے لئے ہاتھ بٹا دیا مگر اُس نے لینے سے انکار کیا۔
 اور آید یہ سہی ہو کر کہا کہ خدا جلنے میں کتنے دس آپ سے حاصل کرتی مگر یہی
 تقدیر میں سی لکھا تھا کہ آپ کی محفل میں بیٹھنے کے لائق نہ رہوں۔ اس لئے
 میں اب رخصت ہوتی ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ خدا آپ کو تندرست اور
 باجا و جلال رکھے۔ پس اُس دن بد النساء کا وہ خیال کہ جس کی نسبت آپ

نے مجھے بہت کچھ سمجھایا تھا میرے دل سے بالکل دور ہوا۔ اور میں بہت خوش
 ہوں کہ اس طرح پر میری وہ قسم جو میں نے آپ کے سامنے کھائی تھی کہ اُس سے
 محبت نہ کر دوں گا پوری رہی۔ زراں بعد میں لاہور چلا آیا۔ یہاں آئے چند روز ٹھہرے
 تھے کہ میں اسٹراٹسٹنٹی کے امتحان کے بیٹھنے کے لئے بلا یا گیا۔ جس کا نتیجہ
 آپ نے دیکھ سنا ہے۔ اب آپ پریشور سے میرے حق میں دعا مانگیے
 کہ میں اس مہترہ سامی کے فرائض کو نیک بنی اور ولایت واری سے لو الکر نے
 کے قابل ہوں اور وہ دن نہ آئے کہ جب میری طفیل میرے باپ دادا کی عزت
 اور شان اور افسر تیکنامی میں کہ جس کی بدولت میری اس وقت قدر ہو رہی ہے
 کوئی فرق آئے۔

بس میری داستان تو اتنی ہی ہے۔ لیکن یہ ایک حصہ ہے دوسرا حصہ وہ ہے
 جس کے بیان کرنے کو میرا ہی تو چاہتا ہے۔ مگر میں ڈرتا ہوں کہ شاید آپ اس حصہ
 کو غصے سے سنیں اور میری معافی مانگتے مانگتے ناک گھس جائے۔

اتنا کہہ کر دیوان صاحب کھٹکھٹا کر ہنس پڑے۔ جس پر سیاہی زاد سے
 بھی ہر ہار گیا۔ اور وہ بھی مسکرا بلکہ ہنس پڑا اور بولا۔ ”وہ حصہ تو میں ہر روز سنو گنا۔“
 دیوان صاحب نے اُسی بشارت کی حالت میں فرمایا۔ میں سننے کو تیار
 ہوں مگر آپ وعدہ دیں کہ آپ ناراض نہوں گے۔ ”سیاہی زادہ بھی
 مسکراتا ہوا بولا۔ ”آپ بے شک سنائیے۔ اور چونکہ مجھے آپ کی زبان سے
 ناشائستہ یا کُرخت الفاظ بچنے کی امید ہی نہیں اس لئے مجھے وعدہ دینے سے
 بھی انکار نہیں۔“ دیوان جی پھر وہ ہی سنجیدہ صورت بنا کر بولے۔ ”سن لیجئے
 وہ یہ ہے کہ اگر آپ کی والدہ کرمہ اور آپ اور آپ کے ماموں صاحب اور
 دیگر متعلقین کی اب تک یہ رائے ہو کہ آپ کی پختیرہ عادات میں سخت

کیا جائے تو آپ میری مدد کر کے اُس سابقہ پیغام کو تازہ کرادیں تاکہ ہم اُس کو بڑے
 چشم منظور کر لیں اور اس ذریعہ سے مجھے آپ کی رفاقت کا دائمی موقع مل جائے۔
 مجھے جو جو اوصاف آپ نے اپنی ہمشیرہ کے سنائے ہیں وہ میرے روم روم کو
 وجد میں لازمی ہیں اور میں سوچ رہا ہوں کہ کیا میری نیک سنجی کا سنار میری
 اتنی یادری کر سکا کہ ایسی لائق بہادر اور نیک استری میرے عقد میں آجائے۔
 اور اُس کی مدد سے میرے دل کی کئی ایک مُرادیں جن کا تعلق محض رفاہ عام ہے
 پوری ہوں۔ مگر میں آپ کی مدد کا دل میں پورا یقین رکھنے سے چکر لگا ہوں
 کیونکہ آپ نے مجھے ایک بازاری طوائف کی خیال محبت میں سرگرداں
 بچشم خود دیکھا ہے۔ اور یہ قدرتی امر ہے کہ آپ جب یہ نازک رشتہ
 کہیں کر نیکی تو اس کے لئے ضرور ایسا شخص تلاش کریں گے کہ جس کے
 دامن کوئل برابر بھی داغ نہ لگا ہو یا

دیوان جی اس وقت بڑے جوش میں آئے ہوئے تھے۔ اور لمپوں کی
 روشنی میں اُن کی سیاہ خوب صورت آنکھیں صاف صاف بتلا رہی تھیں
 کہ وہ سپاہی زادے پر دل دھان سے نثار تھے اور اُس کی والدہ کے
 سابقہ پیغام ناطہ کو ذریعہ بنا رہے تھے کہ جس سے وہ ایسے خوب صورت
 اور غمگسار رفیق کے ہمیشہ لئے دوست بن جائیں۔ رہا یہ امر کہ اُس کی
 بہن بھی ایسی خوب صورت ہے یا نہیں سو جو کچھ اُس کی بابت اُنہوں
 نے سنا۔ اُس سے تو صاف پایا جاتا تھا کہ وہ بھی پرلے درجہ کی خوب صورت
 ہے۔ لیکن اگر خدائے مستہ نہ بھی ہو تو یہی دیوان صاحب اپنے دل کو سمجھا
 رہے تھے کہ ہمیں خوب صورتی کی ایک مجسم تصویر اس رفیق میں جو
 ہاتھ لگ گئی ہے کیا یہ تھوڑی سی ہے؟ گویا دوسرے الفاظ میں کہنا چاہتے

کہ دیوان صاحب اُس سپاہی زاوے کے جُسن پر نہ صرف عاشق بلکہ دل و جان سے فریفتہ ہو گئے اور انہیں لگن لگ گئی کہ اُن کے ہاں جس طرح ہو ہمارا ناطہ ہو ہی جائے تو بہتر ہے ورنہ بہت سی بے قرار یوں کا سامنا ہو گا سپاہی زادہ بھی کچھ کم دماغ نہ تھا۔ وہ دیوان جی کی کیفیت سرے پر تک تاثر مانتھا۔ اور اُن کے دل کی حالت سے واقف ہو گیا تھا۔ وہ دیوان جی کی تقریر سُن کر مُسکراتا ہوا بولا۔ ”بس یہی بات تھی جس پر آپ میری خفگی کی اُمید رکھتے تھے؟“

دیوان صاحب کچھ متحیر سے ہو کر بولے۔ ”ہاں یہی بات تھی“

سپاہی زادہ بولا۔ ”اس کا جواب یہ ہے کہ میں آپ کی دل و جان سے مدد کروں گا۔ اور اس کا مفصل جواب پھر کبھی عرض کروں گا۔ فی الحال میں آپ سے دل سے مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ پر پرمیشور کی خاض کر پڑھتی کہ آپ کے دل سے بد النسا کا خیال رفع ہو جائے“

ابھی یہ الفاظ سپاہی زاوے کے منہ میں ہی تھے کہ دیوان صاحب کے پڑوس کے مکان میں یکایک ”چور۔ چور۔“ اور ”ماے مارے گئے گئے“ اُٹے گئے۔ اُجی دیوان جی پہنچا۔ ”کی آوازوں کا شور و غل مچ گیا۔ بلکہ اس شور و غل کے ساتھ ہی کسی نے دیوان جی کی ڈیور بھی کے دروازے پر دو تین زبرد کی دستکیں دے کر پکارا۔ ”دیوان جی پہنچا جی اسیں مدے گئے“

ایسوال باب

ہریم دیوسی کو چور اٹھالے گئے

پروس میں "چور-چور" کی ٹائے پکارا اور اپنے دروازے پر دستک کی
 آواز سنتے ہی دیوان صاحب محل اپنے رفیق سپاہی زادے کے چنگ کر
 گریسوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور دروازہ کھولتے ہی محقرے پہنچ گئے
 وہاں ایک شخص جازے میں کانیٹا ہوا کھڑا رو رہا تھا۔ دیوان صاحب نے
 اسے فوراً پہچان لیا اور خیران رہ کر پوچھا "کیوں-کیوں بے لالہ نند کشو-
 وہ بچارہ چلتا ہوا بولا" دیوان جی- دوڑو- دیر نہ کرو- آؤ- آؤ! اتنا کہہ
 وہ دیوان صاحب ماتھ کھینچ کر انہیں بازار کی طرف لے دوڑا-
 اور دوڑتے دوڑتے بولا "میرا خانہ برباد ہو گیا" تو ماڈی بھر مائی نوں
 چور چک لے گئے- دوڑو- دوڑو- اوہ پیئے جاتے سے جے یا دیوان صاحب
 محل سپاہی زادے کے لالہ نند کشو کے ساتھ بازار کی طرف دوڑ گئے- دوڑتے
 دوڑتے سوچتے جلتے تھے کہ اس شخص کی جو رو تو ایک نہایت نیک چلن
 اور شریف خورت تھی اُس کو کوئی کیونکر اٹھا لے گیا- بچہ خیال آیا کہ وقت
 بھی ابھی کچھ نہیں گیا- بس گیارہ کے قریب ہونگے تو پھر اس وقت
 ایسے زبردست چور کہاں سے آچے جو ایسی دلیری سے اُٹھالے
 لے- دیوان صاحب اس طرح میں کہ لالہ نند کشو ماتھ پکڑا لیا

”دیوان جی۔ اوہ اپنی سس مے نال سادے اک شریک مے گھر کا دن
 گئی ہوئی سی۔ بس او تھوں واپس پئی آونڈی سی کہ گلی مے وچوں اسی
 کوئی اٹھ بیاتے چکدار رہی ہو گیا اے۔ مے میں لٹیا گیا۔ سر تھیں پیر
 پیکر اوہ سونے نال بھر بھور بیگی سی۔ مے او میر پا رہا۔ آؤ۔ آؤ۔ دوڑو
 بس ایدھر ہی نکل گئے مے ۱۱

واہ رمی قسمت۔ ابھی تو دیوان صاحب عین خوشی میں بیٹھے ہوئے تھے
 اور اپنے نہایت ہی دوست کی رفاقت میں ایک ایک منٹ کو گن گن
 کر گزارتے ہوئے اس فکر میں تھے کہ سپاہی زاوے کے ساتھ بہت سی
 بات چیت ہو چکی ہے۔ اب یہ کہیں چلا نہ جائے کہ یکا یک ان کی خوشی میں
 بھنگ پر گئی۔ پڑوسی کی مصیبت میں اس کی مدد کرتے تو بھی ان کی رہ
 ذاتی تھی۔ اس لئے چار ناچار دوڑ تو پڑے مگر ان کا خیال اپنے کمزور کی طرف
 ہی تھا کہ اگلا مہل کی روشنی میں بھنگ سنگھ کا خوب صورت مکھڑا کیسا
 چمک دکھ۔ مانتھا۔ اُن کیسی سریلدا آواز سے ایک ایک حرف زبان
 سے نکلتا تھا۔ تقریر تھی کہ پھولوں کی برکھا۔ ہر حال دل کو اتنی تسلی تھی کہ جب
 تک یہ تازہ مہم سر نہیں ہو لیتی تب تک یہ شخص ساتھ ضرور رہیگا کیونکہ یہ
 بھی ایسے کاموں میں دل سے شریک ہونے کا عادی ہے۔ چنانچہ دیوان
 صاحب لالہ نند کشور کی بات بھی سنتے جلتے تھے اور سپاہی زاوے کو بھی
 مانتے جلتے تھے کہ گھر اتوں نہیں گیا۔ گروہ ان سے بڑھ کر مستعد نظر
 آتا تھا عرض یہ تینوں جھٹ پٹو اثر و رکس کے آہنی تالاب کے
 پاس آپہنچے۔ جہاں سے دیوان صاحب اپنے دل کی گواہی پر قلعہ کی طرف
 چل پڑے۔ ان کو خیال گذرا کہ سوائے اس طرف کے اور کوئی ایسا تنہا مقام

نہیں جہاں چوروں کی سمائی ہو۔ اور یہ خیال درست نکلا۔ کیونکہ جب یہ لے
 کے پاس پہنچے تو انہیں فضاہیل کے نیچے سے ایک چنچ کی آواز سنائی دی ہے
 سنتے ہی لالہ نند کشور سڑک سے نیچے اتر گیا اور دیوانوں کی طرح دکھائی دیا
 پکارا۔ ”دیکھو۔ اوہ دیکھو دیوان جی۔ اوہ پئے جانڈ سے ہے۔ ایہ تو نادہ
 بھر جانی دی آواز سیگی ہے“ چنچ کی آواز اور لالہ نند کشور کی فریاد پر دیوان
 صاحب اور سپاہی زادے کے پاؤں میں سجلی لگ گئی اور ان کی آن
 میں یہ تینوں فضاہیل کے ساتھ ساتھ میدان میں سے دوڑتے ہوئے آئے
 کے سر پر کوئی کی طرح جا پہنچے۔ لیکن پیشتر اس کے کہ انہیں چنچ مارنے دلاوت
 ہو یا مرہم دکھائی دے۔ لالہ نند کشور کے منہ پر کسی نے مقابل سے مل کر ایک
 ایسا زور کا گھونسا رسید کیا کہ یہ بیچارہ جو سب سے آگے دوڑتا ہوا اجلا جا رہا
 تھا۔ جگر کھا کر دھم سے زمین پر گر پڑا۔ اُدھر دیوان صاحب نے اُس حملہ آور
 کی ہچکاتی میں دیباہی ایک زور کا تھپیر مار کر اُسے بھی اُس کے ساتھ ہی لٹا دیا
 کہ اتنے میں انہیں ایک عورت زمین پر بے ہوش گری ہوئی دکھائی دی
 چونکہ لالہ نند کشور کو ابھی اتنی تاب نہیں آئی تھی کہ وہ بات کر سکے یا اپنی جگہ
 سے اُٹ سکے۔ اس لئے دیوان صاحب نے اُس عورت کا شانہ ہلا کر پریم دیوی
 پریم دیوی کہتے ہوئے اُسے بلایا۔ پریم دیوی کا نام سنتے ہی سپاہی زادہ کچھ
 ششدر سا رہ گیا۔ جس کی وجہ ہمارے ناظرین جانتے ہی ہیں کہ وہ سپاہی زادہ
 کی ماموں زکو بہن بھتی۔ دیوان صاحب کے بلانے پر وہ عورت جو زمین پر
 بڑی تھکی نیک نہایت ہی کمزور آواز سے بولی۔ ”اے اللہ۔ یہ جواب سن کر
 دیوان صاحب اور سپاہی زادہ بھجک سے رہ گئے کہ ہیں یہ تو کوئی مسلمان
 عورت ہے۔ اتنے میں لالہ نند کشور بھی اٹھ کھڑا ہوا اور پاس آکر پوچھنے

لگا۔ کیوں دیوان جی جیوندی تے بیگی اے نہ؟ دیوان صاحب بولے
 ”پریدیوی تو نہیں یہ تو کوئی اور ہے۔“

نند کشور۔ نہیں نہیں دیوان جی۔ اوہ ای بیگی ہے۔ مہینوں دیکھ لین دیو۔
 اتنا کہہ کر لالہ نند کشور نے اُس عورت کے منہ پر سے کپڑا علیحدہ کر دیا اور
 اُسے اچھی طرح ہلکا کر بلایا۔ مگر کچھ جواب نہ پایا۔ اس نے پھر ہلکا کر کہا اے
 بولدی کیوں نہیں؟ جواب ملا۔ ”اے اللہ میں مر گئی۔“ اُس وقت دیوان
 صاحب۔ لالہ نند کشور اور سپاہی زادہ نینوں اُس پر چھبکے ہوئے تھے۔ گوچاند
 کی روشنی نہ تھی مگر تاروں بھری رات کے اوجالے میں دیوان صاحب
 اُسے یکبارگی پہچان کر بول اُٹھے۔ ”افوہ یہ بدر النساء ہے؟“ ان کے ساتھ ہی
 سپاہی زادہ بھی ایک سانس لے کر بولا۔ ”ہاں۔ ہاں یہ تو وہی ہے۔“ سپر
 لالہ نند کشور۔ یہ دونوں ہاتھوں سے سر پیٹ کر بولا۔ ”اے او میرا ربا۔
 اوہ کتھے گئی۔ ابھی نند کشور چلتا ہی رہا تھا کہ بدر النساء اسی کمزوری آواز سے
 بولی۔ ”اے اللہ ایہ کیڑا کمبخت ہے۔“ میرا دیوان صاحب کتھے گیا۔ میرا نام کس
 لیا سی؟ دیوان جی لالہ نند کشور کو پرے ہٹا کر بولے۔ ”میں یہ کھڑا ہوں۔ بدر لہنا
 تم پر یہ کیا مصیبت آئی؟“ بدر النساء کچھ جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ پاس سے
 پانچ چھبے کٹے مردان پر آپرے اور آتے ہی انہوں نے سپاہی زادے
 اور دیوان صاحب پر لاٹھی سے ایک ایک ایسا وار کیا کہ جس سے یہ
 گرے تو نہیں مگر ہوا کی طرح دھاں سے بھاگتے نظر آئے۔ آگے آگے یہ
 دونوں تھے اور پیچھے پیچھے لالہ نند کشور۔ بس آن کی آن میں سچھلے پاؤں یہ
 قلعہ کی مڑک بونچ گئے۔ جہاں آکر انہیں بات کرنے کی ہوش آئی۔ دیوان
 صاحب نے سپاہی زادے سے پوچھا۔ ”کیوں تم شرمھاگ سنگھ جوٹ سخت

تو نہیں آئی۔ وہ بولا۔ "سخت تو تھی مگر خوش قسمتی سے سہرا بچ گیا ہے۔ دیوان
 جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرا بھی یہی حال ہے۔" لالہ نند کشور روٹا پٹا ہوا
 لائے ایسے کچھ میرے پیچھے ہو یا۔ لائے میری قسمت۔" دیوان جی پھر
 مسکراتے ہوئے بولے۔ "ہم بھی والدہ کا جواب تو دیتے مگر وہ لوگ تندرہ میں
 زیادہ تھے۔ ہم کو زل اٹھانی پڑتی۔" سپاہی زادہ ان سے متفق ہو کر بولا۔
 آپ نے خوب کیا جو بھاگ آئے۔ گران کی بابت اب کیا کرنا چاہئے؟
 دیوان صاحب نے جواب دیا۔ "میں سرطرح تیار ہوں مگر اب کو تو والی سے
 دو چار سپاہی لے کر اس مٹھ پر چلنا چاہئے۔ سہرا بچ کو آنچ نہیں اور ایسے
 معاملہ میں شرم چہ معنی دارد؟" سپاہی زادہ نے کہا۔ "آفرین ہے آپ
 کی بہت پر۔ مگر مجھے آپ اب رخصت دیں کیونکہ اگر بارہ بجے سے پہلے پہل
 میں مکان پر نہ پہنچ گیا تو میری والدہ کا دم نکل جائیگا۔ یہ بات سن کر دیوان
 جی کی کمر بہت میں خم آگیا وہ بولے۔ "یہ تو کچھ نہ ہوئی۔"
 سپاہی زادہ۔ "امر مجبوری ہے میں کیا کروں۔"
 دیوان صاحب۔ (بڑی مایوس آواز سے)۔ "تو پھر کو تو والی تک
 تو آپ چلیں۔"

سپاہی زادہ۔ "اب کیا وقت ہے۔"
 دیوان صاحب۔ (گھری دیکھ کر)۔ "کبھی طرح نظر تو نہیں آتا کہ
 ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی بارہ بجنے میں۔ مہمنٹ باقی ہیں اور اس عرصہ میں
 ہم کو تو والی سے لوٹ آئے۔"
 سپاہی زادہ (مسکرا کر)۔ "لوٹ تو نہیں سکتے البتہ وہاں تک پہنچ
 ضرور جائیں گے۔"

ان باتوں میں یہ تینوں دائروں کے تالاب کے پاس پہنچے۔ یہاں سے دیوان صاحب اور لالہ نند کشور کو تو الہی کی طرف رخ کر کے سپاہی زادہ کو بند کی کہنے لگے تھے کہ ایک شخص نے جو لالہ نند کشور کا ہمسایہ اور گمشدہ کا ایک مشہور حلوائی تھا۔ لالہ نند کشور سے باوا نہ بلند کہا۔ "آؤ۔ آؤ۔ لالہ جی۔ پریدہ کی گھر آگئی ہے۔" یہ خوشخبری سنتے ہی لالہ نند کشور تو پاگلوں کی طرح اچھلتا کودتا اپنے مکان کو جانا نظر نہ آیا اور دیوان صاحب اور سپاہی زادہ آہستہ قدم اُس کے پیچھے چل پڑے۔ جب سوار سروپ سنگھ کی حویلی کے نیچے پہنچے تو سپاہی زادہ بولا۔ "لو دیوان جی اب مجھے بھی اجازت دیجئے بارہ بیچ چکے۔"

دیوان صاحب "مگر آپ تو یہ بتلائیں کہ آپ کو چوٹ کا درد سخت ہو رہا ہو گا۔"

سپاہی زادہ "ماں درد تو ہو رہا ہے۔ مگر آپ فکر نہ کریں۔ بلکہ اپنا حال بتائے۔"

دیوان صاحب "میرا بھی وہی حال ہے جو آپ کا ہے۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ مکان پر چلئے اور جیکر کچھ مالش والش کریں۔" سپاہی زادہ "میری طبیعت اس وقت ٹھیک کرنے نہیں۔ مجھے جانے ہی دیجئے۔"

دیوان صاحب "تو چلئے میں آپ کو مکان تک پہنچاؤں۔"

سپاہی زادہ "یہ کبھی نہ ہوگا۔ آپ اب زیادہ اصرار نہ کریں۔"

دیوان صاحب "تو پھر آپ مجھے کب لینگے۔"

سپاہی زادہ "میں یہ بھی اس وقت نہیں کہہ سکتا۔"

دیوان صاحب: "اچھا جیسی آپ کی مرضی ہے"

اس پر سپاہی نرا سے نے دونوں ہاتھ جوڑ کر دیوان صاحب سے منہ کر کے جس کے جواب میں انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اُس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ہاتھ چھوڑنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ نرم شفاف ہاتھ۔ اور وہ پیارا خوبصورت مکھڑا۔ دیوان صاحب سرور میں آگئے۔ اور انہیں کچھ معلوم نہ ہوا کہ وہ کب ہاتھ چھڑا کر نکل گیا۔ اور یہ کب اپنے مکان پر پہنچے۔ گھر میں آکر دس پندرہ منٹ کے بعد انہوں نے کپڑے اتارے اور اپنے بستر پر دراز ہوئے۔ اور کوٹلا کر چاہ بنوائی اور نہالہ سے کہا کہ جس مٹھ پر ہم گئے تھے وہاں سے ہمیں ٹیٹھ پر ایک چوٹ آگئی ہے۔ تم تھوڑا سا بیٹھتا تیل لاکر ہمیں مالش کرو۔

دیوان صاحب کے حکم کی تعمیل ہو گئی۔ جب قدرے آرام ہوا تو انہوں نے سوچا کہ ابھی نیند آنی تو مشکل ہے۔ کیوں نہ لالہ نند کشور کو بلا لیں۔ اور دریافت تو کریں کہ پریم دیوی کو کون اٹھالے گیا تھا اور اُس نے واپس آکر کیا کچھ بتلایا ہے۔ چنانچہ لالہ نند کشور کو بلا لیا گیا اور وہ انکے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اُسے بھی ایک چار اکا پیالہ انہوں نے پلا دیا۔ وہ بولا: "دیوان جی۔ میں آپ آون لگا ساں۔ کیونکہ سینوں رات بھر سُن مندر تے آونی مشکل ہو گئی ہے مگر خیر میں یہ سوچ کیتی کہ دیوان ہوراں نوں آگے ہی سٹ لگ گئی ہے تے ہُن آرام سوچ ہو سن۔ آپے وڈے ویلے میں اپنا وکھ ورت کہ سنا واکھا۔

دیوان جی نے فرمایا: "خیر صلا۔ میں نے مالش اور سینک کرایا ہے آرام ہو جائیگا۔ اب آپ یہ بتا دیں کہ پریم دیوی کو کون اٹھالے گیا تھا پھر اُس کی خلاصی کس طرح ہوئی؟"

لالہ نند کشور بولا: "دیوان جی جو کچھ تو ماڈی بھر مائی کنڈی ہے۔ اُس

تھیں تے ایہ معلوم ہوتا ہے کہ ایہ ساری کرتوت اک ایسے شخص دی ہونگی جو میرا دھرم دا بھائی بنیا ہو یا سی گا۔ پر مینوں یقین نہیں آوندا۔
دیوان صاحب نے کہا: "تاہم جو کچھ معلوم ہوا ہے یا جس پر آپ کا شک کرتا ہے۔ اُس سے مجھے بھی تو واقف کریں۔"

نند کشور: "واہ مہاراج۔ تو لاٹے لگے نہیں دنتاے ہو کہ جھے اگے دتائیں ساڈا تے مرن جیون اسی آپ دے گھر نال ہنگا ہے۔ بریں ساری گل تو ہا نوں ایس شرط اُتے سنا سکا آں کہ آپ اپنے دھرم دی قسم کھاؤ کہ اس نوں اپنے دل وچ ای رکھو گے۔ اود جانے میرا نقصان ہو گیا اے تے بار یا میری تے تو لاڈی جتتی اُتوں۔ مینوں پریشور پور دے دیگا۔"

دیوان صاحب نے کہا: "مجھے کیا ضرورت ہے کہ آپ کے مخفی راز کسی پھر ظاہر کرتا پھروں۔ اگر آپ کو اپنے نقصان کی پرواہ نہیں تو بس پھر کیا؟ لالہ نند کشور بولا: "اچھا تاں پھر آپ دھرم دا بچن دیو۔"

دیوان صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا: "انسان کی زبان ہی دھرم ہے۔ لیجئے میں تے آپ سے دھرم کا اقرار کیا؟ اتنا کہہ کر دیوان صاحب نے اپنا ہاتھ لالہ نند کشور کے ہاتھ سے بطور وعدہ ملا یا جس پر لالہ نے اپنا سارا قصہ اُنہیں بڑی فصیح اور میٹھی پنجابی بولی میں کہہ سنایا۔ اس قصہ کے خلاصہ کو ہم ہندوستانی زبان میں ذیل میں درج کرتے ہیں۔ نند کشور نے کہا:

"دیوان صاحب۔ آج چارپانچ مہینے کا عرصہ گزرا ہے کہ ایک دن دوپہر کے وقت میں ریل کے اسٹیشن پر ٹال گدام کے احاطہ میں کھڑا لکڑی اور کوئلہ کی گاڑیاں اتر وارتا تھا کہ وہاں ایک جوگی آ نکلا۔ ستمیہ دن دیکھے مور گرمی سخت پر رہی تھی۔ دھوپ میں اُس کا حال بچال پور تھا

میرے پاس آکر اُس نے آنکھ کی صدا لگائی۔ میں نے پوچھا مہاراج حکم کیجئے کیا
 چاہئے۔ وہ یوں لایمیں پیاس لگی ہوئی ہے کہیں سے شربت پلا دو بس اور کچھ
 دیکھ رہی ہیں۔ میں اُسے اپنی چھو لاری میں جہاں میرے نوکر چاکر اور مندر
 تھے لے گیا اور علاوہ شربت کے میں نے اُس کی اور بھی بہت خاطر لڑا اضع کی
 جس سے وہ بہت ہی پرسن (خوش) ہوا اور کہنے لگا کہ تم کو بطور یادگار
 ایک آنشک کا نسخہ دیتے ہیں جس سے یہ بیماری خواہ کیسی ہی خراب کیوں
 نہ ہو چار پہر میں بلا کسی قسم کی تکلیف کے دور ہو جائیگی۔ چونکہ اُس نے نسخہ دینے کا
 وعدہ کیا اس لئے میرے دل میں خیال آیا کہ چلو اگر نسخہ دیتا ہے تو لے لو بالضرر اس
 میں کوئی ایسی دوا ہوئی کہ جو نقصان نہ وہ معلوم ہوئی تو تیار کرینگے۔ چنانچہ
 میں نے اس نسخہ کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ مجھے حق خدمت کی ضرورت نہیں
 مگر میں آپ کی بخشش کو نہ بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ بیشک بطور یادداشت اس کو حسب شاد
 استعمال کروں گا۔ اس پر اُس نے کہا کہ اسکی قیمت کسی سے نہ لینا لوگوں کو مفت دیا کرنا
 یہ نسخہ بتلاتا۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ میرے ایک دوست
 فضل حسین اور میرے محکمہ ریلوے بھی وہاں آئے تھے۔ شاید آپ کو معلوم ہے کہ نہیں مرزا
 فضل حسین ایک نہایت تجربہ کار اور لائق شخص ہیں ان کی اُس فقیر سے خوب
 مدد بھی ہوئی۔ وہ کہتے تھے یہ سب گپ ہے کہ آنشک کا پورا نہ بیماریاں پہر میں
 بالکل راضی ہو جائے اور مجھے بلا تکلیف۔ آخر فیصلہ اس بات پر قرار پایا
 کہ یاد صاحب کے پاس ایک مریض کو لاکر اپنی آنکھ کے روبرو تجربہ کریں کہ شفا
 ہوتی ہے کہ نہیں۔ اس بات کو یاد صاحب نے بھی منظور کر لیا۔ مرزا صاحب
 یاد صاحب کو شام کے وقت اپنے ایک دوست پنڈت برجموہن ناتھ متہ جم
 بیعت کو رات کے مکان پر لے گئے۔ پنڈت صاحب کو ان دنوں سخت آنشک

ہوا تھا۔ مرزا صاحب بولے لو باداجی ان پنڈت صاحب کو چار پہر میں لے
 گئے۔ بادا صاحب بولے یہ تو چار گھنٹہ میں راہی ہو جائینگے۔ بس اتنا کہہ کر بادا صاحب
 نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ لاد صاحب آپ ہمارے ساتھ باغ ایک چلیں وٹیں
 سے ہم ایک بوٹی لانا چاہتے ہیں۔ آپ کو اسلئے ساتھ لے چلتے ہیں کہ آپ یہ تہ خیل کہیں
 کہ بادا صاحب بھاگ گئے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اگر پنڈت صاحب کو چار گھنٹہ میں بالکل
 آرام ہو گیا تو ہم پانچ سو روپیہ سے ایک کوری بھی کم لئے بغیر نہیں جائینگے۔ اس بات
 کا کوئی پورا پورا ضامن ہونا چاہئے۔ اس پر مرزا صاحب اور پنڈت صاحب بولے۔
 بیشک ہمارے منظور ہے آپ اپنی تسلی جس طرح چاہیں کر سکتے ہیں۔ بادا صاحب نے کہا
 کہ ہم کو تم تینوں میں سے لارند کشور پر زیادہ اعتبار ہے یہ اس بات کی
 حامی بھرے تو ہم دوائی دیتے ہیں۔ چونکہ معاملہ بڑا دلچسپ تھا یعنی پنڈت صاحب
 نے اپنے زخم کھول کر ہم کو دکھلا دیئے تھے اور ان کو دیکھ ہم سب کو جبرست
 ہو رہی تھی کہ اتنی بڑی بیماری چار گھنٹہ میں کس طرح اچھی ہو سکے گی۔ کیونکہ
 چار گھنٹے تو ان زخموں کو جو ہم نے دیکھے صاف کرنے کے لئے ہی چاہئیں تھے۔
 اس لئے میں نے ذرا اٹھا لیا کہ اچھی بات ہے اگر پنڈت صاحب کو بالکل شفا
 ہو گئی تو ان سے میں پانچ سو روپیہ دے دوں گا اور اگر پنڈت صاحب نے
 نہ دیئے تو میں اپنے پلے سے ادا کر دوں گا۔ اس معاہدہ کے بعد بادا صاحب
 صرف مجھ تنہا کو لے کر گول باغ میں چلے گئے جہاں سے انہوں نے ایک
 مرد کے درخت کے نیچے سے ایک بوٹی جرٹ سے اکھیرلی اور لٹے پاؤں ہم
 پنڈت صاحب کے مکان پر پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر بادا صاحب نے دو توڑ پھوڑی
 منگائی اور اُسے ہمارے سامنے سو اُس بوٹی کے ایک گرم توبے پر رکھ کر پھول
 کر لیا۔ بس اُس پھوڑی پھول شدہ میں سے چار رتی کے قریب انہوں نے

پندت صاحب کو دیدی اور کہا کہ اگر آپ پھٹکڑی کھانا خطرناک نہیں
 سمجھتے تو اسے پانی کے ساتھ کھا لیجئے۔ مرزا صاحب اور پندت صاحب
 بولے۔ پھٹکڑی کوئی مضر شے نہیں لائے۔ اس کو بخوشی کھا لیٹنگے۔ یہ نورک
 پندت صاحب کو کھلا کر باوا صاحب مجھے ساتھ لائے ہوئے وہاں سے چلے
 آئے ہیں اُن کو اپنے مکان پر لے آیا اور اُن کی نہایت ہی خاطر تواضع
 باوا صاحب شراب سے بڑی محبت رکھتے تھے میں نے وہ بھی ہم
 پہنچا دی۔ جب ایک دو گلاس لے چکے تو مسکرا کر کہنے لگے کہ پندت کو صبح
 تک بالکل آرام ہو جاوے گا۔ اور ہم اُس سے لیوینگے کچھ نہیں۔ ہم تو صرن
 تمہاری شردا دیکھتے تھے۔ ہم کو دولت کی کچھ پرواہ نہیں۔ اُسی
 بوٹی کو اگر ایک تولہ خالص سونے پر لگا دیں۔ اور اُس سونے سات دن
 زمین میں گاڑ کر رکھ چھوڑیں تاکہ ہوا سے محفوظ رہے تو سونے کا وزن ایک
 تولہ سے ڈیڑھ تولہ ہو سکتا ہے۔ میں یہ سن کر حیران رہ گیا۔ باوا صاحب کے
 گئے حیرانی کی کوئی بات نہیں۔ تم صبح کو ہماری بات کی آزمائش کر لیجو۔
 بوٹی تو ہم نے تمہیں بتا ہی دی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس بوٹی کا پتہ کسی
 کو نہ دینا۔ خیران باتوں میں باوا صاحب رات کو میرے ہی مکان پر رہے
 جب صبح ہوئی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ باوا صاحب اپنے بستر پر نڈا رہیں
 سمجھا کہ شاید دریا پر شنان وغیرہ کرنے گئے ہوں گے۔ مگر نظاری محض ہے
 نخی۔ جتنی باواجی کی میں نے تلاش کی اتنی ہی ناکامیابی ہوئی۔ الغرض
 اس کی بات کا تجربہ کرنے کے لئے پندت کے مکان پر چلا گیا۔ وہاں
 میرے جانے سے پہلے ہی مرزا صاحب بھی سچ گئے تھے۔ جاتے ہی
 انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ باوا صاحب کہاں ہیں۔ میں نے کہا انہی

کی تلاش میں میں یہاں تک آیا ہوں وہ تو علی الصباح ہی کہیں چلے گئے تھے اور اب تک واپس نہیں آئے۔ پنڈت جی کی بیماری کا کیا حال ہے۔ پنڈت صاحب ہوئے۔ میری بیماری تو واللہ پر گیا کر کہیں بھکتی نظر نہیں آئی تین زخم تھے سوتیلیوں اس طرح خشک ہو گئے کہ کیا کہوں۔ اور طرفہ یہ کہ تل برابر تکلیف نہیں ہوئی۔ نکتے نہ دست۔ نہ اضطراب نہ بے قراری۔ اس لئے اگر باوا صاحب آجائیں تو ہم پانچ سو روپیہ ان کی نذر کرنے کو تیار ہیں۔ یہ سن کر میں تو بت کی طرح حیران رہ گیا۔ اور بولا کہ باوا صاحب نے مجھے رات ہی کہہ دیا تھا کہ پنڈت جی کو بالکل آرام ہو جاوے گا مگر لینگے ہم ان سے ایک کوڑی بھی نہیں۔ یہ فقرہ سن کر مرزا فضل حسین یکبارگی بول اُٹھے کہ تب تو وہ بلاشبہ رسائی اور کمیگا رہا تھا۔ یہ کہہ کر پنڈت صاحب اور مرزا صاحب اور میں تینوں اُس کی تلاش میں اُٹھ کھڑے۔ اور پورا ایک ہفتہ ہم اُس کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ مگر اس کا کہیں بھی پتہ نہ ملا۔ اب مرزا اور پنڈت دونوں کو باتوں ہی باتوں میں یہ یقین ہو گیا۔ کہ باوا صاحب سے میں نے ضرور کچھ نہ کچھ حاصل کر لیا ہے۔ مجھ سے بہتر انہوں نے پوچھا مگر میں نے صاف انکار ہی کیا کہ میں نے کچھ نہیں سیکھا۔ قصداً ایک دن میں گول بانغ میں اُسی بوٹی کی تلاش میں بھر رہا تھا کہ مجھے پنڈت جی جو بہن ہاتھ دٹاں مل گئے۔ اور انہوں نے وہی رسائی کی داستان چھیڑ دی۔ میں نے انہی کی دفتہ بھی انکار ہی کیا مگر وہ پنڈت بلا کا آدمی ہے۔ اُس نے اور مرزا نے مجھ پر ایسی آنکھ رکھی کہ ایک دن یعنی اُس دن سے پورے دو ماہ بعد جب کہ میں نے سمجھا کہ بات بالکل پرانی ہو گئی۔ میں اپنے مکان کی سنجائی نشہ گاہ میں بیٹھا ہوا تھا اُسی بوٹی کو صاف کر رہا تھا کہ پنڈت جی جو بہن ہاتھ

آپہنچے۔ آتے ہی فرمایا کہ کیوں اُتار دیا یہ چوری کی کارروائی ہم سے کہل
 پوشیدہ رکھو گے۔ میں نے پوچھا کہ کون سی کارروائی؟ پنڈت نے مسکرت
 ہو کر کہا۔ کوئی کارروائی؟ خوب۔ بھلا اتنا تو بتلائے کہ کوئی لوگوں کی
 کھان میں کہیں کوئی سونے کی کھان تو نہیں لگئی۔ میں نے پوچھا۔ سونے کی
 کھان کیسی؟ پنڈت نے کہا اُستاد ہم سے کیوں چھپاتے ہو ہم نے آپ کی
 گھر والی کو اپنی گلی میں دو چار مرتبہ جاتے دیکھ کر اور اُن کے سر سے پیرنگ کے
 زیورات کو اچھی تاڑ کر فوراً سمجھ لیا تھا کہ یہ سونا رسائی سونا ہے بازاری
 سونا ہے ہی نہیں۔ اور وہ مشفق زیورات بھی کس دھوم کے بنوائے ہیں وہ
 کیا ہی کہنے ہیں۔ بھلا ہم سے کب تک چھپاؤ گے۔ ایسی ایسی باتوں میں سچ
 جانئے اُس نے مجھے آخر مجبور کر کے میرے منہ سے دھرم کا یہ وعدہ لے لیا کہ
 اُسے ہفتہ عشرہ کے اندر اندر پانچ سو روپیہ کی چیز دیدنگا اور اُس مال کے
 بدلے وہ کسی تیسرے پڑا ہر نہیں کریگا کہ نند کشور کے پاس کوئی رسائی ہوئی
 ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ پنڈت کو ٹالنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ اس
 لئے اُس کو جتنی جلدی ہو سکے کچھ دے دلا کر بھیجے سے ہٹانا چاہئے معاملہ
 کی اصل کیفیت سے تو واقف تھا ہی نہیں صرف خیالی پلاؤ پکارا تھا کہ وہ
 بازاری سونا نہیں۔ رسائن کا ہے۔ اور یہ وہ وغیرہ۔ اس لئے میں نے
 اُسے یقین دلایا کہ اُس جوگی نے ایک ہزار روپیہ کا سونا بنا دیا ہے سو اُس
 میں سب نصف لے کر میری خلاصی کر۔ پنڈت راضی ہو گیا اور میں نے بھی
 حسب وعدہ اُسے پانچ سو روپیہ کا سونا دے دیا۔ اور تب سے میں اور
 وہ آپس میں دھرم کے نکھائی بن گئے۔ مگر افسوس اُسے قمار بازی نے کہیں
 کا نہ چھوڑا۔ بس دو تین دن ہی میں اُس نے سارا روپیہ برباد کر دیا اور پھر

پیچھے ہو گیا۔ بد قسمتی سے میری اور اُس کی محبت پرلے درجے کی ہو گئی تھی میں نے
 بہتر کہا کہ اب میرے پاس کچھ نہیں۔ مگر اُسے یقین نہ آیا۔ اور مجھ سے ناراض
 ہو کر چلا گیا۔ جلتے جلتے کہہ گیا کہ اگر ہمارا دواؤ لگا۔ تو ہم آپ سے کچھ نہ کچھ
 لے میں گئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ہے۔ یعنی آپ کی بھر جانی بیان کرتی ہے کہ
 جو نہی وہ شریکوں کے گھر سے نکلی۔ پنڈت سہ دو تین دیگر شخص کے جو قطع
 وضع سے گنڈے معلوم ہوتے تھے۔ اُس کے پیچھے ہو گیا۔ جسے کہ وہ اپنی گلی
 میں آ پہنچی۔ بس گلی میں داخل ہوئی ہی تھی کہ اُن میں سے کسی نے اُس کے
 منہ پر ہاتھ رکھتے ہی اُسے اٹھالیا۔ اٹھاتے ہی اُسے غش آگئی۔ اور تب ہی
 ہی جوش آئی۔ جب اُس نے اپنے آپ کو سوتر منڈی کے چوک کے متصل
 زمین پر گرالایا۔ اٹھ کھڑی ہوئی تو بدن کی خبر لگی کہ تین چار سزار روپیہ کا زیور
 جو اُس نے پہنا ہوا تھا۔ وہ ندارد۔ آخر کار رونی بیتی گھر آگئی۔ اب بتائے کہ
 ہے اندھیر کہ نہیں۔ اُس پر طرہ یہ ہے کہ جب وہ بوٹی میرے ہاتھ لگی اُس
 وقت میرے پاس صرف ایک ہزار روپیہ کا طلائی زیور تھا۔ پہلے آزمائش
 کے طور پر میں نے ایک تولہ کو وہ بوٹی لگا لی اور ایک ہفتہ اُسے زمین میں
 دفن رکھا۔ جب نکالا اور وزن کیا تو سچ مچ ڈیڑھ تولہ پایا۔ صرف اور سزار
 کو دکھلایا دونوں نے کہا عمدہ اور خالص سونا ہے۔ زان بید میں نے سارے
 زیورات کو بوٹی کی مالش کر کے ہفتہ بھر زمین میں رکھا۔ اُن سب کا وزن ڈیڑھ
 ہو گیا۔ اُن کو بیچ کر تادمہ سونا خریدا اور پھر اُس کو وہ بوٹی لگائی اور دفن کر رکھا۔
 اُس کا وزن بھی ڈیڑھ ہو گیا۔ پھر اُس کو بیچا اور تازہ سونا خریدا اور اُسے رونی
 کی مالش کر کے دفن کیا اُس کا بھی وزن ڈیڑھ ہو گیا۔ یہاں پر یہ بھی بیان کئے
 دیتا ہوں کہ اس خرید و فروخت کی اس لئے ضرورت پڑی کہ بس سوتے کو

ایک دفعہ اُس بوٹی سے ملتے ہیں تو پھر دوسری دفعہ اُسی سونے پر مالش کا
 نہیں ہوتی۔ عرض جتنی بوٹی میرے ہاتھ آئی تھی اُس سے اُس وقت تک
 میں چھ سات ہزار روپیہ کمایا ہے اور اس لالچ میں میں نے اپنے
 ٹھیکہ کے کام کو بھی فراموش کر رکھا ہے۔ مگر۔۔۔

ہر زوالے را کمالے اور ہر کمالے رازوالے۔ اب میرے پاس ایک
 کوڑی کا زیور طلائی نہیں کہ جس کو اُس بوٹی کی مالش کروں۔ تین چار ہزار
 روپیہ کے بین نے زیور بنوائے تھے اور تین چار ہزار روپیہ میں نے قرضہ
 کیا ہے اور غضب یہ ہے کہ اُس بوٹی میں سے جو میرے ہاتھ آئی تھی صرف
 تھوڑی سی باقی رہ گئی ہے جو ہفتہ کے اندر اندر اگر سوکھ گئی تو بالکل نکمی ہو جائیگی اور
 جب تک پھر ستمبر کے دن نہ آویں گے۔ تب تک اس کا ملنا محال ہے کیونکہ وہ ستمبر
 کے دنوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اور صرف وشل دن تک زندہ رہتی ہے۔
 راسن والے اُسے توڑ کر اپنے پاس رکھتے ہیں اور دیر تک اُسے تروتازہ
 رکھ سکتے ہیں۔ مگر مجھے وہ ترکیب اُس جوگی نے نہیں بتلائی تھی۔ بوٹا بھی بکا
 سارے لاہور بھر میں بس ایک گولی باغ میں ہی نظر آیا جو سب کا سب
 اُس جوگی نے اکھاڑ لیا اور تھوڑا سا یا تری راجا جو میں لے آیا۔ اب یہ بھی معلوم
 نہیں کہ وہ دماں پھر اُلگی کہ نہ کیونکہ ہم اُس کی جرہ تک اُکھیر لائے تھے۔ یہ
 سیری داستان ہے اور یہ قصہ۔ اب آپ سے صرف یہ پرارتھا ہے کہ اگر
 آپ برہمچوہن ہاتھ کو سمجھا سمجھا کر مجھے وہ زیورات لے دیں تو میری محنت
 ٹھکانے لگ گئی ہے ورنہ دین سے بھی گیا اور دنیا سے بھی۔ باقی رہا
 اس پر مقدمہ چلانا سودہ میں کبھی نہ کر دینگا۔ کیونکہ وہ بدلے درجہ کا پرمعاش
 ہے اور اُس کے ساتھ تنازعہ کرنے میں سوائے میری عزت بگڑنے کے

اور کچھ نہیں بنگاؤ

جب دیوان جی نے لالہ نند کشور کا یہ قہقہہ سنا تو انہیں نہ تو بد رانسا کا خیال آیا
اور نہ سپاہی زادے کا نہ اپنی چوٹ کا نہ اُس کی کا۔ بلکہ یہ اس شوق میں غلطان
ہو گئے کہ کسی طرح اُس بوٹی کا درشن کریں۔ دل میں سوچا کہ اگر ابھی نند کشور سے کہا
جائے کہ بوٹی وغیرہ کچھ چیز نہیں۔ محض دھوکہ بازی معلوم ہوتی ہے تو ممکن ہے کہ
وہ جوش میں اگر اُسے لاکر دکھا دے اور اگر لے آوے تو اُسے کہیں کہ اُس سے
ہمارے تھوڑے بہت سونے کو مالش کر کے اُس کا ڈیوڑھ وزن کر دکھائے۔
آدمی بڑا بھلا مانس ہے۔ اس کو جھوٹ بولنے سے سر دکا ہی کیا۔ پوچھا کہ
کیا وہ بوٹی آپ مجھے بھی دکھا سکتے ہیں۔

نند کشور۔ ”اس وقت؟“

دیوان صاحب۔ ”ہاں۔ کیا اس وقت نہیں لاسکتے؟“

نند کشور۔ ”لیا کیوں نہیں سکا؟ مگر میں ڈرنا پیا ہیگاں کہ کہہ دے اور
بدعاش کلی بیچ امی نہ ہووے۔ میں آگے ای ڈر دلوڑ دا گھروں نکل کے
تو ادے پاس آیا ہیگاں۔“

دیوان صاحب۔ ”اُس کی ایسی کی تھی۔ یہاں پر کیا کر سکتا ہے۔“

نند کشور۔ ”بھچتا تاں تیں میرے نال دروازے تک چلو۔“

یہ بات منظور ہوئی اور دیوان صاحب لالہ نند کشور کے ساتھ دروازے
تک گئے۔ پانچ سات منٹ کے بعد لالہ صاحب اپنے مکان سے پھر کر
نیچے آگئے۔ اور پھر یہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ لالہ نند کشور نے ایک بیچ تہی
یعنی پانچ پتوں والی سبز سیر بوٹی دیوان صاحب کے ماتھ میں دے کر کہا۔
”لو دیوان جی۔ اسے بوٹی مانگی ہے۔“ دیوان صاحب نے اُسے بڑی

غور سے دیکھ کر کہا۔ ”خوب۔ تو پھر اس سے آپ کتنا کچھ کما سکتے ہیں۔“
 مند کشور نے مسکرا کر کہا۔ ”کمانا کی ہویا۔ دیوان جی۔ میں تاں شکر کی تاسی کہ
 قرضہ اتر گیا سی۔ تے اُہدے بھتہ پیر کچھ گئے ساہن۔ پر جس دی پرالہ کھولی
 ہووے اوہ بھافیں لکھ جنن کرے کچھ نہیں ہندا۔“

دیوان صاحب۔ ”ٹاں یہ تو سچ ہے۔ مگر میرا مطلب یہ ہے کہ اتنی دولت
 سے کتنے سونے کا وزن ڈلوڑہ ہو سکتا ہے۔“
 مند کشور۔ ”بس سیر ڈیرھ سیر تک۔“

دیوان صاحب (مسکراتے ہوئے)۔ ”لیکن کسی غیر شخص کو بھی اس سے
 فائدہ ہو سکتا ہے یا صرف آپکو ہی۔“

مند کشور۔ ”میں آپدا مطلب نہیں سمجھیا۔“

دیوان صاحب (اسی طرح مسکراتے ہوئے)۔ ”مطلب یہ کہ اگر اس
 بوٹی کو آپ میرے سونے پر لگا دیں اور اُس کا ڈلوڑہ وزن ہو جائے
 تو آپ کا اُس میں کیا ہرج ہے۔“

مند کشور۔ ”میرا ہرج کی ہونا ایس۔ میں تاں خود چاہنا ٹاں کہ جیکر تیں
 ایس توں ستعمال بیچ لے آؤتے بڑی بہتر بات اے۔ نہیں تاں سکدا
 سکدی سڑا سی تے کسے وے کم نہیں آون لگی۔ باقی رہیا میں سو میرا تے
 میرے دوست تے خاتمہ کر دتا اے۔ ٹاں جیکر تیں کچھ ترس کھا کے
 میری تھوڑی بہت مدد کر دیگے تے میری عزت بنی رہیگی۔“

دیوان صاحب نے دو تین منٹ کی سوچ کے بعد کہا۔ ”اچھی بات
 تو پھر آپ یہاں ہی بیٹھئی میں کچھ سونا لاتا ہوں اُس پر اس کی آزمائش
 کرتے ہیں۔ اگر دراصل اُس کا وزن زیادہ ہو گیا تو اُس میں سے جو کچھ

مجھے دینا چاہیں دیکر باتی آپ لے سکتے ہیں۔

نند کشور پولا۔ دیوان جی۔ وزن بڑھ جان وچ تے شک ای نہ ہویا۔
مگر اتسوس تے ایس گل واہیکا کہ ایہ بوٹی ہن ہتھ آونی مشکل ہو گئی اے۔ مگر میں
اسا پہچھا بھی ہن مشکل نال ای چھٹاں گا۔ بھانویں فقیرین کے دیس بدیس
نہ پھرناپے جا۔ئے۔

اب دیوان جی اٹھ کھڑے ہوئے اور پاس لے کمرہ میں چلے گئے۔ جہاں
جا کر اُنہوں نے ایک لوہے کے صندوق کو بڑی استغنی سے کھولا اور اُس
میں سے دو سونے کی رتھیں جو وزن میں سیر سیر بھر ہو گئی۔ نکال کر لالہ نند کشور
کے پاس لے آئے۔ لالہ نند کشور نے اینٹوں کو دیکھ بھال کر کہا۔ اٹاٹا۔ کیہا
سُدہ سونا ہیگا۔ اینھاں دا وزن کی ہیگا؟ دیوان صاحب نے فرمایا۔ انہیں
میں نے ٹکوا یا ہوا ہے۔ پورے سیر سیر کی ہیں۔ لالہ نند کشور نے مسکرتے
ہوئے کہا۔ تاں ایہ دو سیر سونا ہویا۔ بس دو دا پورے تن سیر ہو جاسی۔
اوہ بوٹی میرے دل کرو۔

دیوان جی نے وہ بوٹی جسے وہ ہینک پر رکھ گئے تھے اٹھا کر لالہ نند کشور کے
ہاتھ میں دیدی۔ اُنے اُسے اُن اینٹوں پر بڑی عمدگی سے ملایا اور پھونک
پرے پھینک دیا۔ اور پھر انٹیں اٹھا کر دیوان جی کو دیں۔ اور کہا کہ بس
ایںہاں لوں کہے بھی جیسی جگہ زمین دے وچ دب دیو۔ تہ تیغ بنیں لوپے
اٹھویں دن یعنی اجدے دن ایسے دیلے اٹھ لینا۔

دیوان صاحب بولے۔ اچھی بات۔ ان کہ آپ کے سامنے ہی نکال دیکھا
نند کشور۔ جیسی مرہنی تو ہاؤٹی۔

دیوان صاحب۔ تو انہیں اپنے سونے والے کو میں گٹاؤں گے کیونکہ وہ

کسی دوسرے کی آمد و رفت نہیں۔ اور اُس کمرہ کے ایک طرف کے کونے کا زونہ
بھی کچلے۔ اور چونکہ وہ کمرہ ہے بھی زمین پر اس لئے اچھی طرح گاڑ سکیں
نزد کشور۔ یہ تو ماڈا اپنا اختیار ہیگا اے ۥ

دیوان صاحب۔ خیر۔ اب یہ بتلائے کہ اس برہمنوں کا ہتھکا ہوا
کرنے میں آپ مجھ سے کیا مدد مانگتے ہیں ۥ

نزد کشور۔ دیوانجی۔ میں اس گل دی اپنے من و بیج بہت ساری دیوان
کیتی ہوگی۔ تیس حالتیں چپ اسی کر رہو۔ کیوں ہے اکتاں میرا نقصان
ہو گیا اے۔ اور دوسری غرت برباد۔ میں خود اسنوں مل کے کھانگا کہ ایہ کہ تو
اشرفاں دلا نہیں کیتا۔ جبکہ بھلنسو نال میرا مال ہے دیں تیں بہتر نہیں
میں تینوں تھہ کڑی لگوادیاں گا۔ بس اس داجو کچھ اوہ جواب دیگا کہ وہ تو ماڈے
اگے عرض کر کے خیر جس طرح صلاح دیو گے میں کرانگا ۥ

دیوان صاحب۔ جیسی آپکی مرضی۔ رائے تو میری بھی ہی ہے کہ اگر
ہاتھ آجائے تو بڑی ہی بہتر بات ہے بلکہ میری تو یہ رائے ہے کہ اس دفعہ کا ہاتھ
ہو سکے زیادہ ذکر ہی نہ کیا جائے ۥ

نزد کشور۔ ایسا ہی کرانگا۔ میں گھر جا کے بھی سمجھا دیناں کہ جبکہ کوئی پوچھے
بھی تاں یہ اسی کہنا کہ میں کوئی بد معاش ہیگا سی جس نے ہتھ پایا میں پر اوہ
گیا۔ خیر میں بات نوں سمیٹ لائے گا۔ لگو تیں ہن آرام کرو ۥ
اتنا کہ کر نزد کشور رحمت۔ اور دیوان جی منہ سے بنگلیر ۥ

ہیسواں باب

بھاگ دہلی کی تصویر

صبح ہوئی تو دیوان صاحب جس معمول حاجت فراغت کے بعد اُٹھ کر کے
 کپڑے پہنتے ہی ہوا خوری کے لئے باہر نکل گئے۔ گو ہوا بند تھی مگر سردی اپنا جو بن بھٹن
 کر دکھلا رہی تھی اور مطلع ایسا صاف تھا کہ دریائے راوی کے ریلوے پل پر کہ جہاں
 دیوان صاحب میر کرتے ہوئے پہنچ گئے کھڑا ہو کر شمال مغرب کی طرف دیکھ کر کہنے سے کٹھن
 کے دور دراز پہاڑ چوٹی سے پر تک بخوبی نظر آ رہے تھے۔ بلکہ اُن کی کنگرے دار
 چوٹیوں پر چمکیلی برف کا سہاونا نظارہ اُس وقت مغرب خاطر تھا کہ بے اختیار ہی
 جی چاہتا کہ اگر کہیں سے پرنا تھ آجائیں تو اُن کو دُعا میں پہنچ جائیں۔ آفتاب اپنے درودِ دولت
 سے باہر نکل رہا تھا جسے دیکھ کر شبنم کے موتی جو سبز سبز کھیتوں اور گھاس کے بال بال
 پر رہے ہوئے تھے کچھل کچھل کر خاک میں ال بسے تھے پل کی پاردا میں نا تھ ہندوستان
 کے مشہور و معروف مرحوم شہنشاہ جہانگیر کے عالی شان مقبرے کی میناریں "ہو کی بادشاہی"
 مسجد کی میناروں سے جو دہلی کی سٹارٹ پل میں نا تھ ستادہ ہیں صبح کی سلام علیک
 کہہ رہی تھیں عرض اُس دن انہوں نے منت قدرتی نظارہ ایسا دل فریب تھا کہ اُس پر
 نہ صرف پرندے اور نیچے میر دہلی قرباں مہر رہے تھے بلکہ آدم زاد بھی اُل بسے تھے اور
 ہمارے دیوان صاحب تو بس یہاں تک لٹو ہوئے چلے جا رہے تھے کہ ان کے گدڑے
 کے واقعات کا مطلع دہیان تک بھی نہ تھا اور اگر کچھ خیال آیا بھی تو وہ صرف اتنا ہی

آیا کہ آہ اگر اس وقت سٹر بھاگ نہ گئے بھی ساتھ ہوتا تو کبھی لطف آتا۔ پل کے تار جگہ
 پر سہارا لگائے دیوان صاحب اس خوب صورت نظارے کا دیر تک آنکھ لپیٹے۔
 جو نہیں انہوں نے شہر کی طرف واپس قدم رکھا اسی گزشتہ رات کے واقعات کی
 یاد نے گھیر لیا اور شہر پہنچے تک یہ مختلف خیالات میں گھوم رہے تھے۔ جن کا خاتمہ انہوں
 اس طرح کیا کہ "میرزا کی دوستی کا خیال کچھ تو ہمارے دل سے گجرات میں ہی نہ
 ہو چکا تھا اور باقی رہا سہارا تو دور ہو گیا اور یہ بھی غنیمت ہے کہ اسکی محبت خطر
 میدان سے ہماری ایک ہی لاشی پر خلاصی ہوئی ورنہ رندی بازی میں ہر شک کا
 تو ایک مولیٰ بات ہے۔ باقی رہا سٹر بھاگ نہ گئے۔ سو اس کا بھی اتنا خیال ہی نہیں
 آخر کار بدنامی کا باعث ہو گا کیونکہ دو ایک خوب صورت چھو کر اپنے اگر لوگوں کو یہ
 معلوم ہو گیا کہ ہماری اس سے محبت ہے تو وہ محبت کیسی ہی پاک کیوں نہ ہو تاہم کسی
 کی زبان کو کوئی کہاں تک روک رکھے گا۔ ناں اگر ہمارا ناٹھ اُن کے گھر میں ہو جائے
 پھر ایسے خوب صورت رشتہ دار کے ساتھ مل بیٹھنے اور بات چیت کرنے میں کڑی
 نہیں۔ بلکہ خوب صورت رشتہ داروں اور متعلقین کی موجودگی سے تو آدمی کے گھر کا
 رونق دو بالا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اب یہ کوشش کرنی چاہئے۔ کسی طرح بھاگنا
 کو ایک سرسری نظر دیکھ پا دیں اور پھر ہاتھ دھو کر اس بات کے ورپے ہو جا دیں کہ ہادی
 شادی اُس سے ہو جائے اس پر ہی نزد کشور کی کراہات کہ وہ سونے کے دزن کو ایک
 ڈیڑھ تو بنا ناچا ہوتا ہے سو ممکن ہے کہ اُس کی داستان سچی ہو اور وہ جوگی اسے سچ
 کوئی ایسی بوٹی دے گیا ہو کہ جو کیمیا گری سے متعلق ہو لیکن اس بات کا فکر بھی بیک
 ڈیڑھ وزن بنا تو نہ سہی۔ ہماری چیز کا اصل وزن تو کیس نہیں جاتا۔ مگر ہاں
 بیچارے پر سراسر ظلم ہے۔ خیرت مُفت میں برباد ہوئی اور نقصان علیحدہ۔ جو ہر
 بھی کیا خطرناک و گستاخ ہے۔ جو ہو سو ہو اُس سے ہم ایک دم خواہ آج خواہ کل

دریافت تو کریں گے کہ تیری عقل پر یہ کیا پردہ پر گیا کہ بدجاشی اور قمار بازی پر کمر باندھ کر اپنے
 خاندان کی مٹی پلید کر رہا ہے۔ آخری خیال جو تھا وہ یہ تھا کہ بدر النساء تو سچ منہ بول ہے
 رفیق سپاہی زادے کے اب مہتروں کے لئے ہی ہو گئی۔ اور ات کو جو وہ پانچ چھہ ہٹے
 کے حملہ آور ہم پر پڑے تھے وہ بلاشبہ مہتر ہی تھے۔ انہوں نے یا تو بدر النساء کو قتل کر
 ڈالا ہوگا اور یا اسے اٹھا کر کہیں لے گئے ہونگے۔ اچھا جو ہو گیا سو ہو گیا۔ ہماری بلا سے
 ان خیالات میں محدودیوان صاحب اپنی گلی کے سرے پر پہنچ گئے۔ صبح کے ساڑھے آٹھ
 بج چکے تھے۔ جیسے گلی میں انہوں نے قدم رکھا۔ سامنے سے یعنی ان کے مکان کی طرف
 سے انہیں دو عورتیں آتی دکھائی دیں۔ جن کے چہروں سے جو دیوان صاحب کو دور سے
 نظر آئے معلوم ہوتا تھا کہ جو آگے آگے آ رہی تھی وہ چالیس سے کچھ اوپر اور جو پیچھے تھی
 وہ سترہ کے لگ بگ تھی اور حد و خل کی مشابہت سے گراہی لیتی تھی کہ یا تو بامبئی ہیں
 یا حقیقی بھینیں۔ جب یہ دیوان صاحب کے پاس سے ہو کر گذریں تو بڑی سے تو ان کو دیکھتے
 ہی اپنے دوپٹے کی انچل سے پیشا کو تھوڑا دھٹک لیا لیکن چھوٹی نے سوائے آنکھیں
 نیچے یعنی زمین کی طرف کر لینے کے اور کوئی پردہ نہ کیا اور اسی وجہ سے دیوان صاحب
 نے بھی زیادہ تر غور اور توجہ سے اُسی کو ہی دیکھا۔ اُس نے سر سے پیر تک سفید
 پوشی کی ایک نہایت ہی خوب صورت ساڑھی جس کی چاروں طرف سیاہ حاشیہ
 تھا زیب تن کی ہوئی تھی۔ مگر خلق سے نہایت گتہ ہتھ بدن پر ساڑھی کے علاوہ
 سیاہ ریشم کی ایک چٹ کرٹی بھی تھی جس کی آب و تاب کچھ ریشم کے چمکیلا پن سے اور
 کچھ ساڑھی کی شفاف سفید زمین سے ایسی اٹھی ہوئی تھی کہ جسے دیکھتے ہوئے آنکھ
 بھی کانپ اٹھتی۔ پاؤں میں اُس کے بنگالی ٹیڈن کی سیاہ وارنش دار سیلبر گھڑیاں
 تک سفید جڑا ہیں تھیں۔ گویا یہی معلوم ہوتا تھا کہ کوئی پارسی لیدی ہے یا یہ کہ کسی
 یونین لیدی ہے جس کی پیدائش ہندوستان کی ہوا پارسی لباس زیب تن کیا ہوا

ہے۔ پاس سے گذرتے ہوئے دیوان صاحب کی جتنی نظر اُس جوان عورت کے لباس
 دل فریب پر پڑی اتنی اُس کے حسنِ خدا داد پر نہ پڑ سکی۔ اور یہ اچھا ہو گیا کیونکہ ایک
 ہی نگاہ سے اُن کی حالت کچھ سے کچھ اور ہی ہو گئی۔ اور یہ مشکل تمام اپنے مکان تک
 پہنچ سکے۔ بلکہ سچ پوچھئے تو اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ دم سے ایک لمبی سی آرام گزری پر
 گر پڑے۔ اور دیر تک اُس نرالی پوشاک اور سُندرت شکل کو بار بار آنکھوں کے آگے لاتے
 رہے۔ جب کچھ سُدھ بڑھائی تو دل کمزوری ایک دودھ پانی کا حکم کرنے کے دیوان صاحب
 نے اُسے اور کچھ نہیں کیا۔ اب جو نہالانے گھڑی کو بارہ بجاتے سنا۔ اُس نے اگر بُرے
 ادب سے عرض کی کہ ”مہاراج“! بارہ بھی بج گئے۔ اب تو کھانا لے آؤں!“ اس درخواست
 کے جواب میں دیوان صاحب نے ایک لمبی سی آہ بھر کر کہا ”نہالا۔ اگر تو کھانا کھلانے کے
 بدلے ہمارا ایک اور کام کرے تو کیا ہی خوب ہو“ وہ ماتھہ چور کر بولا ”مہاراج۔ میں صلی
 ہیگاں حکم!“

دیوان صاحب ”بھاگ سنگھ کو کہیں سے بلا لاؤ“

نہالا ”بھاگ سنگھ کیہڑا مہاراج“

دیوان صاحب ”وہ خوب صورت سا چھوکر اجرات ہمارے پاس بیٹھا ہو یا
 کر رہا تھا“

نہالا ”اوہ ناں پریم دیوی دا گھر والا سی“

دیوان صاحب ”نہیں نہیں۔ اُس سے پہلے“

نہالا ”اُس تمھیں ہیلاں ناں مہاراج کتنے ای آدمی بیگے ساہن“

دیوان صاحب ”نہیں نہیں۔ وہ تو جب آیا تھا کہ جب سب آدمی چلے گئے تھے“

نہالا ”ناں ناں۔ اوہ اوہ ٹھیک لے مہاراج۔ اوہ جس نے سمجھو کوٹ
 پہنچا ہو یا سی“

دیوان صاحب "بس بس دی"۔

نہالا "پر مینوں اُسے مکان داپتہ نہیں ہینگا"۔

دیوان صاحب "پورا پورا پتہ تو مجھے کو بھی معلوم نہیں لیکن دھچھوالی میں یہ چرن مھر کی

پوڑیوں کے پاس کہیں اُن کا مکان ہے"۔

نہالا۔ اُس داناؤں کی ہینگا۔ بھگ سنگھ؟

دیوان صاحب "ہاں۔ لیکن اگر تم جاسکو تو دناں جا کر کسی سے یہ دریافت کرنا کہ

دیوان برج محل رسالدار کے گھر بار کے لوگ کس مکان میں رہتے ہیں۔ پھر امید ہے

تم کو وہ اس مکان پر مل پڑے گا۔ وہ دیوان صاحب کا لڑکا ہے"۔

نہالا "بہت سمجھتا۔ میں جا کر اُسوں کو ملایا دناں"۔

دیوان صاحب "اور سُنو تو سہی نہالا۔ یہ ہماری گلی میں آج صبح دو عورتیں جو

آئی تھیں وہ کون تھیں اور کس کے آئی تھیں"۔

نہالا "اوہ کیڑاں مہاراج"۔

دیوان صاحب "اُسے تم نے نہیں دیکھیں کیا؟ ایک تو پنجانی اباس میں تھی

اور دوسری نے پارسیوں کی سی ساڑھی پہنی ہوئی تھی"۔

نہالا "مہاراج۔ مینوں نہیں معلوم۔ میں نہیں دیکھیاں"۔

نہالا کے اس جواب پر دیوان صاحب نے سمجھ کر جب وہ اس گلی سے گزری ہوئی اُس

وقت شاید یہ اندر ہوگا۔ چلو اس سے اُن کی بابت زیادہ ذکر ہی نہ کریں کہیں مامی صاحبہ

سے نہ کہے کہ دیوان جی کسی عورت کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ اس کو بھیجیں تو

بھاگ سنگھ کی تلاش میں بھیجیں اور جب وہ آجائے تو اُس کے آگے اپنے دل کے

راز کا اظہار میں۔ چنانچہ دیوان صاحب نے فرمایا۔

ابھی بات نہالا۔ پھر تم جاؤ اور اُسے بلا لاؤ۔ مگر یہ تو ہمارا رتہ لیتے جاؤ۔ شاید مامی

پیغام برودہ نہ آوے۔ یہ مکر دیوان جی نے جیب سے پاکٹ نکالی اس میں
ایک ورق پھاڑ لیا اور اسپر ذیل کے الفاظ لکھ کر نہالہ کو دے دیا کہ بھاگ
کے پاس لے جائے۔

مائی ڈیرسٹ فرنڈ۔ میں نہایت ہی بے قرار ہوں۔ آج صبح سے ہر وقت
مک میں نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ آپ ضرور اور فوراً تشریف لاکر میری دلچسپ
بلکہ پُروردہ داستانیں۔ اگر آپ نہ آئے تو معلوم نہیں میرا کیا حال ہوگا۔ آپ کا
دینا نامتھ۔

الغرض نہالہ تو جھٹ پٹ دیوان صاحب کا رقمہ لے کر باہر نکل گیا۔ اور دیوان
صاحب اسی آرام کرسی پر لیٹ گئے۔ مختلف خیالات نے ان کی طبیعت کو عالمِ نشہ
میں چکرے کرایا تھا دیا کہ یہ نیمخواب سے ہو گئے۔ اور تب ہی بیدار ہوئے کہ
جب نہالہ اپنی محکم سے بیٹ پچھل سنٹ کے بعد واپس آ گیا۔ اُسے دیکھتے ہی یہ
چونک کر اُبھٹھ بیٹھے اور پوچھا۔

دو لکھیں نہالہ! مسٹر بھاگ سنگھ آ گئے۔

نہالہ نے ماتھ جھک کر عرض کی کہ ”مہاراج اوہناں مسکان داتے مینوں پتہ
میل گیا سی گراوہ اُسی مسکان نوں چھڈ کے ہوو مسکان دوج چلے گئے نہ؟“
دیوان صاحب (بڑی تیر مردہ آواز سے) ”تو پھر ملے کہ نہیں؟“
نہالہ ”مہاراج دلہے کس طرح۔ مینوں تو نہانہ سے نوں داتے پتہ ای
نہیں لیا۔“

دیوان صاحب۔ خوب۔ یک نہ شدد شدہ۔ مائے میرے ملک!۔
دیوان صاحب کی یہ حالت دیکھ کر نہالہ جو ان کا نہایت ہی عزیز و دروکر تھا گہرا
گیا۔ مقررہ دیوان جی کے نزدیک پہنچ کر رہا۔

گیوں مہاراج - خیر تاں ہے نہ - اج تو مانوں ہوئی گیا ہے۔

نہالا کی بات سنکر دیوان صاحب سچوں کی طرح ڈھکنے لگ پڑے جس پر نہالا نے ان کے پاؤں پکڑ لئے اور کہا "مہاراج - پریشردے واسطے تیں مینوں اصل اصل گل دسو کہ آج کی ہو یا کی ہیگا۔"

اتنا کہ نہالا کی ہتھکھوں میں بھی آنسو بھر آئے۔ اور اُس کے مُنہ سے کچھ اور نہ نکل سکا۔ اب دیوان صاحب کرسی سے اٹھ کر کمرے میں بیٹھنے لگ گئے اور نہالا ہر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ جب دیوان صاحب کو ٹھٹھتے ہوئے دس منٹ ہو گئے اور اُنہوں نے مُنہ سے ایک لفظ تک بھی نہ نکالا تو نہالا نے آگے بڑھ کر پھر عرض کی کہ مہاراج تیں مینوں کچھ دسو تو سہی کہ ایہ گل کی ہوئی اے آج؟" نہالا کی اس درخواست پر پھر اُسی آرام کرسی پر بیٹھ گئے اور بولے "نہالا - میری طبیعت اس وقت نہایت بے قرار ہے اور اس بے قراری کی وجہ میں تم پر غصہ کرنے کو تیار ہوں مگر اس شرط پر کہ تم جو کچھ مجھ سے سُنو اس کو بلا میری اجازت کے کسی پر تک ہر نہ کرو۔"

"نہالا بولا - مہاراج - مینوں اپنے جینو دی قسم ہے جیکر میں کسے نوں آپ دی گل دا پتہ دی لگن دیاں تے۔"

دیوان صاحب رہ رہتے تلمسکرا کر "تو پھر تم بیٹھ جاؤ اور میری بات سُنو۔" نہالا - دو زانو ہو کر اور سانسے ہٹیکر "بہ میری گل ایہ لہج ہے گی کہ جو کچھ تساں پھر دیاں تے نوہ جینی جیولی چر پھر ماؤ۔ میرے کولوں ایہ پچھا سی جیہڑی آپ بلول دے اد۔ کسے کسے دیلے پوری پوری نہیں سمجھن ہوندی۔"

دیوان صاحب رہسکرا کر "اچھی بات - سن نہالا گل ایہ بیگی کراں سریرے جس دیلے میں باہر رون ہوا کھا کے واپس آیاں تے اپنی گل چورن گکٹاں اُس دیلے

بیوں آگوں و دھیرتاں آؤندیاں ملیاں نے۔ اک تے کچھ اودھ کھڑجی سی لیکن دوسری
 جھڑی خبرے اودھ سی لڑکی سی یا نوٹہ۔ کوئی سولہاں ستاراں برساں دی سی۔ ہر
 اُس نوں میں اک سرسری نظرای دیکھیا اے تے سیری ایہ حالت ہو گئی اے کہ
 ایہی جی کر دے کہ جو ہووے سو ہووے اودھ اک واری ہووے شش ہو جائے یا
 جیکر اودھ پتہ امی لگ جائے کہ اودھ کون سی تے میں او تھے آپ جا کے اُس نوں
 کسے طرح روز دیکھ آواں کر اں۔ سُن نہلا بیوں ایہ تھجھی طرح معلوم ہو گیا کہ
 چنگی گل نہیں اور اسدے پچ خرابی امی خرابی ہو گئی۔ اور ایس گل نوں میں
 سوچیا اے مگر میں کی کر اں۔ بیوں اک پل چین نہیں آؤندا اور میرا ہور ارادہ ہوتا
 نہیں سوائے اس گل دے کہ کسے طرح میں اودھ تھجھی طرح درشن کر لاں۔ بس
 ایس مطلب واسطے میں تینوں اُس لڑکے بھاگ سنگھ دے بُان واسطے بھیجا
 سی کہ جیکر اودھ آجاندا تاں ضرور اوہناں عورتاں دا کدھروں نہ کہھروں پتہ کڈھ
 دیندا کیونکہ اودھ بڑا وانا ہوگا۔ بلکہ میرا خیال اے کہ اودھ سے ناں گلاں باتاں کر دیاں
 کر دیاں اسی میرا دل ٹھکانے لگ جائے تے کچھ عجب نہیں۔ سو جس طرح ہووے
 سو ہووے توں اُس لڑکے نوں کدھروں دھونڈ لیا۔ اُس دے مکان دا جیکر
 توں کوشش کریں تے پتہ تے ضرور مل جائے گا۔

دیوان صاحب کی یہ بات سُن کر نہلا کھڑا ہو گیا اور بولا کہ نہبت ہچھا مسارج
 میں فیر جا کے اُس دا پتہ کرواں۔ تے جے مل جاندا اے تاں اُس نوں تھائے
 پاس پل دی پل پچ لے آواں آں۔ اُننا کہہ کر وہ تو باہر نکل گیا۔ اور دیوان صاحب
 پھر کمرے میں ادھر ادھر ٹھٹھنے لگ گئے۔

چونکہ صبح سے اس وقت تک فافہ تھا اور طبیعت بھٹک بھٹک کر نہایت ہی
 بے قرار ہو گئی تھی اس لئے اب ان سے زیادہ دیر تک ٹھٹھنا نہ گیا اور یہ دھم دھم

آرام کرسی پر دراز ہو گئے۔ لیٹے لیٹے انہیں کمرہ کے ایک دروازے کی دہلیز کے اندر کی
 طرف فرش پر ایک بھونسلہ سا کا غذا گداڑا دکھائی دیا۔ پہلے تو یہ سوختے رہے کہ
 یہ کیا پڑ ہے مگر جب کچھ پتہ نہ لگا تو اٹھ کر اسے انہوں نے اٹھا لیا اور پھر کرسی پر
 بیٹھ گئے۔ دیکھا تو ایک تصویر تھی۔ کہ جس میں دو عورتوں نے ایک دوسرے سے
 ہاتھ ملایا ہوا تھا۔ اور پاس ایک یورپین منٹلمین ٹوپی ہاتھ میں لئے کھڑا تھا۔ ان
 عورتوں میں سے ایک تو سیم تھی اور دوسری ایک پارسی لیڈی معلوم ہوتی تھی۔
 سیم اور صاحب کی طرف سے تو ایک سرسری نگاہ کے بعد ہی آنکھ ہٹ گئی مگر اس
 پارسی لیڈی پر ایسی گر کر جم گئی کہ دیوان صاحب تصویر کے ساتھ تصویر ہو گئے۔
 اور ان کی آن میں ان کے چہرے پر ایسی رونق اور نشاط آگئی کہ جس سے صاف معلوم
 ہونے لگ پڑا کہ وہ تصویر یا تو اسی پارسی لیڈی کی تھی کہ جس کے دیدار کی ہوس نہیں مضطرب
 کر رہی تھی یا کسی اور ایسی لیڈی کی تھی کہ جس پر اس بھی پہلے ہی کے ذرا تھے۔ مگر یہ جلدی صلیب کیلئے دیوان صاحب
 آنکھ اس تصویر کا اچھی طرح درشن کر چکے تو یہ اپنے دل سے حسب ذیل گفتگو کرنے
 لگ پڑے کہ جس سے ہمارے ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس کی تصویر تھی
 دیوان جی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں گنگناتے ہوئے اپنے دل میں سوچنے لگ گئے
 کہ اگر ہم غلطی نہیں کرتے تو یہ وہی تصویر ہے کہ جس کا ذکر ہمارے دوست مسٹر
 بھاگ سنگھ نے کیا تھا۔ مان مان یہ تو وہی ہے۔ چنٹا میں جو ٹوپی ہاتھ میں لئے ہے
 ایک طرف کھڑے۔ کرنل بروون ہے اور سیم اس کی عورت ہے اور یہ پارسی ساس
 میں لباس عورت جو ہے یہ بلاشبہ بھاگ سنگھ کی لائق ہمیشہ بھاگ دنتی ہے۔
 کرنل بروون کی لیڈی سے بھاگ دنتی الوداعی ہاتھ ملا رہی
 ہے۔ آہ آہ آہ۔ بھاگ دنتی کیا ہے زری پُری حسن کی دیوی ہے
 معلوم ہوتا ہے کہ رات جب ہل چل میں ہم منہ کشور کی د کو دوڑ پڑے

تھے اُس وقت بھاگ سنگھ کی حیب و سب سے کہیں یہ تصویر گر کر
 آٹا آٹا کیا غضب کی تصویر ہے یہ تو بھاگ سنگھ کی ہی عین عین شکل
 ہے۔ بلکہ مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ بھاگ سنگھ اور بھاگ ورتی تو ام ہیں۔ اسی
 طرح اگر میری آنکھ خطا نہیں کرتی تو وہ لیڈی جو باسی لباس میں ملبوس آج
 صبح گلی میں ملی تھی۔ وہ یہی تھی کہ جو اس وقت اس کا غد کے گد پر میرے سامنے
 کھڑی ہے بلکہ میرے ہاتھ میں ہے۔ نہیں نہیں یہ تو میرے سینے سے لگی ہوئی
 اور گو اس وقت بے جان اور بے زمان حالت میں میرے دل کی بے قراری کا
 دُور کو کے آنکھ اور سرور سے رہی ہے مگر جلدی میرے سامنے ہکلام ہو کر مجھے
 وہ آرام دے گی کہ جو آج تک نصیب نہیں ہوا بلکہ اور کسی کو بھی کم ہی حاصل ہوا
 ہوگا۔ او گاڈ۔ میرے دھن بھاگ ہیں۔ میں بڑا خوش قسمت ہوں کہ بیٹھے
 بچھلائے میری ایک خواہشیں پوری ہو گئیں۔ اک چھن ماتر میں مردہ سے
 میں زندہ ہو گیا۔ اے پر میٹر میرا خیال صحیح نکلے یعنی وہ صبح والی لیڈی کوئی اور
 نہ نکل پڑے وہ بھاگ ورتی ہی ہو۔ مجھے تو یقین ہے کہ بھاگ ورتی ہی تھی مگر
 یہ نہیں معلوم کہ اُس کا ہماری گلی میں کیونکر آنا ہوا کیا وہ اپنی ماکولے کر مجھ کو
 کہیں دیکھنے تو نہیں آئی تھی؟ ممکن ہے کہ اسی مطلب کے لئے وہ آئی ہو کیونکہ
 اُس کی عقل اور دانائی کی تو ایک دھوم مچتی ہے اس لئے اُس نے سوچا ہوگا کہ
 جس سے بیاہ کرنا ہے اُس کو جب تک اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لوں تب تک کیا معلوم
 ہو کہ وہ خوب صورت ہے یا بد صورت۔ میری دوسری اوصاف تو بھاگ سنگھ نے
 سے حرف ہجرت سنا دی ہو گئی مگر وہ شاید میری شکل اور قطع وضع کا پورا پورا
 نقشہ اٹھا کر اُس کے سامنے نہ رکھ سکا ہو کہ کچھ ہو یہ تصویر تو بھاگ ورتی ہی کی ہے
 اور اگر یہ درست ہے۔ تو پھر وہ لیڈی جو مجھے ملی تھی وہ بھی بھاگ ورتی ہی تھی۔

جس نے میرے دل کو تسخیر کیا ہے وہ وہی ہے کہ جس کی لکھن مجھے پہلے سی ہی لگی ہوئی
 ہے۔ اور اگر پریشہ نے میری مدد کی اور اُس کا تیرے ساتھ بیاہ ہو گیا تو اور کچھ
 نہیں تو اتنا ضرور ہو گا کہ اُس کے سامنے بڑی دلیری سے میں اتنا کہنے کے قابل
 تو ہو جاؤں گا کہ دل بھی کسی پر آیا تو تجھ ہی پر آیا کہ جس کی دو ٹوئی ملاقات کا
 پہلے سے ہی خیال لگا ہوا تھا۔ انا انا آج کیا مبارک دن ہے۔ اب اگر نکال کے
 ساتھ بھاگ سنگھ آجائے تو بس اُس کے قدم پکڑ لوں کہ پریشہ کے واسطے میری
 مدد کر کے مجھے دنیا میں آباد اور دلشاد کر۔ بس وہ جہاں اپنی والدہ سے میری سفارش
 کرے اور وہ سفارش منظور ہو جائے۔ انا انا پھر تو پوچھ رہا ہوں۔ وہ بھاگوتی کہ جسے مردوں بھڑک رہا
 ہے کام کر دکھائے میں پھر گھر کو آیا کرے۔ انا انا۔ وہ بھاگوتی کہ جسکی جھلک سے میرا دل اٹھ جائے جانا میری
 تادم زینت غمگسار بن جائے۔ انا انا۔ وہ بھاگوتی کہ جس کی تصویر کی چھبھتی
 کا چمکا رہے میری آنکھ کو عالم حیرانی میں ڈال رہا ہے انا ہر دم میری نظر کے سامنے
 رہے۔ انا انا۔ اُن پھر تو میچ میچ مجھ سے بڑھ کر کوئی خوش قسمت نہیں ہو سکتا
 گھر کی مالک تو بھاگوتی اور باہر اندر رفاقت میں میری ہے اُس کا لالین خوبصورت
 اور بہادر بھائی بھاگ سنگھ بس پھر تو ہفت تعلیم کی بادشاہت مل گئی سمجھنی چاہیے۔
 سچ تو یہ ہے کہ ان دونوں مجھ پر پریشہ کی خاص سہرابانی کی نظر ہے۔ ادھر
 اسٹرا اسٹیٹ مل گئی ادھر بھاگ سنگھ بھاگوتی کے نالہ کا وعدہ
 کر گیا ہے اور سب سے بڑھ کر لطف یہ کہ جس پر ہی پیکر پر ہیں دل و جان
 سے شہید ہوا۔ وہ فوراً انا تھ لگ گئی۔ فوراً انا تھ لگ گئی ہی کہنا چاہئے۔
 کیونکہ آج اُس کی تصویر کو دیکھ رہے ہیں تھوڑے دنوں کو اُسے انا تھ
 دیکھ لیں گے البتہ شرط یہ ہے کہ بھاگ سنگھ ہمارے ہی دل سے بڑھ کر
 ایک صورت ہے وہ یہ ہے کہ کیا وہ صبح والی پری پیکر بھاگوتی تھی یا کوئی اور

اس تصویر کے دیکھنے سے تو پورا یقین ہے کہ یہ اُسی کی تصویر ہے آگے جانے لار
 اگر وہ پاس سے گذرتی ہوئی میری طرف پوری نگاہ سے جس طرح اس تصویر میں ہے
 دیکھ لیتی تو ذرا بھی شک نہ رہتا اگر وہ تو آنکھیں نیچے کئے چلی گئی۔ تاہم میں اتنا ہی
 بے وقوف تو نہیں ہوں کہ جس کو ایک دفعہ دیکھا ہو اُس کی تصویر کو نہ پہچان سکوں
 نہیں نہیں وہ بھاگ وہی تھی۔ اٹاٹا۔ اب کروں تو کیا کروں۔ کہیں شادی مرگ
 ہو جائے۔ اُف مارے خوشی کے سارے دن میں کتنی حرارت معلوم ہوتی ہے
 اسی قسم کی خوشی میں لوگ مرجایا کرتے ہیں۔ پاگل ہو جاتے ہیں۔ اٹاٹا۔ شکر ہے پریشتر کا۔

اکیسواں باب

سوئے کی نشیں

پیارسے ناظرین

دیوان صاحب کو تصویر کے تصور میں باؤ لاچھور کر ہم آپ کی خدمت میں ایک نوکر محض کا جو
 اسی دوپہر کو کہ جس کا ذکر ہم ابھی کر آئے ہیں جو فی منڈی کے متصل مرزا افضل حسین صاحب اور سیر
 محکمہ ریلوے کے مکان پر بھی ہوئی تھی تذکرہ پیش کرتے ہیں مرزا صاحب کا مکان و منزلہ تھا جسکے
 نیچے تین دوکانیں تھیں اور دو کاٹھنے اوپر ایک بیٹھک تھی۔ اس بیٹھک کی چھ کھڑکیاں تو بازار
 کی طرف بیٹھے وکانوں کے اوپر تھیں اور پچھلی طرف کی چار ایک محلو پر کھلتی تھیں جس میں انکی
 بیٹھک کے عین بالمقابل ایک پرانی وضع کا عالی شان پرودہ دار مکان تھا جو کہ مرزا صاحب
 تنہا تھے اور بن کی بیٹھک میں اکثر گنا بجانا اور تاس گنجد کا شغل رہا کرتا تھا اس لئے اس
 عالی شان مکان میں جو کوئی قبایل والا آکر بستا تھوڑے عرصے میں ہی تنگ ہا کر اسے خالی کر جاتا
 پھر بھی چونکہ مکان نہایت عمدہ تھا اس لئے اگر آج ہوتا تو کل رکھاتا چنانچہ اوپر کی ذکر
 شدہ دوپہر کو کہ جب مرزا صاحب اپنے چار پانچ دوستوں کے ساتھ اپنی بیٹھک میں عام صبح
 کی خبر لے رہے تھے انہیں اس مکان کے ایک بھوکے میں سے کسی نووار کی آواز سنائی
 دی کہ جسے سنکر یہ بول اٹھے کہ چلو یہ بھی خوب ہوا کہ ہمارے پڑوس سے دو پولیس کے
 محکمہ کا بلابو بھی کہ جس کا ہمیں اکثر ڈرتا تھا اور ہوا معلوم ہو گیا اس مکان میں کوئی
 یا کر ایہ دلدل بولے "یہ فقرہ مرزا صاحب نے انگریزی زبان میں کہا جس کو سنکر ایسے موجد
 احباب میں سے ایک نے جواب دیا کہ "واہ واہ یہ تو سچ منج بلا ملی" یہ جواب بھی

انگریزی میں ہی تھا بلکہ ہمارے ناظرین یا درکھیں کہ مرزا صاحب نے اسے حساب کی گفتگو پر
دیس سے ان کے بائیں ہو رہی تھی انگریزی میں ہی تھی۔ اسے جب کہ ان دوستوں کی طرف
عزیزی میں کچھ جوش سامحوس ہونے لگ پڑا تو مرزا صاحب بولے ”ماں جی لالہ صاحب
آپ فرماتے کہ کیا کرتا چاہیئے؟“

لالہ صاحب در ایک اور موجودہ دوست کی طرف اشارہ کر کے ”یہ اُن سے پوچھئے۔
میں تو اپنی نوکری سے چکا ہوں۔“

مرزا صاحب ”اچھی بات دہی دوست کی طرف مخاطب ہو کر بولتے پڑتے ہی
آپ ہی پھر۔“

پینڈت جی ”بس تیلانا تکانا کیلئے سیدھی سادھی بات ہے کہ اگر لالہ صاحب کی
داستان ساری سچی ہے اور درحقیقت یہ اپنے دربرودہ سونے کی تیشیں اُس کے میں دفن کر
میں تو پھر ہم لوگوں کے پورا ہوں۔ مال کو کھلوا دینا میرے فمے پہنے دیجئے۔“

یونہی پینڈت جی کے منہ سے پچھلا فقرہ نکلا مرزا صاحب اور اُن کے باقی دوست دیوانہ
کی طرح شور و غل کرنے لگ گئے اور پینڈت جی کو گاندھوں پر اٹھاتے اٹھاتے تھک گئے
کہ ”راہ اُسے تار میں کاراز تو برآید و مردوں جیسے گسند۔“ اس عزت افزائی پر پینڈت
جی بچے کی طرح پھول کر ایک کمر کی کے ساتھ تکیہ کے سامنے بیٹھ گئے اور بولے کہ میں
مختصر بات یہ ہے کہ اس امر میں اب زیادہ دیر نہیں رہونی چاہئے۔ اور اگر ہماری صلاح
کوئی ایسے تو بس کل رات ہی دھوا کر دیا جاوے۔“ اس پر ایک دوست جو شیشی
صورت بنائے بان چاہے تھے بول اٹھے۔ مگر یہ بھی کسی کو معلوم ہے کہ اُس
نے کبھی شیشی کا کون سی تاج کو جلیج لینا ہے۔“

پینڈت جی ”کم فہم ہو۔ کیوں۔“

وہ دوست شیشی کا کون سی تاج کو جلیج لینا ہے۔“

کل ہی میں کر لیتا چاہئے۔ کیونکہ مجسٹریٹ کا چارج لینے کے بعد اس کا اسیلا سیت
بڑھ جائیگا اور ایسا نہ ہو کہ پولیس عیرہ کی مدد سے وہ ہمارا کھوج پالوے۔“

پیشتر اس کے کہ کوئی اور بولے لالہ نند کشور نے آگے بڑھ کر کہا۔ سٹوٹسٹ جی
سٹوٹسٹ صورت والے دوست کو ماسٹر جی کر کے پکار رہے تھے آپکا خیال باطل صحیح
ہے ہم کو اس معاملہ میں دیر گر نہیں کرنی چاہئے میری تو بلکہ یہ رائے ہے کہ پنڈت
صاحب آج رات ہی مال نکھوانے کا انتظام کر دیں تو چھپا ہے۔ کیونکہ مجھے اپنی عورت پر کل
بھر دسہ نہیں کہ وہ اس از کو دیر تک اپنے دل میں ہی رکھے۔“

لالہ نند کشور کی تائید میں ایک دوست جو بھی تک چپ بیٹھا تھا اور جو باقی دوستوں
کی نسبت نہایت ہی سلی پوشاک زیب تن کئے ہوئے تھا بول بڑا کہ میں جی سچ تو
کہتے ہیں بھلا عورت کے پاس بھی کبھی کوئی راز قیدہ سکتا ہے اور ہم سے کوئی پوچھے تو ہم تو
صاف کہیں گے کہ لالہ نند کشور کی بہادری پر ہم کو عیش عیش کرنا چاہئے کہ انہوں نے اس
بہادری کے کام میں صرف اپنی ہی دلیری کا پہلا ثبوت دیا ہے بلکہ اپنی عورت پر پورا فائدہ
رکھنے کا بھی ایک نمونہ دکھلایا ہے۔ مگر آخر وہ عورت ہی تو ہے کب تک بات کو اپنے
دل میں رکھ سکے گی۔“

اس تقریر کو سس کر مرزا صاحب بول اٹھے ”سچ ہے نشی جی سچ ہے جیسی بہادری
لالہ نند کشور نے اس کلم میں کی ہے ویسی ہم میں سے شاید ہی کوئی کر سکے مگر حققت تو
یہ ہے کہ مال تو اس وقت تک مالک قبضہ میں پڑا ہوا ہے اور ہم لوگ مفت کی عید مناسبت
میں۔ بہادری کا اعلیٰ خطاب تو اس شخص کو ملے گا کہ جو مال کو صدائی سے نکال
لاویگا اور لطف بھی جب ہی آئیگا کہ جب سب کا ہاتھ گرم ہوگا۔“

ناظرین! کیا آپ مندرجہ بالا گفتگو سے سمجھ گئے ہیں کہ نہیں۔ لوگ کون کہتے اور کس
ادھر گفتگو کر رہے تھے۔ یہید تو نہیں کہ آپ سمجھے ہوں۔ تاہم ذیل کی چند سطور کے ملاحظہ

آپ پر سچو بی ظاہر ہو جائے گا کہ یہ محفل کن لوگوں کی تھی اور اس میں جو گفتگو ہو رہی تھی وہ کونسی
مہم سے متعلق تھی +

کثرت عیاشی اور تماشینی کی وجہ سے پنڈت برجہوہن ناتھ اور مرزا فضل حسین کوڑی کوڑی کا
محتلج ہو گئے۔ چونکہ مرزا صاحب محکمہ یلے میں اور سیر اور لالہ نند کشور اسی محکمہ میں ٹھیکہ دار
تھے اس لئے مرزا صاحب نے جس طرح بن پڑا لالہ صاحب کو اپنے اڈے پر چیرہ لیا اور ان دنوں
میں ہی ان کی بھی اپنی سی گت بنا ڈالی۔ مرزا صاحب کی بدولت لالہ نند کشور اور پنڈت
برجہوہن ناتھ صاحب کی بھی آپس میں دوستی ہو گئی۔ اور جو کچھ رعایا سہا یا چاہے نند کشور
کے پاس تھا وہ پنڈت صاحب کی مہربانی سے ختم ہوا۔ چنانچہ جب تینوں ایک ہی کلاس
میں گئے تو پنڈت صاحب کی رہنمائی سے مدت تک یہ قمار خانوں کی سیر کرتے رہے۔ اور اب
یہ حال ہوا تھا کہ مرزا صاحب کی بیٹھیک لاہور کے بڑے بڑے مشہور قمار بازوں کا سید
کو اربن گیا تھا۔ چنانچہ نوہ مہینے پوٹشاک والا دوست جو کسی وقت گورنمنٹ پریس لاہور میں
ایک مخز اہلکار تھا۔ ایک بڑا بھاری قمار باز تھا اور اس فن میں ان سب کا استاد تھا۔ لالہ
نند کشور کا وہ لنگوٹیا دوست تھا اور وہ اس شخص کو دھنمی اور چالاک پرکھ جو اس کو فن قمار
بازی میں حاصل تھی فریفتہ تھے۔

یہ شخص انگریزی اور فارسی میں اپنے دیگر احباب سے کچھ کم لیاقت نہ تھا مگر جب سے گورنمنٹ
پریس سے برخاست ہوا تب سے اس حلوائی کی دکان کھل لی تھی۔ اور اب وہ تعلیم یافتہ ہونے
کے لوگ اس کو منشی جی۔ منشی جی۔ کر کے پکارا کرتے تھے۔ اس کا نام نند لعل تھا +
پانچواں نمبر اس محفل کا ایک سکول ماسٹر تھا جس کا نام فضل کریم تھا اس شخص کو دائر
شرف الدین اور ماسٹر جوگ راج کی طرح لونڈے بازی کی بدعات ایسا شائبہ کر رہی تھی کہ باوجود
جاسجا پند نام ہونے کے اس کے کان پر جون تک نہیں سن گتی تھی بلکہ دن بدن اس کی عقل پر
پردہ پڑتا جاتا تھا۔ یہ شخص مشن سکول میں شیجر تھا اور وہ بدبخت مہتاب جو لالہ لعلی داس

کی دلفریب معشوقہ تھی اسی کی منکوحہ بیوی تھی۔

یہ ہر وقت لونڈوں کے پیچھے سر پیکتا بھرتا اس لئے وہ اس کے قایم سے ابھر مچتی تھی۔ چنانچہ تھوڑے عرصہ سے اس نے اسے طلاق دیدیا تھا۔ اور گھر بار کے وہنوں سے رنج و پا کر مرزا صاحب کی محفل کی مجاوری اختیار کر لی تھی۔

القصہ اس محفل کا ہر ایک ممبر اول درجہ کا بھلا مانس تھا۔ اور سب کے سب عیاسی کی پرتو رض خواہوں منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ جب بہت ہی تنگ ہوئے تو ایک دن اپنے جس دن کا ہم ذکر کرتے ہیں اُس سے دور وز پہلے ان لوگوں نے بیٹھ کر یہ مشورہ کیا کہ جب تک کسی کا دہر ابھرا یا ہاتھ نہیں آتا تب تک اس تیر تک سے کس طرح گذرے گا۔ بڑی دیر تک مشورہ کرنے کے بعد منشی نند لعل نے ان سب کو مطلع کیا کہ مجھے "نوسر بازی" کے ایک دو ہاتھ آتے ہیں۔ اگر میرے ساتھ آپ لوگ شامل ہو جائیں تو جس کو بھی چاہیں فریب میں لاسکتے ہیں۔ چنانچہ اس شخص نے باقی دو سسٹنوں کو مد نہر بازی کی کئی ایک داستانیں سنائیں۔ چونکہ سننے والے سب کے سب تعلیم یافتہ تھے اس لئے انہوں نے منشی نند لعل کی داستانوں سے تیز یزوں اور باتوں کو منکر یہ صلاح ٹھہرائی کہ لاہور کے نند کشور اپنی عورت کو اپنا بھیدی بنائے اور رات کو یہ شور مچا دے کہ وہ سر سے پیر تک زیورات سے بھر پور اپنے رشتہ داروں کے ماں سے اپنی ساس سمیت اپنے مکان کو واپس آ رہی تھی لگلی ہیں سے کہ انی بہ عاشق اسے اٹھا کر لے گیا۔ جب شور مچ جائے تو در کے لئے دیوان رہنا ناگھڑے ایمل کی جاسے (نوٹ) منشی نند لعل نے دیوان دینا ناگھڑے کا خاص نام نہیں لیا تھا اُس تو یہ کیا تھا کہ کسی ایسے چروسی سے اپیل کیا جائے جو دولت مند ہو۔ اس پر نند کشور نے دیوان دینا ناگھڑے کا نام لے دیا تھا اور گورنر فضل حسین اور سینڈ پرچوبھن ناگھڑے نے لاہور کے نند کشور کو دیوان صاحب کے درجہ اور عزت اور علم و ہنر سے واقف کر کے منع کیا تھا کہ ان کی سبائے کسی اور کو مدہ منتخب کر لے گرنہ کشور نے

دیوان صاحب کا نام پیش کیا جو آخر کار کمیٹی نے بعد بڑی بحث کے پاس کیا، جب دیوان صاحب کے لئے ساتھ ہو جائیں تو انہیں ادھر ادھر ٹھیکہ کر دیا پس لایا جاوے اور کان پڑھائیں وہ دستاں جو ہمارے ناظرین ہندوستان کی زبان دیوان صاحب کے لئے رات کے وقت سن چکے ہیں۔ سنائی جاوے جس سننے سے ممکن نہیں کہ دیوان صاحب کو تو لگاؤ ڈیڑھ تو لہ سونا ہونے کی خواہش نہ پیدا ہو جاوے۔ جب ایسا ہو تو حال ایک جگہ دبا دیا جائے اور اُس کو سات دن کے اندر اندر بذریعہ نقب نکلوا کر اس میں تقسیم کر کے عیش و نشاط میں اڑایا جاوے۔ زان بعد اگر بالفرض دیوان دینا ناگوشک بھی پیدا ہو پڑے کہ یہ دھوکا ہوا ہے تو وہ اس امر کی بابت جب مرزا صاحب سے پتہ نہ پڑے تو یہ دریا فت کریں تو یہ اُس دستاں کو اس قدر تو تسلیم جائیں کہ بیشک ایک جوگی آیا تھا جس نے پنڈت صاحب کا آتشک چار گھنٹہ میں درست کیا تھا کہ امر کہ آیا اُس نے لالہ ہندوستان کو کوئی ایسی بوٹی دی تھی کہ جس سے ایک تو لہ سے ڈیڑھ سونا بن جائے لالہ ہندوستان کو یہی معلوم ہو تو ہوا البتہ یہ کہیں کہ جوگی کی قطع وضع اور بات چیت سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ رسائی ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ ہندوستان کی زبورات چور لے والا کون تھا۔ پنڈت برجموہن ناٹھ یا کوئی اور؟ سو اس کے جواب میں صاحب صاف اقبال کر جائیں کہ چونکہ ہندوستان نے اُس جوگی سے بہت سارے رسائی حاصل کر لئے ہیں تو اُس سے ان کو اقرار کے بموجب پورا حصہ نہیں دیا تھا اُس کی بیوی کے زیورات پر ہم نے جانتا تھا ڈالا گیا اُس دستاں کو جو ہندوستان کے کوئلے مرزا صاحب اور پنڈت صاحب صرف سچا قرار دیں لیکن یہ کہیں یہ عدالت پوچھی جائیں گی ہم اُن سے انکاری ہو جائیگی کیونکہ اقبال کرنے میں ہمارے سر نے غرتی اور بدنامی ہے۔ زان بعد جب یہ سوال پیش ہو کہ نقب کس نے لگائی ہے تو اُس سے سب کے سب لاعلم ہو جائیں یا باتوں باتوں لالہ ہندوستان۔

صاحب سے کہیں کہ جب وہ سونے کی آٹھین بین میں گڑ رہے ہوں گے تو شاید گلی میں کوئی انکی
 بیکار روانی اور گفتگو دیکھ سکن یا ہوگا یا گھر کے نوکروں میں سے ہی کوئی ایسا ہوگا جس کی
 معرفت قلعہ زنی ہوئی ہو۔ اس صاحب کے سنتے ہی اس کیٹی کی یہ رائے بھی قابض
 ہوئی کہ بس تو ممکن نہیں کہ دیوان دینا ناتھ اس معاملہ کو عدالت تک لے جائے کیونکہ
 اسے خوف ہے گا کہ چرچا ہوتے سے لوگ اس پر ہنسینگے کہ دیوان صاحب کو ضبط بھی ہوا تو
 کیا یہ ہودہ۔ کیا رسائیں کی ماہیت سے واقفیت نہ تھی وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر عدالت تک
 نہ جاتا تو ان کے پاس اس بات کا ثبوت ہی کیا ہے کہ یہ کارروائی ہم لوگوں نے کی
 تھی۔ اس پر یہ بات ہوگی کہ دیوان صاحب کی لالند کشور سے عداوت ہو جائے گی لیکن
 لالند کشور استقلال رکھے تو تھلیہ میں دیوان صاحب کو یار باریابی درستان کی سچائی
 قابل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر وہ بگڑ بھی جائیں تو یہ ان کو بنا تار ہے ۴

پیارے ناظرین۔ اب تو آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ لالند کشور کی وہ درستان جو گذشتہ
 باب میں اُس نے دیوان صاحب کے آگے بیان کی تھی محض دھوکے ٹٹی تھی۔ جس کی آڑ میں
 لالند کشور کو ٹٹنے کے واسطے تھا اوسے شور و غل جو اُس نے مچایا تھا بالکل فریب تھلہ لیکن لالند
 کشور نے اس جھوٹے اور فریب کو سچائی کے جامہ میں ایسی عمدگی سے ڈھوس کیا کہ جس پر
 دیوان صاحب اور ہمارے سپاہی تڑا دے ذکی الطبع اشخاص کو ایک رتی بھر بھی شک
 یا پھاس نہ ہو سکا۔ اس منشی ہندو لال کی کرتوت بھی ناظرین نے دیکھ لی ہے کہ اُس نے
 عمدہ اور عین وقت میں ہمارے نہیں اطلاع دے دی کہ آؤ پریم دیوی گھر میں
 آئی ہے سو نہ اُس وقت لالند کشور کو کچھ تذبذب سا ہو گیا۔ کیونکہ جس وقت دیوان
 صاحب نے کوٹوالی کی طرف قدم اٹھایا اُس وقت لالند کشور پہنچا تھا کہ اگر نہ دیوان
 صاحب میں آگیا تو چھتا ہو گا اس لئے لالند کشور جو یوں تو ان کے ساتھ ساتھ ہی تھا مگر کئی نظروں
 سے غائب۔ وقت پر انہیں اس لئے گیا۔ گو یا یہ سارا معاملہ جس طرح سوچا گیا تھا اس سے کئی

درجہ زیادہ صفائی سے ہم پہنچا اور اب اُن سونے کی انیٹوں کا نکلوانا باقی رہ گیا تھا کہ
ہر مزار صاحب کی بیٹھیک میں سجدہ ہو رہی تھی ۔

سب سے پہلے انچوں دوست اپنی اپنی راسے ظاہر کر چکے تو آخر الامر یہ قرار پایا کہ ۳۱ جنوری
رات کو دیوان صاحب کے ہاں نقب لگائی جاوے۔ اس نقب زنی کی تجویز بھی نئے خیالوں
کے مطابق پاس ہوئی اور وہ یہ تھی کہ ۳۱ تاریخ کی شام کو آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے

رکب دیوان صاحب سیر کو باہر گئے ہوئے ہوں ماسٹر فضل کریم ایک اردلی کے بھروسے
دیوان صاحب کے مکان پر جاویں اور اپنی پاکٹ میں کنڈھک کے نہایت ہی خالص

کی ایک شیشی لے جاویں۔ اگر بالفرض دیوان صاحب مکان پر موجود ہوں تو یہ اُن سے کہ
دیں کہ چونکہ حضور کو خدا نے مرتبہ بخشا ہے اور سزا ہے کہ جناب کو ایک دو اردلیوں کی خدمت

ہے اس لئے میں اس امید پر آیا ہوں کہ آپ مجھے ملازم رکھ لیں کیونکہ ایک مدت تک
اردلی ہڈی کی کشتری میں اردلی رہ چکا ہوں۔ بس جو جواب ملے لے کر واپس چلے آؤں

لیکن اگرچہ دیوان صاحب سیر کو گئے ہوئے ہوں اور یہ ضرور ہے کہ وہ گئے ہوئے ہوں گے
اُن کے ملازم نہال کے پاس مزے سے بیٹھ جائیں اور کہیں کہ میں ملازمت کا امیدوار

پہلے کٹر صاحب کا اردلی رہ چکا ہوں اگر اب دیوان صاحب کی اردلی میں جگہ مل جائے
نقصیت لکھ ماسٹر صاحب نہال کے ساتھ کام کج میں شامل ہو جائیں وہ اُس وقت ساک

لمپ صاف کر کے روشن کیا کرتے ہیں دو عمارتوں کے لنگر (باوچینا) میں مصروف ہوتے ہیں
جس طرح ہوسکے غسل خانہ کا لمپ ماسٹر صاحب آپ اٹھا کر لے جاویں اور جب غسل خانہ

میں پہنچیں تو اُس لمپ کو گل کر ڈالیں مگر گل کرنے سے پیشتر پانی کی ڈوٹی کے ساتھ
جو کچھ پکا ہوا زمین کا ہے اُس پر پھڑے ہو جاویں۔ بس لمپ گل کرنے کے ساتھ ہی

تیرا بکی شیشی کو اُس میں پرگرا دیں ایک سکند میں ہی وہ زمین اوبھر جانے لگی جس
انتہا سے فوراً گھوڑا لیں اور وہ آٹھین نکال کر اپنے دو بیٹے میں لپیٹ لیں اور

میں دبا کر باہر اُنچل آویں۔ نہالا سے یہ کہنے کی کچھ ضرورت نہیں کہ کمپ گنگ یوگیات
 کیا اس کے پاس زیادہ بھرنا ہی ہوتا تھا نامناسب ہوگا۔ جتنی جلدی ہو سکے وہاں
 سے رنو چکر ہو آویں ڈیوڑھی کے باہر ان کو پنڈت برجموہن ناتھ مل پڑینگے بلکہ اگر
 پانچوں دوست بازار میں موجود ہوں تو بھی کوئی عجیب نہیں۔

اس تجربے کے پیش کرنے والے پنڈت برجموہن ناتھ تھے جنہوں نے بڑی
 بڑی ولیریاں دے کر نہ صرف اسے کیٹھی سے پاس ہی کرایا بلکہ ماسٹر صاحب
 کو اس ختم کے پورا کرنے پر بھی تیار کر دیا۔ پنڈت صاحب نے کہا کہ آپ لگ چھٹی
 طرح یا دو رکھیں کہ چونکہ اس جنوری کو یہ کام ہوگا اور یکم فروری کو دیوان صاحب
 عدالت کی کرسی پر متمکن ہونے والے ہونگے اس لئے ممکن نہیں کہ وہ اپنی ملازمت
 کے پہلے دن ہی اس معاملہ کی تحقیقات کا کبھیڑا مال بیٹھیں +

القصد ماسٹر فضل کریم صاحب کو دیوان صاحب کے مکان کا سارا نقشہ
 اس طرح کھینچ کر دکھلایا اور چوری کرنے کا سبق ایسی عمدہ طرح سمجھا گیا کہ دیواروں
 نے ماسٹر صاحب کے جلدی اور سنجوئی سمجھ جانے اور پنڈت صاحب کے سمجھ دینے
 کی تعریف میں ایک اور دو چیل دیا جسکے ختم ہونے پر یہ محفل برخاست ہوئی +

بانیوال باب

بھاگ ورتی کا رقصہ

مرزا صاحب کی محفل برخواست کر کے ہم اپنے ناظرین کو پھر دیوان صاحب کے مکان پر لے چلتے ہیں۔ نہالا کی غیر حاضری میں دیوان صاحب نے دو چار چھوٹے چھوٹے بسکٹ اور ایک دودھ کے گلاس سے دن بھر کا روہ افطار کر لیا تھا۔ گراس تصویر کو دیکھ دیکھ اور مختلف خیالات میں مغر مار مار کر انہوں نے اپنے آپ کو اس قدر تھکا لیا تھا کہ ان کے باغ اور آنکھوں بلکہ سارے بدن میں باوجود سردی کا موسم ہونے کے انتہا درجہ کی گرمی اور خشکی محسوس ہو رہی تھی کہ جس کے ددر کرنے کو دودھ کا ایک گلاس تو کیا ایک پنچ سیرا لٹا بھی کافی تھا۔ بہر حال اس مختصر سے ناشتے سے طبیعت کچھ برے نام تازہ ہو گئی تھی کہ اتنے میں نہالا واپس آ گیا۔ اس کو دیکھتے ہی دیوان صاحب بول اٹھے ”کیوں نہالا بھاگ سنگھ جی کو لے آیا؟ نہالانے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ ”مہاراج مہینوں دم لے لین دیتوئے فیر میں تو ماڈے اگے ساری حلیکت (حقیقت) کرنا لاں“ دیوان صاحب نے فرمایا۔ ”بہت بہتر“ جیسا پنچ نہالانے دم لے کر کچھ کہی پنجابی زبان میں بیان کیا اس کا لب لباب ویل میں درج ہے۔ اسے کہنا کہ ”مہاراج۔ میں آپ سے رخصت ہو کر پھر چھٹوالی میں گیا اور وہاں کے ایک

ایک آدمی سے خصوصاً اُن سے جو بھاگ سنگھ کے پروسے تھے دریافت کرنا شروع کیا کہ دیوان برج لعل کے گھر بار کے لوگ کون سے مکان میں جا رہے ہیں گزرتھے کسی نے اُن کا پتہ نہ بتلایا۔ لاہور بھی مہاراج ایک عجیب شہر ہے کہ دیوار بہ دیوار بھی اگر کوئی رہتا ہو تو ایک کو دوسرے کا نام بھی نہیں آتا۔ خاص کر پردیسی لوگ تو جتنے رہتے ہیں برسوں تک اُن کی اصل باشندگان سے واقفیت بھی پیدا نہیں ہوتی۔ غرض میں ناامید ہو کر گھر کو واپس آئے لگا تھا کہ دہاں ایک برہمن آگیا۔ محلہ والوں نے کہا کہ بھائی اس برہمن سے پوچھ لے شاید اس کو اُن کا پتہ ہو کیونکہ یہ اُن کے ہاں آیا جایا کرتا تھا۔ جب اُس برہمن سے پوچھا تو پہلے تو وہ خوف زدہ ہو گیا کہ جانے پریشیر کیا معاملہ ہے کہیں کسی کھینچتاں میں نہ آنا پڑ جائے لیکن جب میں نے اُسے یقین دلایا کہ میں دیوان صاحب دینا ناتھ صاحب کا ذکر نہیں اور ایک رنج کی ضروری معاملہ کے لئے بڑی دیر سے بھٹک رہا ہوں تو وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر دہاں سے چل پڑا راستے میں اُس نے مجھ سے دریافت کیا کہ دیوان دینا ناتھ صاحب کو اُن عورتوں کے ساتھ ایسا کون سا ضروری کام ہے کہ وہ اسی وقت اُن کے گھر کا پتہ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا عورت تو کسی کے ساتھ کام نہیں صرف دیوان برج لعل صاحب کے لڑکے بھاگ سنگھ سے کچھ مطلب ہے کیونکہ وہ ہمارے ہاں آیا جایا کرتا ہے۔ بھاگ سنگھ کا نام منکر وہ برہمن بہت کچھ حیران سا رہ کر چلتا چلتا کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ بھائی تب تم کسی اور کا پتہ پوچھ رہے ہو دیوان برج لعل کا تو ایک ہی لڑکا تھا جو پچھلے بیا کہ میں اس جگہ مارا گیا تھا اور لڑکا تو ان کے ہاں کوئی رہے نہیں۔ اس لئے تمہارے دیوان صاحب کسی اور دیوان برج لعل کے

مکان کا پتہ پوچھتے ہو گئے۔ پروہت کی بات سنکر میں بکا بکا رہ گیا۔
 کیا کہوں مگر میں نے ضد کر لی اور اُس سے کہا کہ جب نئی تجھ کو ہمارے
 دیوان صاحب سے زیادہ خبر نہیں ہو سکتی۔ تو تجھ کو دیوان برج
 کا مکان بتا دوے میں بھاگ سنگھ کا پتہ لے لوں گا۔ اس کے جواب
 میں وہ بولا کہ دیوان برج محل کی صرف ایک لڑکی ہی لڑکی باقی ہے۔
 جس کا نام بھاگ دتی ہے۔ کیا تم غلطی میں تو نہیں؟ شاید دیوان دینا
 نے بھاگ دتی کا نام لیا ہو اور تمہیں بھاگ سنگھ یاد رہ گیا ہو۔ میں نے
 کہا کہ بھائی میں بے وقوف تو ہوں نہیں کہ جو کچھ میرا مالک کہے اُس کو بھلا
 جیوں مجھے تو میرے آٹھنے پر رقتہ دیا ہے کہ جا کر دیوان برج محل صاحب
 سے ہو کے بھاگ سنگھ کو دیدے اور اُس کو اتنے سنا تھلے آؤ۔ اگر یقین
 نہیں آتا تو کسی سے پڑھ لیتے ہیں۔ اس پر وہ بولا ہمیں ایسی کون سی
 ضرورت پڑ گئی کہ مفت میں سرور دی کرتے پھریں۔ تم نے مجھ سے اُن کے
 مکان کا پتہ پوچھا سو میں بھی چونکہ اُنہی طرف جا رہا تھا اس لئے میں تم کو
 وہاں لے چلتا ہوں آگے تم نے آپ سمجھ لینا۔ دیوان صاحب کی لڑکی
 بھاگ دتی خود تم کو سب کچھ بتا دے گی۔ کیونکہ یوں تو وہ عورت ہے مگر
 عقل اور ہمت میں مردوں کے بھی کان کھاتی ہے۔ پروہت کی یہ بات سنکر
 مہاراج میری ہنسی کھل گئی اور میں نے اُس سے سخری کے طور پر کہا کہ
 یہ تو پروہت جی تمہارے خوب کسی اگر وہ لڑکی کان کھاتی ہے تو میری
 سفارش ضرور کیجئے گا کیونکہ میرا وہاں کان بچپن سے ہی وہاں کان سے
 متعلق ہے مگر باوجود تلاش کے مجھے اس کے کترنے والا کوئی نہیں ملتا
 تھا۔ میری بات سن کر وہ مستغنی ہو کر کہنے لگا۔ تم تو میری بات

کو مسخری میں اڑاتے ہو۔ مگر میں تم سے جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں بال برابر
 بھی جھوٹ نہیں۔ کان کترنے سے میرا یہ مطلب تو نہیں کہ تم ایسے گیدی
 خدا کے وہ کان کترتی رہتی ہے میرا اصل مطلب تو یہ تھا کہ عقل اور
 ہمت میں وہ مردوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ یہاں تک کہ کئی دفعہ اُس نے
 جس بڑے جوان اور منطوب اور تم ایسے ہتھے کٹے چور دن اور بدباشوں
 کا مقابلہ کر کے اُن کو لوہے کے چنے چبائے اور بال بھی بیگا نہ ہونے دیا۔
 چونکہ پردہست جی بات بات پر مجھے بڑے ماسوں سے پکارنے لگے اس لئے
 مجھے از بس طیش آگیا مگر میں آپ کے خوف کے مارے چپ ہو گیا ورنہ
 اُس کا کنگھا بناؤ التا البتہ انسان کے بغیر میں بھی نہ رہ سکا کہ پردہست جی اس
 سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی جھاننی (مرید) کوئی چڑیل ہوگی جو مردوں
 کا اس طرح مقابلہ کرنے سے بھی نہیں ڈرتی۔ یہ سُنکر وہ چپ ہو گیا
 اور چونکہ دیوان برج لعل صاحب کا مکان بھی اب نزدیک آگیا تھا اس لئے
 کھڑا ہو گیا اور وہ دور سے مکان تہا کر غصہ میں بھرا ہوا جانے بھاگوان
 کہ تھکا کھڑا تھا گیا۔ رات بعد میں نے اُس مکان کے نیچے کھڑا ہو کر دو بابو
 بھاگ سنگھ بابو بھاگ سنگھ کر کے آوازیں دینی شروع کر دیں تیسری
 چوتھی آواز کے جواب میں مکان کی ایک کھڑکی میں سے جس میں ایک چک
 ٹک سی تھی کسی نے پوچھا "کون ہے" میں نے کہا میں ہوں دیوان
 دیوانا تھکا صاحب کا نوکر اور یہ رقمہ لایا ہوں بابو بھاگ سنگھ صاحب کے
 واسطے۔ میرا جواب سُنکر اُس عورت نے جو کھڑکی میں کھڑی تھی اور جس کو
 میں نے چک میں سے بونجی دیکھ لیا تھا کھڑکی میں سے چھٹکا "لکا دیا اور کہا
 کہ رقمہ کو اس میں کھدو۔ (دفوف)۔ لاہور کے باشندگان اپنے اونچے اور لمبی

جھٹوں نے مکانات سے نیچے اترنے کی تکلیف سے بچنے کی خاطر کھڑکیوں
 کے ساتھ ایک ٹوکری ایک ڈوری کے ساتھ باندھ کر لٹکا رکھے ہیں جس کو
 لٹا ہوئی بولی میں چھٹکا کہتے ہیں، چنانچہ آپ کا رقعہ تو مہاراج جی چھٹکا
 میں بیٹھ کر اوپر چلا گیا اور میں جواب کی انتظاری میں نیچے تھری پر بیٹھ رہا
 مجھے بیٹھے ہوئے پندرہ منٹ گزرے ہونگے کہ وہاں سے ایک بابو جس
 کے آگے پیچھے تین چار سقے اور جاب روب کش تھے گذرنا ہوا میرے پاس پہنچ کر
 کھڑا ہو گیا اور میری طرف دیکھ کر بولا کہ کوہنالا تم اس جگہ کس طرح بیٹھے
 ہو۔ کیا دیوان دینا تھا صاحب اوپر گئے ہوئے ہیں۔ میں نے کھڑے ہو کر
 بڑے ادب سے جواب دیا کہ دیوان صاحب تو اپنے مکان پر ہیں مگر میں ان کے
 ہی اس ضروری کام کے لئے اس جگہ بیٹھا ہوا ہوں۔ اس پر وہ مسکرا کر
 اور یہ کہتا ہوا کہ ”دیوان صاحب کے کیا ہی کہنے ہیں“ چوہدر جابو ہاتھ چلا گیا
 تھوڑی دیر بعد اوپر کی کھڑکی میں سے اُسی عورت نے مجھے بلا کر کہا اور چھٹکا
 نیچے لٹکا کر کہا کہ یہ دیوان صاحب کے رقعے کا جواب ہے اس میں سے
 لے لو۔ میں نے رقعہ لے کر غرض کی کہ کچھ زبانی بھی کہنا ہے کہ اس میں سب
 کچھ درج ہے وہ بولی۔ اسی میں سب کچھ درج ہے زبانی کچھ نہیں کہنا اس کے جواب
 میں میں نے کہا کہ دیوان صاحب نے تو بابو بھاگ سنگھ جی کو ساتھ لانے کے لئے مجھے حکم
 دیا تھا۔ اس کی بابت ان سے کیا کہوں۔ اس پر وہ مسکرا پڑی اور بولی بھاگ سنگھ اس وقت تک
 میں موجود نہیں ہے۔ رقعہ میں سب کچھ لکھ دیا ہے تم یہ رقعہ لے جاؤ۔ دیوان صاحب کا
 حلال معاذم ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ لیجئے آپ کے رقعہ کا جواب۔ مگر اس کو کھولنے اور
 سے پہلے ایک ادبیات بھی سن لیجئے وہ یہ ہے کہ جب میں یہ رقعہ لیکر واپس آتا تھا تو
 سو ہے بازار میں وہ پردہت مجھے پھر مل گیا۔ اس جگہ اُس کو میں نے اُس کے

ساتھ بھاگ سنگھ کے مکان کے نیچے مجھے بلا تھا کانا بوسی کی باتیں کرتے
 دیکھا۔ مجھے آنا دیکھ کر وہ اُس بابو کے پاس سے علیحدہ ہو گیا مگر میں نے
 اُس کو تباہ کر اٹھا کہہ دیا کہ کیوں پر دہت جی میں سچا پوچھا کہ آپ۔ آپ تو
 کہتے تھے کہ دیوان برج محل صاحب کا لڑکا کوئی ہے ہی نہیں یہ سنکر
 وہ تھوڑی سی چڑھتا ہوا بولا کہ اب بھی تو میں یہ کہتا ہوں کہ دیوان برج محل صاحب
 کا لڑکا کوئی نہیں۔ اُن کی تو ایک استری ہے اور ایک لڑکی۔ میں نے کہا
 کہ اگر ایک لڑکا جس کا نام بھاگ سنگھ ہے بھی ہو تو پھر آپ کیا دیں گے۔
 ہمارے یہ گنگوٹ سنگروہ بابو ہمارے پاس آگیا اور مجھ سے مسکرا کر پوچھنے
 لگا کہ جبکہ آپ ہے :

ٹھہرا۔ میں نے کہا جی کچھ نہیں یوں ہی آپ میں کوئی بات کر رہے ہیں۔
 سپروہ پر دہت اُس بابو سے کہنے لگا مہاراج جی بات یہ ہے کہ دیوان برج
 محل جی جو ڈیرہ اسمیل خاں میں سالدار تھے اور جن کا ذکر میں ابھی آپ
 سے کر رہا تھا۔ ہمارے بھجان تھے۔ وہ آپ تو سرگباش ہو گئے ہیں اور
 اُن کی استری اور ایک لڑکی اس جگہ آگئی ہوئی ہیں۔ میری اور اس
 شخص کی سبب یہ ہے کہ آیا دیوان صاحب کے ہاں سولے اُس لڑکے کے
 جس کو حقوڑا اسم معروف ہوا کسی کبجری نے زہر دے کر مار ڈالا تھا اور بھی کوئی
 لڑکا ہے یا نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ صرف ایک لڑکی ہی لڑکی ہے اور یہ کہتا ہے
 کہ اُس لڑکی کے علاوہ ایک لڑکا بھی ہے جس کا نام بھاگ سنگھ بتلاتا ہے
 مگر میں حیران ہوں کہ مجھ سے بڑھ کر اس شخص کو کیا معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ
 جب سے وہ لاہور میں آئے ہیں اُن کا میرے اور میری استری اور بالالہ
 نند کسور کے گھر والوں کے بغیر دوسرا کوئی واقف ہی اس جگہ ابھی تک

نہیں بنا۔ تو پھر یہ شخص مجھ سے زیادہ اُن لوگوں کی بابت کیا جان سکتا ہے
 جب پرہت صاحب کہہ چکے تو میں نے اُس بابو سے کہا کہ کیوں صاحب
 جب دیوان صاحب کے لڑکے کو میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہوا ہے اور
 وہ گزشتہ رات کو ہمارے دیوان صاحب کے پاس موجود تھا تو پھر میں
 کس طرح مان سکتا ہوں کہ دیوان برج لعل صاحب کا کوئی لڑکا نہیں
 اس پر وہ بابو مسکراتا ہوا بولا کہ یہ بات ہی جیلنے دو کہ میں آپس میں تم دونوں
 کا کوئی قصا و نہ ہو جائے اگر دیوان برج لعل صاحب کا کوئی دراصل دوم
 لڑکے تو وہ پرہت جی کے نہ ماننے سے گم نہیں ہو سکتا تھا اور اگر نہیں
 تو تمہارے مان لینے سے موجود نہیں ہو سکتا۔ ماسوائے اس کے تم نے یا
 ہم نے اُن کی جائیداد کو تھوڑی سی ہاشمی ہے کہ مفت کی سرور دی کرتے
 پھر میں۔ اس پر میں تو وہاں سے چلا آیا مگر وہ پرہت اُس بابو کے
 ساتھ کچھ بات چیت کرتا رہا۔ دوپہار دکانیں گزر کر ایک دکان والے
 میں نے اُس بابو کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ لالہ بالاک ام میونسپل کشنر
 تھا اور گلی کوچوں کی صفائی کا انتظام دیکھ رہا تھا۔ بس اب آپ یہ واقعہ ملاحظہ
 فرما کر کوئی اور خدمت میرے ذمہ لگاتے ہیں تو فرما دیجئے گا۔
 یہاں سے ناظرین:

نہا کی تقریر سنکر دیوان صاحب نے رقعہ پڑھنا شروع کیا۔ یہ رقعہ ایک
 لفافہ میں بند تھا جس پر انگریزی میں دیوان صاحب کا نام لکھا تھا۔ کھلا تو
 رقعہ بھی انگریزی میں ہی لکھا پایا۔ اُس کا ترجمہ ذیل میں درج ہے:-
 "دیوان جی مہاراج۔ منسکر۔ آپ کا عنایت نامہ میرے دیوان بھگت
 سنگھ کے نام مشرف صدور لایا۔ آپ میرے بھگت کو یاد فرماتے ہیں مگر وہ

اس وقت گھر میں موجود نہیں اور اگر پوتا بھی تو میری والدہ کو فرماتی ہیں
 اسکو آپکی خدمت شریف میں نہ بھیجا جاتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کو آئندہ کیلئے
 قطعی ممانعت کی جاتی کہ آپ کی خدمت میں کبھی حاضر نہ ہو۔ ہرگز نہیں مطلب
 یہ ہے کہ میری والدہ صاحبہ نے اپنے منہ سے آج کچھ ایسے مبارک الفاظ نکال
 ڈالے ہیں۔ جو ہم کو چند ایام کے لئے آپ سے ملنے جلنے سے باز رہنے پر مجبور
 کرتے ہیں۔ یکم فروری تک میرے ماموں صاحب فیروز پور سے آجائیں گے
 اور اس وقت وہ آپ سے اور آپ کے ماموں صاحب سے اس قہر سے متعلق
 مفصل کہہ سادیں گے۔ میری والدہ نے اس قہر کی پیشانی پر اپنے دست
 مبارک سے محمد عفران کا تلمک لگا دیا ہے۔ اور وہ ولی سے آپ کے حق میں شیر
 یلو کھتی ہے ۛ

آپکی وغیرہ وغیرہ
 بھاگ دتی

تیسواں باب

شیخ نصیر اللہ صاحب کا کمرہ ناچ

رقعہ پڑھ کر دیوان صاحب کو جو خوشی حاصل ہوئی۔ اور ساتھ ہی نہال کی بدستان
 شکر جوئے خیالات پیدا ہوئے۔ بلکہ نہالا سے جو حوالت انہوں نے پوچھی ان
 سب کی تفصیل کرنے سے درگزر کر کے ہم اپنے ناظر بن کج خدمت میں ایک اور
 محفل کا سینہ پیش کرتے ہیں۔ جو اس تاریخ ماہ جنوری کی بات کو شیخ نصیر اللہ
 صاحب سوواگر کے عایشان مکان واقع انارکلی بازار میں شیخ صاحب مدد

کے ماں فرزند ارجمند پیدا ہو نیکی خوشی پر لگی ہوئی تھی۔ شیخ نصیر الدین صاحب
 لاہور کے ایک متحول اور نامور یہود اگر تھے۔ ان کی دکان کی دور دراز تک پہنچ کر
 بچھی ہوئی تھی۔ نین شادیوں کے بعد خدائے انہیں فرزند عنایت کیا۔ وہ
 سے دیوانے ہو گئے۔ اور یہ صلاح کی کہ غریبوں کو کھانے کی خیرات تقسیم کر دے۔
 لاہور کے سارے سفید پوشوں کو اپنے ماں کھا کھلایا جاوے۔ کھانے
 ساتھ اور شراب اور تاج کا شغل بھی مہیا ہو۔ مگر اس شغل میں جبکی مرضی ہو
 ہو کسی کو مجبور نہ کیا جاوے۔

اس محل سے جس کا ہم ذکر کرتے ہیں۔ پہلے بھی چار محفلیں ہو چکی تھیں جنہیں
 لاہور کے عنقریب سارے سفید پوش کیا بابو اور کیا منشی اور کیا سیٹھ اور کیا
 سوداگر شیخ صاحب کے ماں کھانے اور تاج رنگ کی ضیافتیں ادا چکے تھے۔
 چونکہ لاہور کے عامی گرامی ارکان کی تعداد پہلی محفلوں میں اتنی زیادہ نہ تھی
 جتنی اس محل میں تھی۔ اور چونکہ اسی محل سے ہمیں اپنے نادول کے لئے کسی
 ایک لچسپ واقعات قابل اندراج نامتھ لگے اس لئے اسکی کیفیت کو ہم مختصراً
 سے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

چونکہ یہ آخری محفل تھی۔ اور مدعو احباب بھی بڑے بڑے رتبوں والے تھے
 اس لئے شیخ صاحب نے اس دن کا انتظام اپنے خاص دست مبارک میں
 لیا تھا۔ تاکہ کسی کی خاطر میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔ چنانچہ ۷ بجے شام سے پہلے
 کھانے کے دونوں کمرے ایک اہل کے وسطے اور دوسرا اہل اسلام کے لئے ٹھیک
 مٹھا کئے گئے۔ اسی طرح دو اور کمرے جو کھانے کے کمروں سے چھوٹے تھے
 جام صراحی کے سامانوں سے آراستہ کر دیئے گئے۔ بڑا کمرہ جو شیخ صاحب کی کئی
 کی جان تھا۔ بھار قانونس اور تصویروں سے نایاب کی خاطر آراستہ و پیراستہ کر دیا

کیا۔ چونکہ سردی کا موسم تھا۔ اس لئے چھ بجتے ہی خاصی ٹھنڈک ہو گئی اور اُس
 نشان مکان کا ہر ایک حصہ قدرتی طور پر کچھ ایسا سہاونا نظر آنے لگا پڑا کہ
 چلتے بھی وہاں کچھ دیر ٹھہرنے کو جی مانگ مارا آنا گویا مکان کی صفائی مہانوں
 اپنا آپ عاشق بنا رہی تھی۔ پھاٹک کے بیچوں بیچ سامنے کے ایوان تک جو
 رک تھی۔ اس پر پھولوں کے گلے اور کتلوں کے پیچھے کیلے کے درخت
 قطار اور سجائے ہوئے جلس کی دھوم میں جان ڈالی ہوئے تھے۔ القصہ اُسدن
 محفل پر لحاظ سے سابقہ محفلوں سے درجہ اڑھ چڑھ کر منفرد ہوتی نظر آتی تھی
 جب روشنی کے قبلہ گاہ سچاں کعبہ مراجعت فرما گئے۔ اور اپنا دربار اپنے چید چاہوں
 کے حوالے کر گئے۔ تہ شیخ صاحب کے مدعو احباب جو کہ درجہ کے شرمع ہو گئے
 ان سب اصحاب کو شیخ صاحب نے نالچ والے بڑے کمرے میں جمیں ہو وقت
 تک ایک لمبی درسی کے اوپر کرسیاں ہی کرسیاں رکھی تھیں یا اُن کے درمیان
 دو تین لمبی لمبی میزیں رکھی تھیں۔ بٹھلانا شروع کر دیا۔
 اس کمرہ کی ایک دیوار پر ایک کاغذ کا بورڈ لگا ہوا حاضرین کو بتلاتا تھا۔ کہ
 کمرہ ”نالچ روم“ ہے، یا عیش پسند اصحاب اس بورڈ کو پڑھ کر دل ہی دل
 میں خوش ہو رہے تھے۔ کہ کھانا پڑا ایسی کی تیزی میں بس نالچ ہے تو سب کچھ ہے
 گورہ اصحاب جو نالچ کے برخلاف تھے۔ شیخ صاحب کو دل ہی دل میں کوس رہے
 تھے۔ کہ واہ بسم اللہ ہی غلط ہوا۔ بٹھلایا بھی تو کہاں لاکر بٹھلایا۔ کہ اتنے میں
 شیخ صاحب کے چھوٹے بھائی نے جس کا نام بشیر اللہ تھا اُس کو آکر ایک
 کارڈ ہر ایک کے آگے رکھ دیا۔ اُس کاؤ پر اردو میں یہ الفاظ لکھے تھے۔
 اگر جناب کو کچھ سرور دیکر ہوا تو موجود ہے۔ اہل ہندو کا کمرہ اس کمرے کے
 شمال میں ہے۔ اور اہل اسلام کا جنوب میں۔ اگر شوق ہے۔ تو تشریف کیجئے۔

مشکو فرمائے گا۔ بندہ شیخ نصیر اللہ

کارڈ پر بکریوں تو ہر ایک مہمان شیخ صاحب کی ذکاوت طبع پر تحسین کرتا تھا۔
 بجائے اسکے کہ ہر ایک سے دریافت کرتے پھریں۔ کہ "کیوں جناب پاپ لینے آیا
 یہ اچھا کیا ہے کہ اس چیز کا استعمال مہمانوں کی مرضی پر موقوف کر دیا ہے۔ مگر
 ہی ہر ایک کے دل میں یہ سوچ بھی آرہی تھی کہ کارڈ کا مضمون تو ایک ہی ہے
 جسے سب نے پڑھ لیا ہے۔ اب اس جگہ سے اٹھ کر جائے تو کون جائے۔ جو کوئی
 اٹھے گا اس پر سب کی نظر ہوگی۔ چنانچہ کیا رند اور کیا صوفی ایک دوسرے کا
 منہ دیکھ رہے تھے۔ کہ دیکھئے مرد میدان کون نکلتے۔ دس پندرہ منٹ تک
 کوئی اٹھتا نظر نہ آیا۔ بابو موہن چند۔ باندہ جی صاحب جو مسٹر گارٹ کی قائم کردہ
 پرنس سوسائٹی کے سیکرٹری تھے۔ بیٹھے بیٹھے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور
 حاضرین کی طرف ایک نہایت ہی فرخندہ نظر سے دیکھتے ہوئے انگریزی زبان
 یوں بولے کہ صاحبان۔ ہم میں سے بلکہ لاہور بھگت کے جملہ باشندگان میں سے
 کون ہے جو شیخ نصیر اللہ صاحب کو اس موقعہ سعید پر دل سے مبارکباد
 نہ کہہ رہا تھا۔ اور اس چھوٹے بچے کی جسے شیخ صاحب کے دو دیوانے کہنے
 دیدار سے منور کر دیے۔ ورازی عمر کے لئے خداوند کریم کی جگہ عین عالی
 رہا ہو۔ ایسا کوئی شخص نہ ہو گا۔ اس لئے آدھم سب لوگ دعوت میں شریک
 ہونے سے پیشتر ایک دفعہ ملکر دعا مانگیں کہ گاہ سید کورنگ شیخ پاپ لینے
 ہمارے چھوٹے شیخ کی عمر ہزار کرے۔ بابو صاحب کے اتنا کہنے پر شیخ صاحب
 کے جملہ احباب اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور سب نے رومال ہاتھ لیا اور دعا مانگی
 نکلیا کہ شیخ صاحب اُن کے دیگر برادران و متعلقات کی خوش اور خوشی کے
 واسطے آئندہ نیک بختی ہو۔ جب محفل میں جوش و خروش پیدا ہو پڑا۔ اور

محفل لغو لگا کر سچہ اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ تو بابو موہن چندر راجہ جی نے
 کہا کہ اس دعا کے بعد جو ہم سب نے ملکر کی ہے۔ اب آپ لوگوں کی سیوا میں
 میری کیلئے کی بھی ایک التماس ہے جس کے بہت ہی تھوڑے الفاظ ہیں۔ اور وہ کسی کے دل کو دکھانے
 والے نہیں۔ التماس یہ ہے کہ اس کا روبرو شیخ صاحب کی طرف سے ہر ایک صاحب کو دیا گیا ہے۔
 لکھا ہے کہ اگر جانا کو ضرور کرنا ہو تو موجودہ وغیرہ وغیرہ لکھا ہے کہ بہت جلد چکھنا چکے اختیار میں ہے نہ
 کہ آپ پر ضروری یا مجبوری امر تو بس اگر ضرور کی اوصاف اور اس کے نفع
 و نقصان کا مفصل بیان آپ لوگ پڑھ چکے ہیں۔ سن چکے ہیں اور اس کے استعمال
 کرنیوالوں کی مختلف حالتیں اپنی آنکھ سے دیکھ دیکھ کر فوس کر چکے ہیں تو آپ
 اس کے استعمال سے باز ہیں۔ نفٹ میں موت کو لگے سے نہ لگائے گا اور اس
 محفل کے لطف کو نہ گنوائے گا۔ یوں یہ التماس آپ سب کی خدمت میں ہے۔ مگر ان صاحب
 کی خدمت میں جنہوں نے انکے دن مسٹر گڈارٹ کی اپیل پر تحریری تم کھائی تھی
 کہ شراب کا استعمال چھوڑ دیجئے۔ تو خصوصیت سے استدعا ہے کہ اپنی تم پر قائم رہیں
 اس میں تو شک نہیں کہ شیخ صاحب تو اس خوشی کے موقع پر ہر طرح سے ہماری توفیق
 کر نیکیاں دیا ہیں۔ مگر ہمارا پیرض ہے کہ انکی تواضع کے لطف کو بے لطف نہ کریں
 اتنا کہر بابو صاحب بیٹھ گئے۔ اور حضار جلسہ نے تالیاں بجا کر ان کی درخوست
 کی تعریف کی۔ اور محفل میں کچھ دیر تک شراب کی بابت ہی تذکرہ
 ہوتا رہا آخر کسی نے باؤنڈل بند پکار کر کہا کہ اب اس کو ڈوسی ڈنر دم
 "یعنی آداب کھانے کے کمرہ میں چلیں" چنانچہ سب کے سب اٹھ
 کھڑے ہوئے مگر جو پینے کے عادی تھے۔ چھپتے چھپاتے نور بابو موہن
 چندر کی نظر سے بچے بچاتے بی بوتل جان کے دربار میں جا ہی پہنچے۔
 جہاں جا کر جان میں جان آئی۔ کھانے کے کمرے میں بہت ہی کم لوگ پہنچے۔

شیخ صاحب نے سوچا کہ جنہوں نے پینا ہے انہوں نے تو بہر حال پیسا ہی ہے
 اسے انکی نظاری کرنا فضول ہے۔ بہتر ہوگا۔ اگر ان صوفی صاحب کو کھانا کھا کر خدمت
 پہنچا دے تاکہ رندوں کے دل کی مرادیں برآویں۔ شیخ صاحب نے اپنا خیال بابو
 موہن چندر بانرجی پر ظاہر کر دیا۔ اور حسب مصلح بابو صاحب یہ تجویز قرار پائی کہ
 جتنے اصحاب آگے ہیں انکے واسطے کھانا حاضر کیا جاوے۔ جو باقی رہ گئے ہیں وہ
 بعد میں بیٹھ جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور صوفی اصحاب کھانا تناول فرما کر خدمت
 ہو گئے۔ اب میدان رندوں کے ہاتھ آگیا۔ یہ لوگ پہلے تو دلی علیحدہ کردوں میں مقیم
 تھے۔ یعنی اہل ہندو ایک کمرے میں اور اہل اسلام دوسرے میں۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد
 ہندو مسلمانوں کے پاس اور مسلمان ہندوؤں کے پاس آنے جانے شروع ہو گئے اور
 آخر کار سب کا اجتماع اہل ہندو کے کمرے میں ہی ہو گیا۔ کیونکہ یہ کمرہ خاصہ لمبا چوڑا
 تھا۔ یار لوگ ایک ایک گھونٹ پر بابو موہن چندر کو لاکھ لاکھ صلواتیں سناتے تھے کہ
 ٹمپرس کار و نارونے کا بھلا یہ بھی کوئی موقع تھا۔ ہ کوئی کہتا تھا۔ کیا کہیں بار بھال
 جاتے ہیں۔ اسکو آگے ہی موجود دپاتے ہیں۔ دوسرا کہتا تھا۔ میں تو اس وقت بولے گا
 تھا کہ یہ ٹمپرس کے لکچر کا موقع نہیں۔ مگر پھر میں نے کہا۔ کہ جانے دو اسکی بکواس
 ہو ہی کیا سکتا ہے۔ تیسرا کہتا تھا۔ لطف تو جب آتا کہ جب بابو صاحب کھانے پر
 بیٹھے ہوئے ہوتے تو ایک بوتل اور گلاس ان کے سامنے رکھ کر کہا جاتا کہ یہ لیجئے آپ
 بھی نوشجاں فرمائے اور دیگر اصحاب کو بھی دیجئے عرض جتے منہ تھے اتنی بکریں ان
 رندوں نے بابو صاحب کی غیر حاضری میں تو سینکڑوں تجویزیں سوجھ ماریں مگر انکی
 موجودگی میں ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکل سکا۔ ان لوگوں میں سے بعض نے تو
 بابو صاحب کی نصیحت آمیز درخواست پر اتنا غصہ کیا کہ جیب میں سے وہ ٹمپرس کی
 قسموں کے ٹکٹ جو انکے دن انہوں نے بادی صاحب کے جلسہ میں سڑگڑاٹ سے بطور

حاصل کئے تھے۔ نکال کر شراب سے الودہ کر کے لمپوں کی جھینٹ کر ڈالے۔ بے خون اور
 فضول بکواس کے ساتھ ہی یہ لوگ اقبال بھی کرتے جاتے تھے۔ کہ صاحب جو ہر ہوشیار
 اس سُسرئی شراب کا انجام تو بیشک خراب ہوتا ہے۔ مگر ایک ساعت بعد اس
 اقبال پر چائے پڑنے لگ جاتے کہ جناب برا انجام تو اس کے ہے جو اس کے غلام بن جائے لیکن
 جس کا اس سے عزم غلط ہوتا ہو اور جس کا دماغ اس کے پینے سے زیادہ کام کرنے لگ جائے
 وہ اس کیوں نہ پیئے۔ بیشک پیئے۔ کیا کہا نہیں کرتے کہ سچے کدو نام کدو اہل خرد
 را غلط است۔ بلکہ بے برنام شود از صحبت نادان۔ مختصر یہ کہ یہ نذر پور سے آئے تھے
 کبھی تو ناصح کو کو سننے لگ جائے۔ اور کبھی اپنے آپ کو۔ مگر مطلب کے پورے تھے۔ یعنی
 باتیں بھی کرتے جاتے تھے اور جام پر جام بھی لٹکاتے جاتے تھے جب خستہ زر کی خبر لے
 چکے تو کھانے کی طرف تشریف لے چلے۔ چلتے چلتے بن لوگوں نے شعر بازی کرنی شروع کر دی
 بہانہ لکھانے کے کہ میں بھی شعر بازی ہی ہوتی ہر سی۔ مگر یہاں بے تکلیاں بہت نامی
 گئیں یعنی جو جس کو یاد تھا بشارت نظم سب کچھ کہہ دیا کیا۔ اور نوبت گند سے الفاظ اور
 غلیظ گفتگو پر آن پہونچی بارے لکھانا ختم ہوا اور اب ناچ کی باری آئی۔ یہاں پر ہم
 اپنے ناظرین کی نگاہی کے واسطے اتنا لکھ دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ تہہ داد میں یہ لکھنا
 کے قریب تھے۔ اور انہیں سوائے مرزا فضل حسین پٹت برجموہن ناتھہ مارٹر فضل کریمہ
 تذکثر اور منفی نندمل اور دیوان دینا ناتھ صاحب کے باقی سب صحابہ عیاش پارٹی کے سرور
 میں ہمارے ناول کے سابقہ ابواب میں ناظرین کے سامنے پیش ہو چکے ہیں۔ موجود تھے نہ
 صرف وہی بلکہ شہر کے دیگر کثیر متعدد عیاش بھی جو سب ملکر شہر کے قریب تھے دیوان دینا ناتھ
 صاحب کے تو تھے۔ مگر کھانا کھا کر ابو موہن چندر بازی کے ساتھ واپس چلے گئے تھے لیکن
 مرزا صاحب سچ اپنے چاروں نقار کے آئے ہی نہ تھے۔ کیونکہ وہی شام کو انہوں نے جیسا
 کہ ناظرین جانتے ہیں۔ دیوان دینا ناتھ کے غسل خانہ سے سونے کی انہیں نکال لے جانی

تھیں جب پانچ کے کمرے میں آئے تو اپنے ہاں کرسیوں کی بجائے وری پر سفید چادر
 بفرش کر دیا گیا تھا۔ اسپر ہمارے رنڈاں لگا ہو چوند صرف رنڈی تھیں۔ بلکہ بڑے بڑے رنڈوں
 والے نام والے دولت والے اور جاہ و حلال لائے بھی تھے آکر رونق افروز ہو گئے وہاں
 کی بلکہ اس ات پیراندتی تھی۔ جسکی نایبہ بیٹے پیچھے لگ کر گانے والی بنی گل ہمار تھی۔
 ناچ کے کمرے کو شیخ صاحب نے آن کی آن میں اور کا اور بنا دیا۔ بڑے بڑے دربار کی
 بھیجا رفا نوس اور لپیوں و صحبت کے ساتھ لشکا دینے کے علاوہ دیواروں پر جتنی تصویر
 لگائی گئیں۔ وہ بھی سب کی سب پانچ تماشہ کی ہی تھیں۔ کوئی تو انگریزی ناچ بنے
 بال کی کیفیت بتلاتی تھی۔ کوئی فرانس کی مشہور گانے والی پریزادوں کے تماشہ
 کی تھی۔ کوئی کشمیری رقص کی۔ کوئی لامہ لوگوں کے تال کی کوئی بندرا بن کے رقص
 دھاریوں کی محفل کی۔ کوئی لکھنؤ کی۔ و اجہ علی شاہی محفل کی۔ جن سے ناچ کی
 رونق دو بلا ہو۔ ہی تھی۔ جب ٹھیک دن بجے تو گانا شروع ہوا۔ استاد حسین
 کے دوہرے نے سامعین کو بت کی طرح خاموش کر دیا۔ جب استاد
 اور دیگر سازندوں نے باری باری دو دو چار چار مبارک بادی اشعار
 گادیں اور بنی پیراندتی نے بھی نو تو لہجے کی دراز سی عمر کے لئے دعا مانگی
 لی تو۔ تو بھٹ پٹ فرمائی گانے کی نوبت آ گئی۔ چنانچہ پہلی فرمائش
 پنڈت رتن ناتھ صاحب کی طرف سے ہوئی۔ پنڈت جی خود تو زنگ
 کی دوتائی مسافت طے کر چکے تھے۔ مگر معشوق ایسے کی ہمیشہ تلامذہ
 میں رنارتے تھے۔ کہ جو مشکل سے اس مسافت کی پہلی ہی منزل
 پر پہنچا ہو۔ چنانچہ کئی روز سے انہیں بنی گل ہمار کی لٹکائی
 ہوئی تھی۔ بنی گل ہمار ابھی تیرہ چودہ سال کی تو آموز اور نہایت ہی

حسین مشوق تھی +

مشورۃ تھی مگر چونکہ ابھی سرفراز نہیں ہوئی تھی اس لئے پنڈت صاحب کو
 بہت مَنہ نہیں لگاتی تھی۔ مگر اس کے والدین پنڈت صاحب کو امید پر
 امید دیئے چلے جارہے تھے کہ جب لائق ہوگی۔ تو پہلے آپ ہی کی خدمت
 میں حاضر ہوگی۔ پنڈت صاحب نے اپنی فرمائش براہِ راست بی گل بہار کو
 ہی کی اور فرمایا کہ ”بی گل بہار۔ مال کونس کا تو کوئی خلیل ہو جائے۔“
 گو اس فرمائش سے بی پیراں دتی کچھ ناراض سی ہو گئی کیونکہ وہ طلبیئے کی
 سردار تھی مگر چونکہ سازندوں کو پنڈت صاحب کا لحاظ منظور تھا اس لئے
 انہوں نے مال کونس کی سُر کر لی۔ استاد حسین بخش نے سارنگی میں سے
 مال کونس کے پہلے ترانہ کو جو نکالا مولوی یوسف خاں صاحب جو محکمہ تعلیم میں
 ایک پروفیسر تھے ایک اہلے کر بہ آواز بلند پکارا اُٹھے ”بس جی بس مالک کونس
 کو سجا گیا“ استاد میراں بخش اور گانگی بدرنشاں ”بدرنشاں کا نام سنتے ہی یہ
 چوتھائی حاضرین محفل واہ واہ کرتے ہوئے بول اُٹھے۔ بدرنشاں کی کیا بات
 وہ تو لاہور کی جان تھی۔ مگر لعنت ہے اس کی عقل پر کہ مری تو کس پر مری۔
 بدرنشاں کا ذکر جو ہو پڑا کسی نے اسکو کسی تعریف سے۔ کسی نے کسی سے ابو
 کسی نے کسی سے یاد کرنا شروع کر دیا۔ اُسکے حسن و جمال اور گانے کی تونے
 تعریف کی مگر اُسکی اس بے عقلی پر کہ وہ ایک ہتہ کو یا ربنا بیٹھی رہنے لگت
 کی۔ بی پیراندتی اور اُس کے سازندے بھی اس گفتگو میں شامل ہو گئے۔
 ان لوگوں نے بھی اس کی زری صفت کی تو یہی کی کہ بڑے بڑے شہ بیفوں
 کو چھوڑ کر کجنت بھنسی تو کیسی زریل کے پنجے میں۔ اٹھائے تذکرہ میں کسی
 نے پوچھا کہ ”کیوں جی وہ اجکل سیگی کتھے؟“ اس سوال کے جواب میں
 حاضرین محفل میں سے تو کوئی نہ بولا مگر پرانہ دتی کے میراں سبوں میں ایک

بول اٹھا کہ ”زُناپ۔ لاہور وچ تان اوہ نہیں ہسکی۔ شہر وٹے شہر (مرد)
 جموں گئی ہوئی ہے۔ یہ منکر شیخ نصیر اللہ صاحب بولے کہ ”یاں بیان
 وہ نہیں ہے۔ ورنہ آپ لوگوں کی خدمت میں حاضر ہو جاتی یا شیخ صاحب کا
 منکر پیر اندتی کے میرا سی اور حاضرین میں سے کئی لوگ بول اٹھے کہ ”حاضر
 طرح ہو جاتی کیا وہ مہتر مر گیا ہے؟“ شیخ صاحب نے کہا ”مرد نہیں گیا
 بد النساء نے عدالت سے مقدمہ ہار کر آخر کار اُس سے طلاق حاصل کر لیا
 اور اس راز کا ابھی شہر میں دوچار اشخاص کو ہی علم ہے۔ طلاق کے کرہ کرہ
 گئی یہ کسی کو معلوم نہیں“ سپہ سالار لوگوں نے ”واہ واہ“ کا ایک نعرہ لگا کر
 کہ ”واہ شیخ صاحب خوب خوشخبری سنائی۔ سونے کا۔ جواہرات کا اور شہنشاہ
 کا قصہ نہیں گھٹتا خواہ کتنی مدت کسی کے قبضہ میں رہیں“
 یہ فقرہ سنتے ہی لالہ گنگا رام صاحب جو اس محفل میں اُس وقت آئے
 کہ جب دیوان وینا ناتھ صاحب کھانے کے کمرے میں تھے۔ اور جو ان کو دہان
 چپکے سے دسکرا اجباب کے ساتھ ”مرد“ یعنی ”ڈرنک“ روٹم میں سالن سے
 تھے بول اٹھے کہ ”صاحبان اگر آپ دوچار منٹ کے لئے بالکل خاموش ہو جائیں
 تو میں آپ کی خدمت میں ایک عرض کروں“ لالہ صاحب کی درخواست پر
 اصحاب خاموش ہو گئے۔ لالہ صاحب بولے ”وہ صاحبان۔ اس میں تو شک
 نہیں کہ بد النساء بد قسمتی سے ایک مہتر کے قابو میں آگئی تھی اور اُس کے ساتھ
 نکل کر بیٹھی تھی لیکن اگر آپ لوگ اُس مقدمہ کی جو تھوڑا عرصہ ہوا عدالت
 دایر ہو کر بد النساء کے برخلاف فیصلہ ہوا تھا ساری سہل کو دیکھیں تو آپ
 ہو بلے گا کہ اُس مہتر نے بد النساء کی سادہ مزاج اور بھولی بھالی طبیعت کو
 تاؤ کرنا تک یہی نیت کی تھی کہ اس کے لئے یہ سب سچا ہے

پتنگ لوٹ لے۔ چنانچہ وہ مسلمان بھی ہوا تو محض لوٹنے کی خاطر اور اگر نکاح پر
 بھی بہت سارے یہ خرچ کیا تو محض لوٹنے کی خاطر جس کا ثبوت یہ ہے کہ مقدمہ
 جیت لینے کے بعد اُس نے بیجاری کا چھاپ چھلاتا تک ہضم کر لیا اور ابھی تین
 چار دن ہی ہوئے ہیں کہ اُس نے بدر النساء کی جان پر بھی وار کرنے سے دریغ نہ
 کیا۔ اور وہ بھی محض لوٹنے کی خاطر۔ مگر بقول شخصہ کہ وہ تمام اچھلے جس
 کا انجام اچھلے ہے۔ بدر النساء یوں تو سر پیر تک لوٹی گئی اور بدنام علیحدہ ہوئی
 مگر خوشی کی بات ہے کہ آخر کار اُس سے طلاق لے آئی ہے۔ طلاق نامہ کل عدالت
 میں رجسٹری ہو گیا ہے۔ اور اب بدر النساء بالکل آزاد ہے۔ مگر اپنی کرتوت پر دل
 میں اس قدر نادم ہے کہ کسی کو منہ نہیں دکھا سکتی۔ اور چونکہ اُس کو آپ ایسے
 اُمرا کے ماں سے ہی آج تک رزق روٹی ملتی رہی ہے اور آئندہ بھی آپ ہی توقع
 رکھتی ہے اس لئے میں آپ کی خدمت میں متمسک ہوں کہ اگر آپ اُس کے حال
 پر رحم کر کے اُس کا مجر قبول فرماویں اور آئندہ کے لئے اُسے اپنی محاسن نشا
 میں یا کیا کریں تو میں اُس کو اسی وقت اسی محفل میں سے دھونڈ کر نکال دیتا
 ہوں یہ اتنا کہہ کر لا رنگا رام صاحب تین چار سیکنڈ کے لئے خاموش
 ہو گئے تاکہ محفل کی رائے معلوم ہو جاوے مگر یہ سوچ کر کہ لوگ اس پل بھر کی
 خاموشی کو اربوۃ خاموشی نہ سمجھیں لالہ صاحب رد مال سے اپنے لبوں کو پونچھنے
 لگ گئے۔ اس وقفہ میں حُضار مجلس میں ایک شور مچ گیا۔ آزاد ملک (مراد از
 یورپ) کی آزادی سے کھینچی ہوئی شراب نے بوتل کی قید سے آزاد ہو کر لاہور کے
 آزاد ی پسند اُمرا کو منہ لگتے ہی آزاد کو پا تھا بس لاہور کا رام کی آزاد تقریر پر بالکل
 ہی آزاد ہو گئے کہ جب بدر النساء کی مدد اور حمایت پر ایک معتز رنگن لاہور اس طرح
 آزاد ی سے گستاخو کر رہا ہے تو پھر اگر باہر لوگ بھی ایک پچھڑی ہوئی معشوقہ کے دست

بعد آزاد ہونے پر خوشی کا لغزہ لگا ڈالیں کیا ہرج سے۔ چلو کہہ دو کہ "واہ
 واہ! بدر النسا کو آزادی مبارک۔ وہ بیشک آئے۔ اور ہماری خوشی کی
 میں رونق اور ہولکے لگا لگا رام نے مجلس کی رائے معلوم کر کے اور
 کے چہروں پر بدر النسا کے ذکر سے خوشی کے آثار نمایاں پا کر اپنے دائیں ہاتھ سے
 ایک خوب صورت جٹلمیں کوشلے سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ اور منہ مال
 لیجئے۔ یہ بدر النسا ہے" انا انا!! بدر النسا اور سفید بنیان کے اور سفید
 مٹھے کی انگریزی کمیز اور اسپر اعلیٰ درجہ کی سیاہ بنات کی ایک دسک
 اور دسک کے اوپر ایسی ہی بانگات کے ایک کھلی چھائی والے کتے
 میں لمبوس اور سر پر ایک سفید دستار باندھے ہوئے گھٹنوں کے
 بیٹھی ہوئی کیا ہی بھلی معلوم ہوتی تھی۔ انا انا! اب جو وہ اٹھ کھڑی
 ہوئی اسے دیکھ کر سب کے سب یک زبان ہو کر مسکراتے ہوئے رہنے
 ہوئے۔ اور کھلکھلاتے ہوئے پکار اٹھے "ہیلو مسٹر بیرسٹر ہوڈو
 لیجئے" واہ مسٹر بیرسٹر آپ کے مزاج کیسے ہیں؟ اس میں تو شک نہیں
 بدر النسا یہ سبب شومئے طلوع اپنی بہت سی خدا داد خوب صورتی کو
 مگر اس وقت اس کا جو بن ایسی دمک مار رہا تھا کہ پیراندہ تھی اور گل بہار
 ان کے میرا سی بھی یک زبان ہو کر کہنے لگ گئے کہ "ایس حرامدی ٹون
 ویس کیسا ہونا چھب جائے اسے۔ کپور تھلے جدوں اچھے داسا تک
 سی۔ تھن بھی عجب ہی روپ چڑھیا سا سو لاپور کیا پنجا بھریں
 عیسے لپٹے اٹھ ایس سے کوئی ایسا ہوگا جو بدر النسا کو نہ جانتا ہوگا۔ بس
 ایک ایک بشر جو وہاں موجود تھا اس کے ساتھ ہاتھ ملانے لگ گیا اور کہ
 میں اکو شومج گیا۔ بدر لوگوں نے شراب کی بوتلیں دین میں تنگوالی اور

جام خالی ہونے لگ گیا۔ بس پھر تو عقل و ہوش کا خدا کے سوا دُعا کوئی حافظہ نہ رہا اور محفل کا از سر نو باقاعدہ بنانا نہایت ہی مشکل ہو گیا۔ مگر شیخ نصیر اللہ صاحب نے بنیں خود بھی بدر النسا کی آزادی پر کسی سے کم خوشی نہ ہوئی تھی۔ پڑی بہت سے لوگوں کو اپنی اپنی جگہوں پر بٹھلا دیا اور سر ملایا کہ "اگر آپ لوگ ہمارے بیٹھے جائیں تو بدر النسا سے اسی مردانہ لباس میں کھٹام یا سبزی کا پارٹ سنیں" یہ تجویز سن کر گئی ایک بول پڑے "مگر گڈی کو اتار دے اور بالوں کو کھٹا چھوڑ دے" اسپر دو چار اور احباب بولے۔ اور گئے کوئی مبارک کی چیز، شیخ صاحب نے کہا "تو پھر وہی" شادی جلوہ کھٹام مبارک ہو دے، کیوں نہ گلوے۔ وہ واہ ایہ خوب فرمایا۔ چنانچہ تجویز منظور ہوئی اور بدر النسا نے پیرانہ قی کے استادوں کے گے گھے اہو کر شادی جلوہ کھٹام والی استادانہ کی غزل گانی شروع کر دی۔ یوں تو شور و غل اور جوش و خروش برپا رہا ہی تھا مگر جب اُس غزل میں سے بی بدیا نسا نے وہ شعر گایا کہ جس میں آج ہے کہ بعدِ مذمت کے حسینوں کا نصیب اب جاگہ تو وہاں ایک عجیب کیفیت ہو گئی وہ یہ تھا کہ پڑنے والے لاکھ رام کشن وکیل کو وجد آ گیا اور وہ کہنخت عین اُسی سر میں کہ جس میں وہ لاکھنگارام کی محفل میں ناچا گایا تھا لیکن گھٹنے لگ گیا۔ کہنخت بھی وہ ہی پڑا تو تھا جیسے "بدر و تیرا پوسہ ری تیرا پوسہ" واہ واہ پوسہ کہ جس کا زکو فی ہالی تھا نہ تیرا نہ لاکھنگارام صاحب کی محفل میں تو لاکھ رام کشن کو کسی سے بہت کچھ کہنے کی جرات نہ کی تھی مگر یہاں اُس کی یہ حرکت لوگوں کو بہت نا پسند آئی اسلئے ہر ایک اُس کو پکڑ پکڑ کر بٹھلانے اور کوسنے بلکہ ٹھٹھکتے لگ گیا مگر وہ کہنخت کسی کی نہ سنتا تھا۔ اور محفل کے لطائف کو بکھڑتا چلا جاتا تھا۔ بہت سے آدمی

اس کو سمجھانے کے لئے باری باری اٹھنے لگ گئے اس نے بھی پتیر اہل
 لیا اور لات کا لاسٹ اور گھونٹے کا گھونٹا جو اب دینے لگ گیا۔ اس بات
 پائی اور شوہر و غل میں آخر کار وہ ایسا اچھلا کہ اس کا سر اس درباری جھار
 سے جس میں مٹی کے تیل کے چھ لپ اور کئی فیتیلے لگے ہوئے جل رہے تھے
 جا پٹکا۔ بھڑکرتے ہی تین چار لپ فرش پر گر پڑے۔ گرتے ہی انہیں
 آگ لگ گئی جس سے دری اور چادر جل اٹھی۔ مٹی کا تیل کمرے کے پیچوں
 بیچ اپنے ساتھ آگ پھیلے گیا فرش پر شراب اور سوڈا وائر کی کھلی ہوئی
 بوتلیں پڑی تھیں انکو بھی آن کی آن میں آگ لگ گئی۔ اور چونکہ ہر ایک
 شخص کمرے سے بھاگنے اور بچنے کی کوشش کرنے لگ گیا اسلئے آگ کو
 بجھانے کی کسی کو نہ سوجھی۔ انجام یہ ہوا کہ کسی کی پگڑی کسی کا کوٹ۔
 کسی کا گلو بند۔ کسی کی ٹوپی۔ کسی کا شال۔ کسی کی چادر میرا سول کے
 طبیل تہو سے لینے جو جو چیز کمرے میں رہ گئی سب سری جوالا جی کی مھینٹ
 ہو گئی اور کمرے خاصہ آتشکدہ بن گیا۔ شیخ صاحب کے آدمی نئی کھونے
 اور ٹوکر پر ٹوکر ہی آگ پر ڈالتے لگ گئے۔ یار لوگ اپنے اپنے گھروں کو بھاگنے
 شروع ہو گئے۔ اس اندھا دھند میں ہوئے تو کئی ایک سوئے ہوئے گرو
 ایک جودل چپ تھے یہ ہوئے کہ اول تو اینڈ رتن ناتھ صاحب کی داڑھی کا
 ایک بال بھی نہ رہا آگ سے نہیں جلی بلکہ اس کو بی گل بہار کے میرا سول
 نے فوج ڈالا کیونکہ اینڈ صاحب گل بہار کے گلے جا پٹے تھے اور ان کی
 حرکت گل بہار کے محافلوں کو ناپسند آئی تھی۔ دوم لالہ لعلی واس صاحب
 جو مدت کے بہلم سے واپس آگئے ہوئے تھے اسے بیچ ناتھ صاحب کے گلے
 ہو گئے۔ اور ان دونوں کی خوب جوت پزار ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بدلتا

کی طرح لالہ لعل بھی داس صاحب بھی مہتاب کو مردانہ لباس میں اپنے ساتھ
 لائے ہوئے تھے جس کو اسے صاحب کے پہچان لیا اور باہر نکل کر انہوں
 نے مہتاب کو چھٹیڑنا شروع کیا لالہ لعل بھی داس صاحب کے صاحب کے
 گلے جکڑ گئے۔ تیسرا معرکہ یہ ہوا کہ جب لالہ گنگا رام صاحب بدرالنسا کو لے کر
 اپنی گاڑی سوار ہوئے تو انہوں نے لالہ بھیم سین صاحب پنشنر کو بھی اشارہ
 کیا کہ او بیٹھ جاؤ۔ لالہ بھیم سین کے پاس لالہ شام داس صاحب جو آؤٹ
 آفس میں ایک سینئر کلرک تھے کھڑے تھے وہ لالہ گنگا رام صاحب جی کی اس
 بے اعتنائی پر کہ بھیم سین کو تو گاڑی میں بیٹھ جانے کو بلا لیا ہے اور ہم کو پوچھا
 تک بھی نہیں حالانکہ گاڑی میں ایک سواری کی ابھی اور جگہ ہے نہایت آزدہ
 خاطر ہو گئے اور بولے "واہ رسی قدرت۔ حرام کاری کا بھی لوگ ٹھیکہ لینے
 لگ گئے ہیں" لالہ گنگا رام صاحب یہ فقرہ سنا کر سمجھ گئے کہ یہ اشارہ انکی طرف
 تھا۔ چونکہ بدرالنسا برابر بیٹھی تھی اس لئے جوش آگیا اور چاہا کہ شام داس
 کو مارے۔ ہتھکڑوں کے زین پر بچھا دیا جاوے مگر چونکہ شام داس صاحب اپنا
 فقرہ کہتے ہی لالہ نرنجن داس صاحب اکوئنٹ کی نگہی پر سوار ہو گئے تھے
 اس لئے گنگا رام صاحب اپنے ارادے سے باز رہے اور گاڑی کو نکالے گئے
 مگر جو یہی یہ پچھانٹ سے نکلے لالہ نرنجن داس صاحب کی نگہی پیچھے سے آگئی لالہ شام
 ایک تو زود رنج تھے دو کم اُس وقت شراب سے خالص تھے۔ نگہی پر سے ہی پکار
 دو آگے سے نگہی ہٹاؤ پوہندو کنجیر۔ یہ فقرہ لالہ گنگا رام صاحب کی تلوار کے زخم
 کا سا معلوم ہوا۔ آؤ دیکھنا تاؤ اہل گئے ماتھ لالہ نرنجن داس کی نگہی پر ہتھکڑوں
 لینے چاکوں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ اکوئنٹ صاحب بھی کسی سے کم تھے
 انہوں نو کا جواب دے دیا اور اس تھا بلایں صوبہ ستوں کی معونی بدرالنسا

کے خوب سی چاند گنجی ہوئی مگر لوہاری دروازے تک پہنچتے پہنچتے مہار
صاف ہو گیا اور جھکڑے کا الزام شراب خانہ خراب کے ماتھے پر
گیا۔ اور اس طرح پر شیخ نصیر اللہ صاحب کی آخری محفل کا خاتمہ ہو
اور تو اور مگر بڑی خیر تو یہ ہوئی کہ شیخ صاحب کے نوکروں چاکریوں
اور شاگرد پیشہ لوگوں نے آگ کو جھٹ پٹ بجھا دیا اور شکر کیا کہ
اسیہ بود بلاے دے بخیر گذشت ۛ



چوبیسواں باب

دیوان صاحب کا غسل خانہ

بھاگ ونتی کا رقعہ پڑھ کر دیوان جی مارے خوشی کے نیم پاگل ہو گئے۔ کئی دفعہ ہنس پڑے۔ کئی دفعہ کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر بیٹھ گئے۔ خدا جانے کتنی دفعہ اس رقعہ کو پڑھا۔ چوما۔ آنکھوں پر رکھا۔ کیلجے سے لگایا۔ نہالا کو بڑے بڑے انعاموں کے وعدے کئے۔ غرض اس خوشی کی وحشت میں شام کے پانچ بجادئے۔ اور آخر کار جب ماموں صاحب بازار سے آگئے تو ماموں نے اُن کے اور مامی صاحبہ کے آگے پہلے تو دیوان برج لعل صاحب کی ذات پات۔ ملازمت اور عزت و توقیر کا تذکرہ کیا۔ پھر اُن کے لڑکے آتمارام کی موت کا حال بیان کیا۔ زناں بعد دیوان صاحب کی لڑکی بھاگ ونتی کی بہادر ہی اور لیاقت کا حال سنایا۔ جب یہ سب کچھ بیان کر چکے۔ تو بھاگ ونتی کا رقعہ پڑھ کر سنایا۔

انٹ۔ ناظرین پر واضح رہے کہ دیوان صاحب کی سگائی سے متعلق خط و کتابت دیوان برج لعل صاحب اور دیوان دینا ناتھ صاحب کی دوست داسے راج نرائن صاحب کے مابین ہوئی تھی اس کی خبر دیوان صاحب کی مامی صاحبہ اور ماموں صاحب کو اس وقت تک نہ تھی۔ صرف دیوان دینا ناتھ صاحب ہی اس سے واقف تھے اور کہا کہ اس سگائی کی عرصے سے داسے راج نرائن صاحب تجویز کر رہے تھے مگر میں نے اُن سے کہہ دیا تھا کہ جب تک میں اکثر اس سگائی کا پاس نہیں کر لیتا تب

ایک شادی یا سنگاٹی کرنا پسند نہیں کرتا۔ ماموں اور مامی نے اُس رقعہ کو کئی بار لکھ کر
 سے لگایا اور فرمایا کہ اگر یہ ناطہ ماتھہ آجائے تو بس پھر ہم کو اور کیا چاہئے۔ ان کی
 رضا مندی حاصل کر کے دیوان صاحب پھر اپنے کمرے میں آگئے اور مہنوں سے
 نہالا سے کئی ایک سوالات اُس کی فہم سے متعلق پوچھے اور اب اس بات میں
 کوئی شک نہ رہا کہ صبح کو بھاگ ونتی اور بھاگ ونتی کی والدہ اغلباً لالہ منذ کشور
 کے ہاں ہی آئی ہوں گی ورنہ اس گلی میں اور کسی سے ان کا کیا مطلب تھا۔ علامہ نے
 اس کے نہالا اور پروہت کی بحث سے دیوان صاحب نے یہ بھی سمجھ لیا کہ دراصل
 دیوان برج لعل صاحب کا دوسرا لڑکا کوئی نہیں اور یہ بھاگ ونتی بھی حقیقی کہ جو
 تین سو تھوڑے پران سپاہی زادے کے بھیس میں مل کر انہیں اپنے دارم محبت
 بلکہ دارم لیاقت میں پھانس گئی ہے۔ یہ خیال بھاگ ونتی کی تصویر کے متواتر درشن
 سے جتنا درست ثابت ہوا اتنا اور کسی دلیل سے نہ ہو سکا۔ اور اس کی درستگی
 دیوان صاحب کو جو خوشی حاصل ہوئی وہ ہم تو کیا دیوان صاحب خود بھی شاید نہ
 بیان کر سکتے۔ اس خوشی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ بیوی بھی وہ ملی ہے کہ جس
 کے رگ وریشے میں غیرت اور بہادری کا خون تسیر طرفہ یہ ہے کہ خوب صورت ہے
 پاک دامن ہے اور تعلیم یافتہ ہے۔ وہ ہم کو دیکھ چکی ہے ہم اُس کو دیکھ چکے ہیں مگر
 ان خیالات کے ساتھ جب نہالا کی اُس گفت گو پر دیوان صاحب نے خیال کیا کہ
 جو بابو بانک رام سپرنٹنڈنٹ اور اُس پر وہت کی کانابوسی کی باتوں اور بابو مذکور
 کے نہالا سے ان کی بابت پوچھنے سے متعلق تھی تو ان کو ایک وہم سا پیدا ہو گیا کہ کیا
 نہ ہو کہ بانک رام جو اول درجہ کا افسانہ دہت کہیں اُس پر وہت کی معرفت بھاگ ونتی
 پر کوئی عملہ کر دے۔ جس سے اُس کی عقبت میں خلل آجائے اور پھر غضب ہی رہا ہو جائے
 بس اس وہم نے دیوان صاحب کو شادی رگ سے بچا یا ورنہ جو خوشی انہیں بھاگ
 ونتی کی رقعہ سے حاصل ہوئی تھی وہ کچھ کم نہ تھی۔ چنانچہ دیوان صاحب نے ۲۶-۱۲۰

ہمارے دن جو گزارے تو اس طرح گزارے کہ خود معہ نہالا کے بھاگ و بھاگ کے
 مکان کے اوجھڑا دھڑ سے ہر روز تین چار دفعہ گزرتے اور جب تک کہ اس کے مکان تک
 اس سارے محلہ کی خیر و عافیت کی خبر نہ پالیتے انہیں آرام نہ آتا۔ اس تاریخ کو اس
 مولی گشت کے بعد دیوان صاحب شیخ نصیر اللہ صاحب کے ہاں دعوت میں
 فرمایا ہوئے کو چلے گئے اور صحن میں نہالا صاحب محمول لمپ وغیرہ صاف اور روشن
 بنائے بیٹھ گیا تو عین اس تجویز کے مطابق جو مرزا فضل حسین صاحب کی محفل میں
 راجہ منظور ہوئی تھی ماسٹر فضل کریم صاحب ایک اردو کی لباس میں لبوس
 دیوان صاحب کے مکان پر آئے۔ اور نہالا کو سلام کر کے چپکے سے اس کے پاس
 بیٹھ گئے۔ نہالا بولا: "دیوان صاحب دے ملن لئی آئے او"
 (کھانسی کر) "ہاں جی۔"

نہالا۔ "تسپیں کہ بھی عداوت چھ ہونے او"
 دیوان صاحب۔ "دزم کھانسی کے بعد" میں جی پہلا ہوندا ساں گرا بھل میں چھڑ بھجیاں ہوں"
 نہالا۔ "چنگا۔ تاں دیوان صاحب نال کی کم ہے کا۔"

دیوان صاحب۔ "عاجز صورت بنا کر اور ایک چھنی اور برش لیکر" جی نوکری واسطے ہی آیا ہوں
 وہ کھڑ یا مٹی سیرمی طرف کر دیو ایہ چھنی میں تو مانوں صاف کر دیاں"
 نہالا۔ "میں راضی ہو کر دیوان صاحب کی بدولت اب نائب بھی بنے لگ گئے ہیں سیکرانا
 دیوان صاحب۔ "نہیں نہیں تسپیں کا سنوں ہتھ خراب کر دے۔"

دیوان صاحب۔ "مسکرا کر" میرے ہتھان نوں ہندی تے نہیں لگی پرتی۔ خدا نے جیکہ چاہیاتے
 وہاں ہی ہر بانی ہو گئی تاں خبر سے روز آسپیں آپ اہی تو مانوں لمپ صاف کر دیا کرانگے۔
 نہالا نے مسکراتے ہوئے کھڑ یا مٹی اس اردو کی کے حاسے کر دی جس سے اس
 نے اس لمپ کو جھٹ پٹ صاف کر لیا اور بولا اس کو کون سے کرتے میں جگا ہے۔ نہالا
 نے غسل خانے کا لمپ پتے میں خود ہی لگا لیا۔ اس پر وہ اردو بولا۔

سینوں کی ڈہریے گاچی۔ غسل خانے چم کوئی چھوت والی چیزیں نہیں بیٹی برائی۔
 نہالانے کہا: "نہیں چھوت والی چیز دٹاں کیا ہوتی ہے۔ اور ہشتی مسنوں صاف
 کر دے گا پر تمہیں کاموں کھیل کر دے او"
 اور دلی میں تکلیف کوئی نہیں جی۔ غسل خانے اوہ سامنے والا ماں نہیں۔
 نہالانے دکرے کی طرف اشارہ کر کے "بس اوہ چھوٹا کراچہڑا باہر سے گا۔ باہر سے دروازے
 دتوں ہی اوڑھاؤ۔ سامنے کھیل بیگا ہے"
 اسپر اسٹر فضل کریم صاحب لپٹا اٹھاتے ہی کمرے میں چلے گئے۔

باقی بشرطہ زندگی چوتھی جلد میں

اطلاع

واضح ہو کہ سٹرنز آف لاہور جلد اول جلد دوم جلد سوم رجسٹری حسب ضابطہ کرائی گئی ہے۔
 کوئی صاحب اسکے چھاننے کا یا کسی اور زبان میں ترجمہ کرنے کا قصد نہ فرمادیں۔ جس کتاب پر بھلا
 ہو یا سنگھ صاحب کتب فروش کی فہرست ہوگی۔ وہ مال سر وقتہ سمجھا جائے گا۔

مختصر فہرست ناول و دوکان بہائی دیا سنگہ تاجر کتب خانہ لاہور

۸	حسرت	۸	مستر حصہ سوم	۸	کیفر دار
۶	شہر لائیس کی بیگم	۸	ناشاد	۱۳	نہ دلپذیر
۷	افسون	۴	پہلی شرافت	۷	عجیب فرنگ
۶	سچی نویلی	۱۰	دل آویز	۷	الردین بی
۸	جٹلین	۱۷	جیسی کئی ویسی بہرنی	۷	تھہ حاجی بابا
۳	سہ س حالی	۷	ہمراشا	۴	ایک لیلیڈ
۸	سوزش عشق	۱۰	آتش عشق	۲	ام محبت
۱۱	چاند	۸	کرشمہ قدرت	۴	سانہ عجائب
۱۰	عقلمی پادشاہ	۳	تاریخ ملکہ زینور	۷	ہام سرشار
۸	پانچو لطیف حصہ اول	۶	بالکاشوہر	۷	استان حکمت
۸	حصہ دوم	۶	دلربا	۵	سنانہ جیل
۶	مستر آف افسر	۱۳	ٹیپو سلطان ہر حصہ	۸	سنانہ مقبول
۶	قہر حق دیوار	۰	سری دربیانی لیٹے مسٹر	۷	سوزن عشق
۲	طار مدہوش	۱۰	آف پنجاب	۶	سیر مقبول
۷	ورگیش نندی	۷	شہید وفا	۷	سنانہ آزاد کامل
۷	ہمارا قافونی مشیر	۶	دلچسپ حصہ اول	۷	نصو موہنا
۰	یو پرین مذاق کے ایک	۷	دلچسپ حصہ دوم	۱۲	گلش ہر دو حصہ
۶	سوبا تصویر لطیف	۴	فیع ہیرت	۸	تین حصہ اول
۱۰	محبوب جمیلہ	۰	ملکہ مظفر تیرہ بند کی	۶	ہر حصہ دوم
۷	رزم بزم	۷	سوا فخری دو حصہ	۶	حصہ سوم
۷	دلگماز	۱۰	شرہ ریاست	۸	مستر آف افسر حصہ اول

نیاناؤل اچھاناؤل ہیاراناؤل دکش ناول

گلشن میں سرفوج میں مثل نشان رہے

دنیا میں سر بلند رہے ہم جہاں رہے

جنگ ٹر ناول

کون ہے جو اس منحوس جنگ سے آگاہ نہیں جس کے متوحش حالات اور جانکاه واقعات نے پورے
تو یورپ ایشیا میں بھی ایک کھلبلی سی ڈال رکھی ہے اخباری دنیا میں جس زور و شور سے اس چھڑی
جنگ کے مختلف پہلوؤں پر کتہ چنیاں اور طبع آزمائیاں ہو رہی ہیں مصلح بیان نہیں ہم نے انہیں
اور واقعات کے ہمراہ لندن کے ایک مشہور تاجر کی دو شیعروں کی شیفتن میری اور نقشہ جارج ہیرس
سچے نقش اور دلی وابستگیوں کی بکس حالتوں کا پورا پورا نقشہ ناول کے پیرامیٹریں دکھایا ہے کہاں پورے
بول چال کے دل دادہ مخبری ہوئی زبان کے شیرا اچھوتے مضامین کے تملکشی انوکھے خیالات کے
آئین اور اپنی مشتاق نگاہوں سے عبارت آرائی کی خوبیاں بان کی پاکیزگی بول چال کا بے ساختہ
ملاحظہ فرمائیں سچ تو یہ ہے کہ حضرت شفق نے اس ناول کو علاوہ زبان کی عمدیوں کے طبع طرح کی زینت
مزین اور سجاوٹوں سے محلو کر کے معزز ناظرین کے سامنے پیش کیا ہے چنانچہ چھپ کر تیار ہے اور ہاتھ
ہاتھ فروخت ہو رہا ہے ناول آئین اور غریبیں ورنہ دوسرے اڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔
علاوہ اس کتاب کے اور ہر قسم کی کتابیں فروخت کے لئے موجود ہیں۔

بھائی دیاسنگھ اینڈ سنز تاجران کتب لوہاری دروازہ لاہور

U

سورة النجم

نی

...

طال
طال

بر

بایر

منه



يَتَوَاتَرُ

قوله

...



۱۰۰

